

اسان الہی ظہیر کی کتاب البریلویہ
کا

تختہ سی اور تفیدی حارہ

کتابت
علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

مکتبہ قادریہ • لاہور

احسان الہی ظہیر کی کتاب البریلویہ

کا

تکلفیاتی اور تنقیدی جائزہ

تالیف : علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

تقدیم: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، سکس

مکتبہ قادیان، قادیان

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب	البریلویہ کا تحقیقی
تصنیف	اور تنقیدی جائزہ
تقدیم	علامہ محمد عبدالعلیم شرف قادری
صفحات	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ
تعداد	448
اشاعت اول	1000
اشاعت دوم	شعبان المعظم 1415ھ / جنوری 1995ء
باہتمام	ریختہ اول 1427ھ / اپریل 2006ء
ناشر	حافظ نثار احمد قادری
قیمت	مکتبہ قادریہ، جامعہ اسلامیہ خورشید نیازیہ - لاہور
	180 روپے =

ملنے کا پتا

مکتبہ رضویہ، داتا دربار مارکیٹ - لاہور Ph:042-7226193
 کاروان اسلام پبلی کیشنز، ایچی سن ہاؤسنگ سوسائٹی، ٹھوکر نیازیگ - لاہور
 مکتبہ اہل سنت، جامعہ نظامیہ رضویہ - لاہور

فہرست

باب اول

۳۳	حرفِ آغاز
۳۳	بریلوی نیا فرقہ؟
	امام احمد رضا اور عالمی جامعات
۳۹	البریلویۃ
۴۱	عجمی عربیت کی چند مثالیں
۵۳	کچھ اس تالیف کے بارے میں
//	بدیہ سپاس
۵۵	عطیہ محمد سالم کے نام
۵۷	ظہیر، حافظ عبدالرحمن مدنی کی نظریں
۶۳	دورِ زوال یا دورِ کمال؟
۶۶	مرزا غلام قادر بیگ
۶۷	نادر استدلال
۶۹	قائدِ عظیم، اقبال اور ضیاء
۷۶	علامہ اقبال نجدی علماء کی نظریں
۷۷	صدرِ پاکستان
	قرآن پاک جلد دو
۸۰	تفسیرہ بُردہ اور دلائل الخیرات جلد دو
۸۱	بخاری شریف جلد دو
۱۰۲	حکومت پاکستان فتوے کی زد میں

۸۰۔ یہ سب آلِ شیخ کا زیادہ است
 ۸۱۔ نزل کا ہوا

امام احمد رضا بریلوی

- ۸۷۔ مفکرِ اسلام، امام اہل سنت
 ۸۹۔ عبدالمصطفیٰ
 ۹۰۔ قوتِ حافظہ
 ۹۱۔ قوتِ ایمان
 ۹۲۔ غیرتِ عشق
 ۹۳۔ حزم و احتیاط
 ۹۴۔ عبقریت
 ۹۵۔ اتباعِ سنت
 ۹۶۔ معصوم کون؟
 ۹۷۔ منظرِ صحابہ
 ۹۸۔ قابلِ رشک بچپن
 ۹۹۔ نبوت کا دعویٰ کون؟
 ۱۰۰۔ بچپن کا ایک واقعہ
 ۱۰۱۔ مرزا غلام قادر بیگ کون؟
 ۱۰۲۔ روئے مرزا بیت
 ۱۰۳۔ علامہ عبدالحق خیرآبادی سے ملاقات
 ۱۰۴۔ شاہِ آلِ رسول سے اجازت
 ۱۰۵۔ شاہ ابوالحسین احمد نوری سے استفادہ

ردِ شیعہ

۱۳۱۹	امام احمد رضا اور شیعہ
۱۳۲	تفضیلیہ سے مناظرہ
۱۳۵	سُنیت اختیار کریں
۱۳۶	شیعہ کا حکم
۱۳۸	شیعہ ہونے کا الزام
۱۳۹	عدالتِ بخششِ حسہ سوم
۱۴۵	ائمہ اہل سنت اور فضائلِ اہل بیت
۱۶۱	عربی شجرۃ طریقت
۱۶۷	اہل حدیث کا شیعہ ہونے کا اقرار
	چند دوسرے پہلو
۱۷۰	دُنیا سے بے نیازی اور سخاوت
۱۷۶	اہلِ مدینہ کے لیے ہدیہ
۱۷۷	پان اور حُتّہ
۱۸۰	ہاتھ اور پاؤں کا چومنا
۱۸۳	شاہِ علی حسین اشرفی
۱۸۴	شدت کا الزام
۱۸۸	علمی شکوہ اور قدرتِ کلام
۱۹۲	تفسیر و خطابت
۱۹۷	تصانیف
۱۹۸	تعدادِ تصانیف
۲۰۱	فتاویٰ رضویہ
۲۰۲	اعتراضات

- ۲۰۹ ————— جد الممتار حاشیہ شامی
- ۲۱۰ ————— حاشیہ فواتح الرحموت
- اسلامی سیاست**
- ۲۱۲ ————— تحریک ترک موالات
- ۱۳ ————— اسلامی تشخص تک قربان
- ۲۱۵ ————— قائد اعظم اور ترک موالات
- ۲۱۶ ————— علامہ اقبال اور دوقومی نظریہ
- امام احمد رضا بریلوی اور ترک موالات
- گائے کی قربانی
- اسلامیہ کالج لاہور
- ۲۲۳ ————— تحریک ہجرت
- ۲۲۸ ————— جہاد
- ۲۳۰ ————— تحریک خلافت اور ترک موالات
- ۲۳۲ ————— دارالاسلام
- ۲۳۵ ————— بندوؤں کا تعصب
- ۲۴۰ ————— گاندھی کی ملاقات سے انکار
- ۲۴۱ ————— تحریک خلافت
- ۲۴۲ ————— الائمہ من قریش
- ۲۴۵ ————— بریلی کی تاریخی کانفرنس
- ۲۴۹ ————— جماعت انصار الاسلام
- ۲۵۴ ————— تحریک شدھی
- ۲۵۶ ————— فرانسس روبنسن کی بے خبری
- ۲۵۹ —————

امام احمد رضا اور انگریز

بہت دور کی سوجھی

۲۷۲

وصال ۲۵۰

۲۷۸

مبالغہ آرائی

۲۸۳

ارباب علم و دانش کے تاثرات

۲۸۵

تواضع زگردن فرازاں نکوست

۲۸۷

تلاذہ اور خلفاء

۲۸۸

تحریک پاکستان

۲۹۰

آل انڈیا سٹی کانفرنس

۲۹۵

مفتی اعظم پاکستان

۲۹۶

آل انڈیا سٹی کانفرنس بنارس

۳۰۲

جمعیت العلماء پاکستان

شیشے کے گھر باب دوم

۳۰۳

اہل حدیث کی وہابیت سے نفرت

۳۰۵

انگریزی دور میں نشوونما

۳۰۹

انگریزی دور میں اٹھان

۳۱۳

تقلید ائمہ اور اجماع کا انکار

۳۱۵

چھوٹا منہ اور بڑی بات

۳۱۷

غیر مقلدین کی تقلید

۳۲۰

فسقہ قلیلہ

۳۲۲

فتنوں کا سرچشمہ

۳۲۳

علماء دیوبند اور اہل حدیث

غیر مقلدی بے دینی کا دروازہ

- ۳۲۵ ————— بے ادب اور گستاخ
- "————— رخصتوں کا مجموعہ
- ۳۲۶ ————— غیر مقتدہ ہونا آسان
- "————— ادب و تہذیب سے دُور
- "————— نیت پر بھی شبہ
- ۳۲۷ ————— ابطالِ سنت
- "————— فتنوں کے بانی غیر مقتدین کے لطف سے
- "————— انگریز کی نظرِ کرم
- ۳۲۸ ————— بے ادب اور گستاخ
- ۳۲۹ ————— تبدیلیِ عنوان
- ۳۳۰ ————— مستند خیر خواہ
- ۳۳۱ ————— اہل حدیث اور انگریز
- ۳۳۲ ————— کیا یہ تحریک انگریز کے خلاف تھی؟
- ۳۳۳ ————— گردابِ حیرت
- ۳۳۴ ————— گارڈز کون تھا؟
- ۳۳۵ ————— انوکھا معیارِ تحقیق
- "————— مقصدِ جہاد
- ۳۳۶ ————— سرحدی مسلمانوں سے جہاد
- ۳۳۷ ————— واقعہ بالاکوٹ کے بعد
- ۳۳۸ ————— گورنمنٹ سے روابط
- "————— بدیہ نیاز لارڈ ڈفرن اور ایچی سن کے تصور
- ۳۳۹ ————— ملکہ برٹانیا کے حضور اہل حدیث کا ایڈریس
- ۳۴۰ ————— مددِ خطاب
- ۳۴۱ ————— لارڈ ڈفرن کے حضور
- ۳۴۲ ————— سپاسنامے کے شاہ

- ایچی سن کے حضور
- ۳۷۰ دربارِ دہلی میں ارمنغان عقیدت
- ۳۷۱ الاقتصاد فی مسائل الجہاد
- ۳۷۲ ہندوستان دارالاسلام ہے
- جہاد کہیں بھی نہیں ہو سکتا
- ۳۷۶ ۱۸۵۷ء کے مجاہدین مفسد، بدکردار، باغی
- ۳۷۷ جہاد حرام
- ۳۷۸ سٹیفکیٹ
- قتارِ زمانہ سے واقف
- ۳۷۹ خوفناک انگریزی مظالم
- مادرِ مہربان
- ۳۸۰ ملکہ ہماری سلطنت ہی کے لیے بنائی گئی
- بم ڈٹنے کی چوٹ پر گورنمنٹ کا ساتھ دیں گے
- ملکہ کی خیر خواہی میں جان دینا باعثِ فخر
- ۳۸۱ ۱۸۵۷ء کے مجاہد بے وقوف تھے
- برٹش گورنمنٹ ہی میں ہماری ترقی ہے
- مسلمانوں کو برٹش کا مطیع بنانا
- ۳۸۲ انعام و فساد
- ۳۸۳ میاں نذیر حسین دہلوی
- پہلا دور
- دوسرا دور
- ۳۸۹ انعام یافتہ وفادار
- ۳۹۰ حالتِ جنگ میں درس جاری رہا
- ۳۹۱ جہاد باعثِ ہلاکت و معصیت
- ۳۹۲ انگریزی میم کی حفاظت

- ۳۹۵ ————— مسٹر ٹینکیٹ
- ۳۹۹ ————— سفر حج اور کشنزدہلی کی چٹھی
- ۴۰۰ ————— ہندوستان دارالامان
- گورنمنٹ، خدا کی رحمت
- ۴۰۲ ————— نواب صدیق حسن خاں بھوپالی
- ۴۰۵ ————— جہاد کا عزم گناہ کبیرہ
- ۴۰۶ ————— ۱۸۵۷ء کے مجاہدین مرتکب کبیرہ
- ۴۰۷ ————— جہاد نہیں فساد تھا
- ۴۰۸ ————— ملکہ بھوپال کے اعزازات
- ۴۱۳ ————— وفیات
- بحالی
- ۴۱۸ ————— تفسیر نسیف
- دعوائے مجددیت
- ۴۲۳ ————— ڈبئی نذیر احمد دہلوی
- ترجمہ قرآن
- ۴۲۵ ————— انگریزی سلطنت کے اہل ہیں
- ۴۲۷ ————— انعام
- ۴۲۸ ————— قاضی محمد سلیمان منصور پوری
- اہل حدیث کا فرانس کا ایک مقصد حکومت و فاداری
- مولوی ثناء اللہ امرتسری
- ۴۳۰ ————— تفسیر یا تحریف؟
- ۴۳۳ ————— مرزائیوں کے پیچھے نماز جاتو
- ۴۳۴ ————— حکومت برطانیہ سے وفاداری پر امرار
- اُجلی پیشانیاں
- ۴۳۵ ————— برلن گورنمنٹ کے خطاب یا خطمان

گفتنی و ناگفتنی

نعمہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلی الہ واصحابہ اجمعین

جب پاک و ہند میں اسلامی سلطنت کا آفتاب غروب ہو رہا تھا، تاریکیاں پھیل رہی تھیں، دل ڈوب رہے تھے، حوصلے پست ہو رہے تھے، کہ رحمت باری جوش میں آئی اور ایک آفتاب طلوع ہوا، جس نے فضاؤں کو منور کر دیا، ڈوبتے دلوں کو سہارا دیا، پست حوصلوں کو بلند کیا..... تاریک فضاؤں میں طلوع ہونے والا یہ آفتاب کون تھا..... وہی امام احمد رضا عرب و عجم نے جس کی عظمت و جلالت کی گواہی دی، جس نے اپنے نام و ناموس کو دین اسلام اور شارع علیہ السلام کی آن پر قربان کر دیا..... دشمنان اسلام کو اس کی یہ وارفتگی و شیفتگی اور جاں باختگی پسند نہ آئی، اس کے خلاف سازشیں کی گئیں، اس کے خلاف کئی محاذ قائم کئے گئے اور ہر محاذ پر اس کی کردار کشی کی گئی، دلوں سے اس کی یاد کو مٹایا گیا، ذہنوں سے اس کے نقوش عظمت کو کھرچ دیا گیا..... وہ جو فضاؤں پر چھایا ہوا تھا، دانش گاہوں میں اس کا نام لینا جرم ٹھہرا، علمی مجلسوں میں اس کی بات کرنی مشکل ہو گئی..... جو نشان علم و فضل تھا سازشوں سے اس کو بے نشان کر دیا گیا..... نصف صدی گزر گئی..... اچانک خزاں رسیدہ گلشن میں پھر بہار آئی، شہنیاں جھولنے لگیں، پھول کھلنے لگے، بلبل چمکنے لگے..... اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے شہر لاہور کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ آج سے تقریباً ۲۴ سال پہلے یہاں ”مرکزی مجلس رضا“ کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا گیا، خلوص و للہیت سے قائم کیا تھا، ہر سطح پر مخلصین نے تعاون کیا اور اس ادارے نے امام احمد رضا کے حالات و افکار پر لاکھوں کی تعداد

میں لٹریچر چھاپ کر پھیلا یا ' نہ صرف پاک و ہند میں بلکہ پوری دنیا میں پھر گیارہ برس ہوئے کراچی میں " ادارہ تحقیقات امام احمد رضا " قائم ہوا اور اس نے اپنا لٹریچر پاک و ہند اور دنیا کے دور دراز علاقوں میں پھیلا یا پھر " رضا اکیڈمی لاہور نے پانچ برس ہوئے بڑی سرعت سے کام کیا اور اہل دانش سے خراج تحسین وصول کیا اب " مرکزی مجلس رضا " نے بھی طویل خاموشی کے بعد پھر کام شروع کیا ہے رضا اکیڈمی (یو۔ کے) رضا اکیڈمی (بمبئی) ' سنی رضوی سوسائٹی (جنوبی افریقہ) ' رضا انٹرنیشنل اکیڈمی (صادق آباد) ' مجمع الاسلامی (مبارک پور) غرض پاک و ہند اور بیرون ملک، بیسیوں ادارے ہیں جو امام احمد رضا کے حالات و افکار پر مسلسل لٹریچر شائع کر رہے ہیں ' سنی دارالاشاعت مبارکپور نے فتاویٰ رضویہ کی پانچ جلدیں شائع کیں الحمد للہ ان اداروں کی علمی مساعی کے نتائج سامنے آئے ' محققین کی بات سنی گئی ' یونیورسٹیوں اور پبلک سروس کمیشن کے امتحانی پرچوں میں امام احمد رضا پر سوالات آنے لگے ' جامعات میں ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے تحقیقی مقالات لکھے جانے لگے اور ڈگریاں ملنے لگیں چنانچہ اس وقت چار براعظموں کی یونیورسٹیوں میں چھ اسکالر تحقیقی مقالات لکھ کر ایم۔ فل یا پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں ' گیارہ اسکالر اس وقت تحقیق میں مصروف ہیں اور کچھ رجسٹریشن کے لیے کوشاں ہیں ۔

الغرض معاندین کے الفاظ میں جس کو زیر زمین دفن کر دیا گیا تھا وہ پھر زندہ ہو گیا خوب کہا ہے اور خود کہا ہے ۔

بے نشانوں کا نشان مٹا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

بے شک عاشق مرا نہیں کرتے وہ شہید ہو کر بھی زندہ رہتے ہیں بلکہ ان کی
موت زندہ انسانوں کے لیے باعث رشک ہو جاتی ہے ۔

قسم مگر کہ کشتہ شمشیر عشق یافت

مرگے کہ زندگاں بدعا آرزو کنند !

عرض یہ کر رہا تھا کہ دفن کرنے والے دفن کر چکے تھے جدید علمی حلقوں اور دانش گاہوں میں اس کا نام لینا جرم ٹھہرا لیکن پھر وہی علمی حلقے، پھر وہی دانش کدے اس کے ذکر و اذکار سے گونجنے لگے ستر برس بعد پھر ایک مہم چلائی گئی۔

۱۹۷۰ء میں راقم نے ترک موالات سے متعلق امام احمد رضا کے محققانہ رسالے المحجۃ الموتیۃ فی ابتہ الممتحنہ کی روشنی میں ایک مقالہ قلم بند کیا جو ۱۹۷۱ء میں مرکزی مجلس رضا لاہور نے شائع کیا، اس مقالے میں تاریخی پس منظر پیش کرتے ہوئے ضمنائید احمد بریلوی کا ذکر آگیا جس سے یہ تاثر ملتا تھا کہ سید صاحب کی جدوجہد سے اور تو کچھ ہوا یا نہیں انگریزوں کے سرور فائدہ پہنچا۔ یہ تاثر اس عام تاثر کے خلاف تھا جو بعض محققین و مورخین نے غلط بیانیوں کے ذریعہ برسوں کی محنت کے بعد قائم کیا تھا بہر حال راقم کے مقالے فاضل بریلوی اور ترک موالات کا شائع ہونا تھا کہ غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی، کیونکہ تسلیم شدہ حقائق تاریخی و عقوبت کی طرح بکھرنے لگے ایک یونیورسٹی کے شیخ الحدیث نے اپنی نجی محفل میں راقم سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ! ”میں فلاں پبلشر سے کہوں گا کہ یہ دفتراں کی کتابیں نہ چھاپا کرو“ دوسری یونیورسٹی کے صدر شعبہ تاریخ بھی ناراض ہوئے اور دیرینہ دوستی بھی ختم کر دی، راقم نے عرض کیا ”تاریخی حقائق عقائد نہیں ہوتے آپ میری بات غلط ثابت کر دیں میں اپنی بات کاٹ کر آپ کی بات لکھ دوں گا کوئی لڑائی جھگڑا نہیں یہ تو تحقیق و ریسرچ ہے جو بات ثابت ہوگی وہی لکھی جائے گی“ پھر خدا کی شان مولوی حسین احمد دیوبندی کی کتاب اشاب الثائب میں یہ بات مل گئی کہ جب سید صاحب صوبہ سرحد میں اپنی کاروائیوں میں مصروف تھے تو انگریز اسلحہ سے ان کی مدد کر رہے تھے چنانچہ مقالے کے دوسرے ایڈیشن میں یہ حوالہ پیش کر دیا گیا اور معترضین خاموش ہو گئے تاریخ میں غلط بیانی یا دھونس سے کسی بات کو منوانے کی گنجائش نہیں لیڈن

یونیورسٹی 'ہالینڈ کے کہنہ سال مستشرق پروفیسر ڈاکٹر جے۔ ایم۔ ایس بلیان نے راقم کے اس موقف کی تائید کی کہ سید صاحب نے انگریزوں کے خلاف کوئی جدوجہد نہیں کی..... حقائق و شواہد کی روشنی میں ہر محقق اسی نتیجے پر پہنچے گا..... تو عرض یہ کر رہا تھا کہ راقم کا مقالہ فاضل بریلوی اور ترک موالات شائع ہوا تو امام احمد رضا کے مخالفین نے اس پر اپنے رد عمل کا اظہار کیا

پھر جب راقم کی کتاب "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی اور امام احمد رضا کی عرب و عجم میں ہمہ گیر مقبولیت کے جلوے دکھائے گئے تو ماہر القادری نے اپنے رسالے فاران (کراچی) میں ایک طویل مضمون لکھ کر امام احمد رضا کے مخالفین و معاندین کو خبردار کیا کہ اگر دانشوروں نے امام احمد رضا کی عظمت و جلالت کے جلوے دیکھ لیے تو پھر ان کی نظروں میں کوئی نہیں سمائے گا..... یہی کتاب جب مسلم یونیورسٹی 'علی گڑھ بھیجی گئی' تو وہاں شعبہ سنی دینیات کے صدر پروفیسر ڈاکٹر محمد رضوان اللہ مرحوم نے اپنے ساتھی پروفیسروں کو دکھائی انہوں نے پڑھ کر بیک زبان کہا کہ اس سے قبل ہم سخت غلط فہمی میں مبتلا تھے..... ہیں پچیس پروفیسروں نے یہ بات کہی..... پھر کیا ہوا یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی میز پر رکھی ہوئی تھی وہ کسی کام سے کمرے کے باہر گئے امام احمد رضا کے کسی مخالف نے پار کر لی، واپس آئے تو کتاب میز پر نہ تھی..... یہ بات مرحوم نے خود راقم کو بتائی..... اس قسم کی اوجھی حرکتوں سے حق اور سچائی کو چھپایا نہیں جا سکتا..... اس کی قسمت میں بلند ہوتا ہے وہ بلند ہو کر رہتی ہے۔

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ امام احمد رضا کی بات پھیلتی چلی گئی..... معاندین اس سیلاب کے آگے پاڑھ باندھتے رہے..... امام احمد رضا کا ترجمہ قرآن کنزالایمان "جب لاکھوں کی تعداد میں مشرق و مغرب میں پھیلنے لگا تو بڑی تشویش ہوئی، کوشش کی گئی الزام تراشیوں کا سہارا لے کر کم از کم عرب ملکوں میں اس پر پابندی لگوا دی جائے اور بالاخر پابندی لگا دی گئی..... جب کہ ایسے مترجمین کے ترجموں پہ پابندی نہ لگی جو قرآن کی اداؤں کے رازدار نہیں، جو ترجمے کے مزاج سے

واقف نہیں..... ۱۹۹۱ء کی بات ہے فقیر جب حج بیت اللہ شریف کی سعادت حاصل کر کے جدہ ایئرپورٹ سے کراچی روانہ ہو رہا تھا تو وہاں حکومت کی طرف سے تمام پاکستانی حاجیوں کو قرآن کریم کا تحفہ دیا گیا، جو احتیاط سے رکھ لیا گیا، بعد میں جو کھول کر دیکھا تو یہ قرآن مترجم تھا، مولوی محمود حسن دیوبندی کا ترجمہ اور مولوی شبیر احمد عثمانی کے تفسیری حواشی..... جس کے متعلق عالم اسلام کے جانے پہچانے عالم مولوی ابوالحسن علی ندوی نے یہ تصدیق کی ہے : اردو زبان میں یہ سب سے اچھا ترجمہ و تفسیر ہے اس کی طباعت و اشاعت ہونی چاہئے ۲

یہ قرآن حکیم شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس، مدینہ منورہ میں چھپا اور وزارت اوقاف سعودی عرب نے اس کو شائع کیا..... اس ترجمے میں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گنہگار بتایا گیا ہے ۳ اور بھٹکتا دکھایا گیا ہے ۴ ایسے ترجمہ کو ”اردو زبان کا سب سے اچھا ترجمہ قرار دیا گیا“..... اور وہ ترجمہ جس میں عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رکھا گیا اور اس پر حرف آنے نہ دیا اس کو اس لائق نہیں سمجھا گیا کہ سعودی عرب میں اس کی اشاعت بھی ہو وہاں چھپنا تو دور کی بات ہے۔

بریں عقل و دانش بیاہد گریست!

پھر یہی نہیں کہ ”کنز الایمان“ پر پابندی لگوائی گئی بلکہ اس ترجمہ کے خلاف ایک فاضل کو لالچ دے کر کتاب لکھوائی گئی، پھر اس کو شائع کیا گیا، اس کتاب سے اور تو کچھ نہ ہوا مصنف کا نام بدنام ضرور ہوا اور ہاتھ کچھ نہ آیا..... یہ ایک راز ہے جو راز ہی رہے تو بہتر ہے، راقم کا مقصد کسی کو بدنام کرنا نہیں بلکہ حقائق سے پردہ اٹھانا ہے۔

عرض، یہ کر رہا تھا کہ جب دور و نزدیک امام احمد رضا کا چرچا ہونے لگا تو ان کے مخالفین کو یہ بات اچھی نہ لگی اور انہوں نے ان کی کردار کشی کے مختلف حربے استعمال کئے..... چند حروں کا ذکر تو اوپر آچکا ہے ایک حربہ اور استعمال کیا گیا اور وہ یہ کہ احسان الہی ظہیر نامی ایک صاحب سے البریلویہ کے نام سے کتاب لکھوائی گئی،

یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ انہوں نے لکھی ہے یا ان سے منسوب ہے۔ نہ بے یونکہ
منسوب کرنے کے یہ حضرات عادی ہیں، بعض کتابوں اور عبارتوں میں شاہ ولی اللہ
محدث دہلوی سے منسوب کیا گیا، یہ ایک طویل داستان ہے۔ ۵۰۰ تو عرض یہ کر رہا
تھا کہ البریلویہ کے نام سے عربی میں ایک کتاب لکھوائی، جس کو ”جھوٹ کا پلندہ“ کہا
جائے تو بجا ہے اس میں امام احمد رضا کی جی بھر کے کردار کشی کی گئی ہے..... جس
زمانے میں یہ شائع ہوئی اسی زمانے میں راقم سیرت کانفرنس میں شرکت کے لیے اسلام
آباد گیا وہاں اسمبلی ہال میں محترم جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری صاحب سے
ملاقات ہو گئی، وہ اپنے ساتھ دولت کدے پر لے گئے وہاں اس کتاب کا ذکر نکل آیا
..... مفتی صاحب سے جب یہ کتاب طلب کی تو انہوں نے لا کر دکھائی.....
اس کی تقدیم شیخ عطیہ سالم نے لکھی ہے، جس میں انہوں نے البریلویہ کے سارے
مندرجات کے تصدیق کی ہے، ان میں ابن الزبار، چونکا دینے والے تھے، تفصیل
آگے آتی ہے..... کتاب کو ذرا آگے سے دیکھا تو ایک جگہ لکھا تھا کہ امام احمد
رضا سخت غصے والے اور زبان دراز تھے اور حوالے میں راقم کی کتاب ”فاضل بریلوی
علمائے حجاز کی نظر میں“ کا نام ہی نہیں بلکہ صفحہ بھی تھا، پڑھ کر حیران رہ گیا۔

چہ دلاور است دزدے کہ بکت چراغ دارو

بہر حال گمراہ کن حوالے سے اتنا اندازہ ہو گیا کہ باقی مندرجات کا کیا حال
ہو گا؟ ابھی کی بات ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے
معمولات و افکار کا مستند ترین مجموعہ القول الجلی فی ذکر آثار الولی (مصنفہ محمد عاشق
پہلوی، مطبوعہ دہلی ۱۹۸۹ء) سامنے آیا، معلوم ہوا کہ اس کو برسوں تک اس لیے دبایا
گیا کہ اس سے امام احمد رضا کے مسلک کی تائید ہوتی تھی اور بعض ایسی کتابوں کی
تخلیص ہوتی تھی جو شاہ صاحب کے نام سے گھڑی گئی تھیں..... مگر جیسا کہ راقم
نے پہلے عرض کیا کہ حق تو ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے اور باطل کی قسمت میں ٹٹا ہے، وہ
مٹ کر ہی رہتا ہے، تو یہ کتاب ظاہر ہو گئی، علی خیانتوں اور الزام تراشیوں کا
سلسلہ نہ معلوم کب سے جاری ہے، اس کے مقاصد اہل علم و دانش سے پوشیدہ نہیں

ہاں تو جب البریلویہ پر نظر ڈالی تو امام احمد رضا کے متعلق یہ انکشافات سامنے آئے کہ امام احمد رضا کا رشتہ نگر ایک طرف مرزا غلام احمد قادیانی سے ملتا ہے تو دوسری طرف شیعہ حضرات سے، گویا اہلسنت سے ان کا کوئی تعلق ہی نہیں، یا ہے تو برائے نام راقم کے لیے یہ دریافت بالکل نئی تھی کیونکہ پندرہ سال امام احمد رضا پر ریسرچ کرنے کے باوجود یہ پہلو سامنے نہ آیا تھا، بلکہ راقم کے علم میں تو یہ تھا کہ امام احمد رضا نے قادیانیوں اور شیعوں کے خلاف رسالے لکھے تھے چنانچہ یہ خیال کرتے ہوئے کہ شاید تقدیم نگار شیخ عطیہ سالم نے غلط فہمی کی بنا پر البریلویہ کے گمراہ کن مندرجات کی تصدیق کر دی ہے، 'دلائل و شواہد کے ساتھ ان کو خط لکھا گیا، مگر انہوں نے راقم کے خط کا جواب نہیں دیا، جس سے اندازہ ہوا کہ یا تو اس نام کا کوئی عالم نہیں اور اگر ہے تو وہ اس سازش میں شریک ہے بہر حال البریلویہ کے الزامات ایسے ہیں کہ نہ اٹھائے جائیں نہ رکھے جائیں جب البریلویہ کی حقیقت حکومت پاکستان کے علم میں آئی اور اس کے خلاف اہلسنت نے احتجاج کیا تو اس پر پابندی لگا دی گئی برسوں سے اس پر پابندی لگی ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد کے طلبہ کی ذہنی تطہیر کے لیے ان کو البریلویہ دکھائی جاتی ہے، ممکن ہے کہ تقسیم بھی کی جاتی ہو اس یونیورسٹی میں امام احمد رضا کی بات نہیں سنی جاتی تھی، ۱۹۹۱ء میں غالباً پہلی بار امام احمد رضا انٹرنیشنل کانفرنس (منعقدہ کراچی، لاہور، اسلام آباد) کے مندوبین کو ایک سیمینار میں دعوت دی گئی اور انہوں نے مسلک اہلسنت اور امام احمد رضا کے افکار و خیالات پر اظہار خیال کیا راقم کے نزدیک اشخاص ہوں یا ان کے افکار اگر علمی دیانت کے ساتھ ان کو زیر بحث لایا جائے تو کوئی حرج نہیں کردار کشی کو راقم بدترین گناہ تصور کرتا ہے۔

ہاں تو ذکر تھا احسان الہی ظہیر کی کتاب البریلویہ کا جس میں امام احمد رضا کی کردار کشی میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی گئی عربی میں ایک مقولہ ہے سچ خود بلند ہوتا ہے، بلند نہیں کیا جاتا الحمد للہ اہلسنت حق پر ہیں ان کو جھوٹ اور افترا

پردازوں کے سہارے کی ضرورت نہیں جب کہ جانب دیگر اس کی بہت ہی ضرورت ہے..... یہ جھوٹ غیروں کی کردار کشی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اپنوں کی کردار سازی کے لیے بھی..... یاد آیا ڈاکٹر محمد رضوان اللہ مرحوم (صدر شعبہ سنی دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے مولوی محمد انور شاہ کشمیری پر علی گڑھ سے ڈاکٹریٹ کیا تھا اور علمائے دیوبند پر قاہرہ کی ازہر یونیورسٹی سے ڈی لٹ اس میں مولوی حسین احمد کا بھی ذکر کیا تھا..... کئی برس پہلے موصوف کھٹھہ (سندھ) میں غریب خانے پر تشریف لائے، راقم کے کتب خانے میں مولوی حسین احمد دیوبندی کی اثبات الثاقب نظر سے گزری تو حیران رہ گئے اور فرمایا ”یہ تو مجھے دکھائی ہی نہیں گئی، اگر مجھے پہلے علم ہوتا کہ اس شخص نے اعلیٰ حضرت کے لیے ایسے نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں تو اپنے مقالے میں ہرگز اس کا ذکر نہ کرتا“..... وہ اپنے ساتھ اپنا مقالہ ڈاکٹریٹ بھی لائے تھے جس میں مولوی محمد انور شاہ کشمیری کی تعریف و توصیف میں بلا دلیل بہت سی باتیں کہی گئی تھیں..... راقم نے عرض کیا آپ نے مولوی انور شاہ کشمیری پر مولانا مفتی محمد نور اللہ نعیمی علیہ الرحمۃ کے تعاقبات بھی ملاحظہ فرمائے؟ فرمایا نہیں..... پھر راقم کو مقالہ کی مطبوعہ جلد دیتے ہوئے فرمایا ”یہ ایک نسخہ میرے پاس تھا، آپ کو دیتا ہوں آپ اس پر بھرپور مقدمہ لکھیں، مخالف و موافق جو کچھ لکھیں آپ کو اجازت ہے، خوب دل کھول کر لکھیں“..... سو ابھی تک مقدمہ لکھنے کی توفیق نہ ملی

یہ باتیں تو بہت ہیں کہاں تک بیان کی جائیں، اب راقم پھر البریلویہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے..... ۱۳ ستمبر ۱۹۹۱ء کو ادارہ تحقیقات امام احمد رضا اور رضا اکیڈمی لاہور کے تعاون سے لاہور میں اعلیٰ پیمانے پر پہلی مرتبہ بین الاقوامی امام احمد رضا کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت وزیراعظم پاکستان جناب محمد نواز شریف کے بھائی اور قومی اسمبلی کے ممبر جناب شہباز شریف نے کی۔ یہ خاندان مسلک اہلسنت کا دلدادہ ہے اور اپنے مسلک کے اظہار میں جھجک بھی محسوس نہیں کرتا..... اپنے صدارتی خطبے میں موصوف نے یہ فرمایا کہ

”امام احمد رضا کی ذات کو خراج تحسین پیش کرنے کا بہترین ذریعہ ان کی ذات پر لگائے گئے الزامات کا جواب دینا ہے ”البریلویہ“ نامی کتاب جو علامہ احسان الہی ظہیر کی تالیف ہے اس کا جواب دیا جانا چاہئے اور جو شخص بھی یہ کام کرے گا میں اس کو ایوارڈ دوں گا“ ۶۔

اس میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے کوئی چراغ پا ہو..... مگر نہ معلوم کیوں بعض حضرات کو یہ بات بہت ہی گراں معلوم ہوئی اور انہوں نے بھرپور احتجاج کیا، شاید اس لیے جو جھوٹ بولا گیا تھا اس پر پروہ پڑا رہے تو اچھا ہے، بہر حال جناب شہباز شریف کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اہلسنت کے ممتاز قلمکار اور عالم دین حضرت علامہ محمد عبدالکحیم شرف قادری نقشبندی (شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور) نے البریلویہ کی الزام تراشیوں اور افتراء پردازیوں کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے یہ کتاب مرتب کی، امید ہے کہ حق پسند حلقوں میں یہ کتاب پسند کی جائے گی اور جن حضرات نے البریلویہ کی روشنی میں امام احمد رضا کا امیج قائم کیا ہے وہ اصلاح فرمائیں گے۔ حضرت علامہ موصوف اہلسنت کے جید عالم اور محقق ہیں۔ البریلویہ اس لائق نہ تھی کہ وہ اس کی طرف توجہ فرماتے لیکن چونکہ اس کتاب نے دانشوروں کو اندرون ملک و بیرون ملک سخت غلط فہمی میں مبتلا کیا ہے اس لیے اس کا تدارک ضروری تھا تا کہ اصل حقائق سامنے آئیں اور بے بنیاد غلط فہمیاں دور ہوں۔ حضرت علامہ کا اہلسنت پر احسان ہے کہ آپ نے مسلک اہلسنت کی حفاظت اور امام احمد رضا کے افکار و خیالات کی حمایت میں بیسیوں کتب و رسائل اور مقالات تحریر فرمائے، مولیٰ تعالیٰ آپ کو قائم و دائم رکھے تاکہ حق کا بول بالا ہوتا رہے..... زیر نظر کتاب خود ان کی ماہرانہ تحقیق اور علم و فضل پر شاہد عادل ہے..... اس کے باوجود کہ البریلویہ کا انداز معاندانہ و مجادلانہ ہے حضرت علامہ نے بڑے محققانہ انداز سے جوابات دیئے ہیں اور سنجیدگی و وقار کو بہر حال قائم رکھا اور دلائل کو توڑ موڑ کر پیش کر کے قاری

کو گمراہ کرنے کی کوشش نہیں کی جو بات کسی وہ دلیل و ثبوت کے ساتھ کسی ہے یہی اس کتاب کا امتیاز ہے ضرورت ہے کہ اس کتاب کا خلاصہ عربی زبان میں بھی شائع ہو تاکہ جو عرب البریلویہ کے مطالعہ سے امام احمد رضا کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا ہو گئے ہیں ان کی بدگمانیاں بھی دور ہوں ویسے حضرت علامہ موصوف نے ریاض سعودی عرب سے شائع ہونے والی ایک کتاب میں امام احمد رضا کے بارے میں البریلویہ کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے عربی لٹریچر ارسال فرمایا جس پر ادارہ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے آئندہ ضروری ترمیم و اصلاح کا وعدہ کیا اسی طرح بیروت سے شائع ہونے والی ایک کتاب میں امام احمد رضا کے بارے میں گمراہ کن ریمارکس پڑھ کر راقم نے پبلشر کو متوجہ کیا تو انہوں نے بھی آئندہ اڈیشن میں ضروری تصحیح کا وعدہ کیا اور گزارشات کو قبول کیا

البریلویہ میں امام احمد رضا پر جو فرد جرم عائد کی گئی ہے وہ بہت طویل ہے جس کا محققانہ اور تسلی بخش جواب اس کتاب میں موجود ہے۔ یہاں چار پانچ الزامات کا مختصراً ذکر کروں گا جو سفید جھوٹ کے زمرے میں آتے ہیں اس سے آپ کو اندازہ ہو گا البریلویہ کے مصنف نے کس دیدہ دلیری سے جھوٹ بولا ہے۔

چہ دلاور است دزدے کہ بکھن چراغ دارد ؟

(۱) امام احمد رضا پر ایک الزام یہ ہے کہ وہ ”بریلوی“ فرقے کے بانی ہیں اگر تاریخ کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ”بریلوی“ کوئی فرقہ نہیں بلکہ سواد اعظم اہلسنت کے مسلک قدیم کو عرف عام میں ”بریلویت“ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ عرف بھی پاک و ہند میں محدود ہے۔ اصل میں امام احمد رضا اور اس مسلک قدیم کے مخالفین نے اس کو ”بریلویت“ کے نام سے یاد کیا ہے اور بقول ابو یحییٰ امام خان نوشہروی، یہ نام علماء دیوبند کا دیا ہوا ہے پروفیسر ڈاکٹر جمال الدین (جامعہ طیبہ دہلی) نے بھی اپنے ایک تحقیقی مقالے میں یہی تحریر فرمایا ہے کہ یہ نام مخالفین کا دیا ہوا ہے حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا خان بریلوی نے پوری قوت کے ساتھ سواد اعظم اہلسنت کے اس عالمی مسلک کی حفاظت اور مرافعت

فرمائی اور اس کو دشمنوں کے ہاتھوں برباد ہونے نہیں دیا۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی حکومت، سلطنت عثمانیہ جو دنیا کے تین براعظموں پر پھیلی ہوئی، دنیا کی سب سے بڑی حکومت تھی، سوادا عظم اہلسنت کے اسی مسلک کی علم بردار تھی جس کی تائید و حمایت امام احمد رضا ساری عمر کرتے رہے..... دشمنان اسلام عرصہ دراز سے اس حکومت اور اس کے مسلک کے ورپے تھے تاآن کہ انہوں نے اس حکومت کو پارہ پارہ کیا اور اس کے مسلک کو بھی ریزہ ریزہ کرنا چاہا کیونکہ اس میں زندگی و حرارت تھی۔ کولمبیا یونیورسٹی، امریکہ کی فاضلہ خاتون ڈاکٹر اوشا سانیال نے اپنے مقالہ ڈاکٹریٹ میں بھی اس مفروضہ کو غلط قرار دیا ہے کہ ”بریلوی“ کوئی فرقہ ہے۔ ان کا موقف بھی یہی ہے کہ یہ وہی عالمی مسلک ہے جس کو سوادا عظم اہلسنت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے..... مطالعہ و تحقیق سے پہلے موصوفہ یہی سمجھتی تھیں کہ ”بریلوی“ کوئی فرقہ ہے جب ان کو بتایا گیا اور انہوں نے خود مطالعہ کیا تو ان پر حقیقت عیاں ہو گئی..... علامہ شرف صاحب نے اس الزام کا خوب رد فرمایا ہے۔

(۲) امام احمد رضا پر دوسرا الزام یہ تھا کہ ان کے عقائد مشرکانہ تھے اور انہوں نے مشرکانہ اعمال و عقائد کی تشریح میں اہم کردار ادا کیا..... یہ سب کو معلوم ہے اور سب جانتے ہیں کہ امام احمد رضا کے مخالفین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عاشق رسول تھے اس میں کسی کو شک نہیں..... تو جو عاشق رسول ہے نہ مشرک ہو سکتا ہے اور نہ شرک و بدعت کی تعلیم دے سکتا ہے ہاں ابلیس کا عاشق یہ کام ضرور کر سکتا ہے..... اصل میں اختلاف ہے تو اظہار عشق میں..... ایک عالم نے ان سے عرض کیا کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حد سے بڑھا دیتے ہیں تو امام احمد رضا نے بڑی خاموشی سے ان کے سامنے کانڈ و قلم رکھتے ہوئے فرمایا ”آپ نہ مقرر فرما دیجئے“..... وہ عالم امام احمد رضا کا منہ تکتے رہ گئے..... کس کی مجال کہ حد مقرر کرے؟ جب کہ ان کا مولیٰ خود ان پر رحمت بھیج رہا ہے ہم کو تعریف و تعظیم اور درود و سلام کا حکم دے رہا ہے اور سورۃ توبہ میں محبت و عشق کا عظیم معیار بتا رہا ہے..... ہاں مولیٰ تعالیٰ کے سوا کوئی حد مقرر نہیں کر سکتا مگر وہ

تو بے حد درود و سلام بھیجنے کا حکم فرما رہا ہے بات یہ ہے کہ جس نے عشق ہی نہ کیا ہو اس کو عشق عجیب لگتا ہے عاشق کی ایک ایک بات عجیب سی لگتی ہے شرک و بدعت سی لگتی ہے یہ اس کی آنکھوں کا قصور ہے، یہ اس کی عقل کا فتور ہے ایسے انسان کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے، پتھر کبھی ریزہ ریزہ بھی ہو جاتا ہے کبھی اس میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں مگر یہ ٹس سے مس نہیں ہوتا؟ ایک صاحب نے سوال کیا لوگ روتے کیوں ہیں اللہ اکبر! ان کی آنکھوں میں آنسو اتنے خشک ہو گئے ہیں کہ ان کو رونے پر تعجب ہو رہا ہے۔

عاشق نہ شدی و محنت الفت نہ کشیدی
کس پیش تو غم نامہ ہجراں چہ کشاید؟

ان کے حضور ادب و تعظیم کی بات الگ رہی، اگر عبادات پر نظر ڈالیں تو ایک ایک ادا میں ان کے جلوے جھنکنے نظر آئیں گے اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے ان کی نشانیوں کو اپنی نشانیاں بنا دیا اللہ اکبر! کیا آپ نے کبھی اس حقیقت پر غور فرمایا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نشان قدم کو بیت اللہ میں رکھوایا گیا، یہی نہیں بلکہ یہ حکم دیا گیا کہ جب سات پھیرے مکمل کر لو تو اس کے سامنے دوگانہ ادا کرو اور سر بسجود ہو بے شک اگر یہ بات قرآن پاک میں نہ ہوتی تو کھلا شرک قرار دی جاتی پھر صفا و مروہ پہاڑیوں کے درمیان حضرت ہاجرہ علیہا السلام دوڑی تھیں اور چلی تھیں فرمایا صفا و مروہ ہاجرہ علیہا السلام کی نشانی نہیں، یہ تو ہماری نشانیاں ہیں۔ اس کا بھی چکر لگایا کرو سارا عالم چکر لگاتا ہے اور ہر چکر میں ایک نظر دیوار کعبہ کو دیکھتا ہے جو ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کی تھی اور تعمیر کرتے کرتے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے لیے دعا کی تھی یہ سب انہیں کے جلوے ہیں یہ سب انہیں کی رونقیں ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کون تھے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام کون تھے؟ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کون تھیں؟ یہ سب

نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امین تھے تو پھر سب ان کی رونقیں نہیں
تو کس کی رونقیں ہیں؟ بے شک ۔

زمین و زماں تمہارے لیے جنین و چناں تمہارے لیے
ہم آئے ایمان تمہارے لیے انھیں بھی وہاں تمہارے لیے

بے شک وہ معبود نہیں، مسجود نہیں مطلوب و محبوب تو ہیں ۔
یہ داستان عشق تو اتنی لذیذ ہے کہ عمر ختم ہو جائے مگر یہاں عشق و محبت ختم
نہ ہو امام احمد رضا نے اس عشق جہاں تاب کا راگ الاپا اور تاریکیوں میں
اجالا کرتے ہوئے ہمارے لیے اپنا یہ پیغام چھوڑ گئے

دنیا! ترے قرطاس پہ کیا چھوڑ گئے ہم
اک حسن یہاں، حسن ادا چھوڑ گئے ہم
ماحول کی ظلمات میں جس راہ سے گزرے
قدیل محبت کی ضیاء چھوڑ گئے ہم

(۳) امام احمد رضا پر تیسرا الزام یہ تھا کہ وہ جاہل تھے ظاہر ہے کہ جاہل ہی
نئے فرقے نکال سکتا ہے اور وہی شرک و بدعت پھیلا سکتا ہے اس لیے یہ الزام لگانا
ضروری ہوا۔ مگر یہ ایسا مضحکہ خیز الزام ہے جس نے مخالف کی جہالت اور عداوت کو
آشکار کر دیا ہے امام احمد رضا کے علم و فضل کی کیا بات! ہر مکتب
فکر اور ہر شعبہ زندگی سے متعلق دانشور، قلمکار ان کے علم و فضل کے معترف ہیں،
عرب و عجم کے علماء و فضلاء ان کے علم و فضل کے معترف ہیں ۔ اس
قسم کے تاثرات پر مشتمل اب تک پانچ مجموعے شائع ہو چکے ہیں اور امام احمد رضا کا علم و
فضل ایک طے شدہ حقیقت بن چکا ہے، تفسیر و حدیث اور فقہ میں تو ان کا جواب نہ
تھا جدید تحقیق کے مطابق ۷۵ علوم و فنون پر ان کی ایک ہزار سے زیادہ
تصانیف اردو، فارسی اور عربی میں موجود ہیں عربی ادب و لغت پر ان کی

مہارت کا یہ عالم تھا کہ پاک و ہند کے مشہور اہل حدیث عالم علامہ عبدالعزیز میمن (م - ۱۹۷۸ء) جن کو بقول شاکر النعام عربی ادب اور لغت پر بے پناہ دسترس حاصل تھی (المعارف لاہور شمارہ ۹ ص ۵۴) جو پچاس برس تک المجمع العربی دمشق کے مستقل ممبر اور مقالہ نگار رہے..... اس فاضل جلیل کے اساتذہ میں شیخ محمد طیب مکی (پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور) بھی تھے۔ موصوف سے امام احمد رضا کی عربی زبان میں مراسلت ہوئی اور امام احمد رضا نے ان کے خطوط میں جو نحوی اور لغوی غلطیوں کی نشاندہی کی تو وہ زچ ہو کر رہ گئے۔ یہ مراسلت ایک رسالے کی شکل میں رسائل رضویہ، جلد اول مطبوعہ لاہور (مرتبہ علامہ محمد عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری) میں موجود ہے جس کو حق کی تلاش ہو مطالعہ کر سکتا ہے..... اردو اور عربی ادب میں بے مثال مہارت اور مختلف علوم و فنون پر ان کی دسترس نے ان سے قرآن حکیم کا ایسا ترجمہ لرایا جس کی مثال نہیں..... ابھی کی بات ہے چکوال کے ڈپٹی مشنری ڈاکٹر لیاقت علی خان نے ایک مقالہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے ”قرآن / سائنس اور امام احمد رضا بریلوی“..... یہ مقالہ چکوال سے شائع ہوا ہے اس مقالے میں موصوف امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں..... ”جنہوں نے قرآن حکیم کے سائنسی علوم پر کھل کر بحث کی ہے، آپ نے ثابت کر دیا کہ قرآن حکیم میں ہر موضوع موجود ہے“ ۸

(۴) امام احمد رضا پر چوتھا الزام یہ تھا کہ وہ انگریزوں کے ایجنٹ تھے غالباً یہ الزام تحریک خلافت (۱۹۱۹ء) اور تحریک ترک موالات (۱۹۲۰ء) کی مخالفت کی وجہ سے لگا جو انگریزوں کے خلاف چلائی گئی تھی..... اصل میں یہ تحریکیں ہندوستانی سیاسی لیڈروں سے انگریزوں کی بدعہدی کا رد عمل تھا..... دوسری جنگ عظیم جس میں انگریز، ترکوں کے خلاف لڑ رہے تھے برطانیہ، حکمت کو ہندوستانی فوجیوں کی ضرورت پڑی، انہوں نے سیاسی لیڈروں سے وعدہ کیا کہ اگر ہم جیت گئے تو ہندوستانیوں کو محدود قسم کی آزادی دے دیں گے..... چنانچہ مسٹر گاندھی اور مولانا محمد علی نے فوجی بھرتی میں اپنی انتھک کوشش کی اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو بھرتی کرایا

ان مسلمان فوجیوں نے جا کر اپنے ترک بھائیوں کا خون بہایا جب برطانوی حکومت جنگ جیت گئی تو وعدے سے پھر گئی اس لیے اس کو مزہ چکھانے کے لیے تحریک خلافت اور پھر تحریک ترک موالات چلائی گئی کل جو لیڈر ترکوں کے خلاف لڑنے کے لیے فوجی بھرتی کرا رہے تھے آج وہی لیڈر ترکوں کی حفاظت و حمایت کا دم بھر رہے تھے سیاست میں عقل کو دخل نہیں جذبات بھڑکا کر عقل اندھی کر دی جاتی ہے مگر امام احمد رضا کی عقل بیدار تھی ' ان سے سیاسی بازی گروں کا یہ خون آشام تماشا دیکھا نہ گیا اور انہوں نے ان کے رازوں کو طشت ازبام کرنا شروع کیا - اس کی سزا یہ ملی کہ ان پر انگریزوں سے دوستی اور انگریزوں کی حمایت کا الزام لگایا گیا جو قطعی بے بنیاد الزام ہے راقم نے اپنے مقالے "گناہ بے گناہی" میں تحقیق کی ہے ' یہ مقالہ ہزاروں کی تعداد میں پاکستان و ہندوستان سے شائع ہو چکا ہے اور اب ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے ۱۹۹۱ء میں اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا ہے - کولمبیا یونیورسٹی کی فاضلہ ڈاکٹر اوشا سانیال نے بھی اپنے مقالہ ڈاکٹریٹ میں ثابت کیا ہے کہ امام احمد رضا انگریزوں کے مخالف تھے ایک نو مسلم انگریز فاضل ڈاکٹر محمد ہارون بھی امام احمد رضا کے سیاسی کردار پر تحقیق کر رہے ہیں ' ان کی تحقیق دسمبر ۱۹۹۱ء تک مکمل ہو جائے گی انشاء اللہ ہاں یہ عرض کرنا بھول گیا کہ تحقیق کے دوران امام احمد رضا کی تصانیف میں تو انگریزوں کی حمایت و دوستی میں ایک جملہ نہ ملا ' لیکن ان کے ہر مخالف کی تصنیف یا حالات میں کوئی نہ کوئی جملہ ایسا ضرور ملا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ انگریزوں کے ان سے ظاہری و باطنی مراسم و روابط تھے اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ممکن ہے انگریزوں نے ہی ان لوگوں کو امام احمد رضا کے خلاف مجاز آرائی کے لئے تیار کیا ہو کیونکہ انگریز سمجھتے تھے جب تک سواد اعظم اہلسنت زندہ ہیں ' ایمان میں گرمی و حرارت موجود رہے گی اور یہی وہ گرمی و حرارت ہے جو سلطنتوں کو بناتی اور بگاڑتی ہے اس کا تجربہ سلطنت عثمانیہ کی صورت میں صدیوں تک وہ کرتے رہے

(۵) امام احمد رضا پر پانچواں الزام یہ تھا کہ امام احمد رضا نے چونکہ مرزا غلام قادر بیگ سے پڑھا تھا اور مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک بھائی کا نام بھی مرزا غلام قادر تھا، ہونہ ہو یہ استاد گرامی وہی غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے۔ بھائی تھے، تو ضرور قادیانی مذہب رکھتے ہوں گے، جب امام احمد رضا نے ایک قادیانی سے پڑھا تو ضرور وہ بھی قادیانی ہوں گے یا کم از کم اس کی طرح گمراہ ہوں گے..... آپ نے یہ نادر روزگار استدلال ملاحظہ فرمایا، یہ وہ مقام ہے جہاں عقل کو بھی دخل نہیں کیونکہ مستند ہے میرا فرمایا ہوا!

علامہ محمد عبدالکھیم شرف قادری نے اس الزام کا بہترین اور تشفی بخش رد فرمایا ہے، لب لباب یہ ہے کہ امام احمد رضا کے استاد مرزا غلام قادر بیگ تو اس وقت تک زندہ تھے جب غلام احمد قادیانی کے بھائی مرزا قادر مرچکے تھے۔ ڈاکٹر اوشا سانیال اور دوسرے محقق نے بھی اپنی تحقیقات میں اس الزام کو بے بنیاد قرار دیا خصوصاً جب کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف امام احمد رضا کی کئی تصانیف موجود ہیں..... ایسی صورت میں کوئی ہٹ دھرم اور ضدی و بے عقل ہی اصرار کر سکتا ہے.....

الغرض البریلویہ میں امام احمد رضا پر بہت سے بے بنیاد الزامات لگائے گئے ہیں جن کا مسکت، معقول اور محققانہ جواب حضرت علامہ شرف صاحب نے دیا۔ جو آپ خود ملاحظہ فرمائیں گے.....

دشمن اپنی دشمنی میں کبھی حد سے گزر جاتا ہے، بعض اوقات یہ دشمنی اس کے مخالف کے لئے رحمت بن جاتی ہے..... البریلویہ کے مصنف کی دشمنی حد سے گزر گئی لیکن یہ امام احمد رضا کے لئے رحمت ثابت ہوئی..... البریلویہ کی اشاعت کے بعد یہ احساس قوی سے قوی تر ہوتا چلا گیا کہ امام احمد رضا پر عربی میں کام ہونا چاہئے..... اس سے قبل جسٹس سید شجاعت علی قادری کی مجددالامہ شائع ہو چکی تھی، مولانا محمد احمد مصباحی کا ایک مقالہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کے عربی مجلے میں شائع ہو چکا تھا لیکن البریلویہ کی اشاعت کے بعد عربی میں مسلسل کام ہونے لگا..... امام احمد رضا کا عربی حاشیہ جدا کھتار علی ودالمعتاد حیدر آباد دکن سے چھپ کر ابھی

الاسلامی، مبارکپور سے شائع ہوا۔ اس پر مولانا محمد احمد منبجی، مولانا افتخار احمد قادری مولانا عبدالحمین نعمانی نے امام احمد رضا کے حالات و افکار اور علامہ ابن عابدین شامی کے حالات پر عربی میں وقیع مقالات کا اضافہ کیا..... ڈاکٹر عبدالباری ندوی کی نگرانی میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے پروفیسر محمود حسین بریلوی نے امام احمد رضا کے عربی آثار پر مقالہ قلم بند کر کے ایم۔ فل کیا، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد دکن سے پروفیسر عبدالسمیع صاحب نے امام احمد رضا کی عربی شاعری پر ایم۔ فل کے لئے مقالہ لکھا..... مفتی محمد کرم احمد صاحب (شاہی امام مسجد فتح پوری، دہلی) نے بین الاقوامی امام احمد رضا کانفرنس (منعقدہ کراچی ۱۹۹۱ء) میں امام احمد رضا کے عربی قصائد پر ایک وقیع مقالہ پڑھا..... کراچی یونیورسٹی کے پروفیسر جلال الدین نوری نے امام احمد رضا کے معاشی نظریہ پر ایک مفصل مقالہ لکھا جو طبع ہو کر بغداد کی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کے مندوبین میں تقسیم کیا گیا موصوف ہی نے امام احمد رضا پر عربی میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے..... افغانستان کی عبوری حکومت کے چیف جسٹس محمد نصر اللہ خان صاحب نے امام احمد رضا کے حالات و افکار پر کلاسیکل عربی میں ایک شاندار مقالہ قلم بند کیا..... راقم نے ایک تحقیقی مقالہ لکھا جس کا عربی ترجمہ مولانا ممتاز احمد سیدی نے کیا۔ یہ مقالہ مجمع الملکی لبحوث الحضارة الاسلامیہ، عمان (اردن) سے شائع ہونے والی انسائیکلو پیڈیا کی پہلی جلد میں طبع ہوا، ایک اور مفصل تحقیقی مقالہ جو پاکستان ہجرہ کونسل، اسلام آباد کی طرف سے شائع ہونے والی عالمی مسلم مشاہیر کی انسائیکلو پیڈیا کے لئے لکھا تھا۔ مولانا محمد عارف اللہ مصباحی نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا جو ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی اور رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے تعاون سے ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔

الغرض کہاں تک ذکر کروں

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

احسان الہی ظہیر، امام احمد رضا کی عداوت میں البریلویہ پیش نہ کرتے تو شاید عربی زبان میں امام احمد رضا پر اس سرعت سے کام نہ ہوتا لیکن اس عداوت سے

مصنف البریلویہ کو کوئی فائدہ نہ ہوا، سارا فائدہ اہلسنت و جماعت کو ہوا..... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عاشقان رسول علیہ التحیتہ والتسلیم کی شان میں گستاخیوں اور زبان درازیوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔

امام احمد رضا عاشق رحمۃ للعالمین محبوب رب العالمین تھے..... ان کا آغاز و انجام دونوں ایک سے ایک بڑھ کر ہوا..... ان کے عشق نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ عالم تھا کہ روئیں روئیں سے یہ صدا بلند ہو رہی تھی۔

کاش ہر موئے من زباں بودے
در ثنائے تو یا رسول اللہ !

۱۹۹۱ء میں مدینہ منورہ حاضر ہوا، مواجہہ شریف میں کچھ غلام ہاتھ باندھے امام احمد رضا کا سلام۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
عرض کر رہے تھے خود راقم نے بھی امام احمد رضا کا درود۔
کعبہ کے بدرالدجی تم پہ کروڑوں درود

اور سلام

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
پیش کیا۔ کیا عرض کروں کیا لطف و سرور آیا، زبان و قلم دونوں عاجز ہیں مدینہ منورہ میں محافل نعت میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، ہر محفل میں امام احمد رضا کا سلام پڑھا گیا..... اللہ اللہ کیا مقبولیت اور محبوبیت ہے کہ دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی فضا میں بھی امام احمد رضا کے سلام سے گونج رہی ہیں۔ تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بھی پڑھنے والے یہ سلام پڑھ رہے ہیں، آنسو بہا رہے ہیں، دل بچھا رہے ہیں..... اللہ اللہ وہ تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں کتنے مقبول ہیں!..... کوئی ان سے محبت کر کے تو دیکھے وہ اپنے عاشقوں سے کتنا پیار کرتے ہیں، وہ اپنے جاں نثاروں کو کتنا چاہتے ہیں..... وہ جب دینے پر آتے

ہیں دیتے ہی چلے جاتے ہیں۔

میرے کرم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں دربے بہا دیئے ہیں

اے کاش! ہم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا سیکھ جائیں
..... اے کاش! ہم عاشقانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عشق و محبت کا سلیقہ
سیکھ جائیں اے کاش! ہم عقل کی بھول، صلیوں سے باہر نکلنا سیکھ جائیں
..... اے کاش! ہم دل کی گہرائیوں میں گم ہونا سیکھ جائیں اے کاش!
ہم خود کو کھونا اور ان کو پانا سیکھ جائیں

آئی جو ان کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر نقشِ ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج اینڈ پوسٹ
گریجویٹ سٹڈیز سنٹر۔ سکھر (سندھ) پاکستان

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
۲۳ اکتوبر ۱۹۹۱ء

حواشی

- ۱۔ مزید تفصیلات کے لئے راقم کا مقالہ ”امام احمد رضا اور عالمی جامعات“ مطالعہ فرمائیں جو پاکستان سے رضا انٹرنیشنل اکیڈمی (صادق آباد) اور ہندوستان سے افکار حق اکیڈمی (پورنیہ - بہار) نے بالترتیب ۱۹۹۰ء - ۱۹۹۱ء میں شائع کر دیا ہے (مسعود)
- ۲۔ قرآن کریم (مترجم محمود حسن دیوبندی) مطبوعہ مدینہ منورہ ۱۳۰۹ھ - ۱۹۸۹ء ص
- ۳۔ ایضاً سورۃ فتح آیت نمبر ۲ صفحہ نمبر ۱۷۸
- ۴۔ ایضاً سورۃ صبحی آیت نمبر صفحہ نمبر ۷۹۳
- ۵۔ تفصیلات کے لئے مطالعہ فرمائیں :-
حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی و حکیم سید محمود احمد برکاتی :
القول الجلی کی بازیافت، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء
- ۶۔ ماہنامہ ضیائے حرم (لاہور) اکتوبر ۱۹۹۱ء
سر دلبراں از صاحبزادہ محمد امین الحسنات صاحب ص ۳
- ۷۔ تفصیلات کے لئے مطالعہ فرمائیں :-
محمد مسعود احمد: فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں لاہور ۱۹۷۳ء
محمد مسعود احمد: امام احمد رضا اور عالم اسلام کراچی ۱۹۸۲ء
- ۸۔ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی قرآن، سائنس اور امام احمد رضا بریلوی
(چکوال) ۱۹۹۱ء ص ۸۷
- ۹۔ محمد مسعود احمد: الشیخ احمد رضا خان البریلوی (کراچی) ۱۹۹۱ء

بَابِ اَوَّل

امام احمد رضا بریلوی کے خلاف احسان الہی ظہیر
کی افتر پردازیوں کا تحقیقی جائزہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرفِ آغاز

متحدہ پاک و ہند میں ہمیشہ اہل سنت و جماعت کی غالب اکثریت رہی ہے۔ ہمز زمین ہند میں بڑے بڑے نامور اور باکمال علماء و مشائخ پیدا ہوئے، جنہوں نے دین اسلام کی زریں خدمات انجام دیں اور ان کے دینی اور علمی کارنامے آپ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

تیرھویں صدی ہجری کے آخر میں افق ہند پر ایک ایسی شخصیت اپنی تمام تر جلو سامانیوں کے ساتھ نظر آتی ہے جس کی ہمہ گیر اسلامی خدمات، اسے تمام معاصرین میں امتیازی حیثیت عطا کرتی ہیں۔ شخص واحد جو عظمت الوہیت، ناموس رسالت، مقام صحابہ و اہل بیت و ولایت کا پہرہ دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ عرب و عجم کے ارباب علم جسے خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ہمارے مراد ہے امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز جنہوں نے مسلک اہل سنت اور مذہب حنفی کے خلاف اٹھنے والے نئے نئے فتنوں کا کامیابی سے مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر مرحلے پر سرخرو ہوئے۔

اہل سنت و جماعت کے عقائد ہوں یا معمولات جس موضوع پر بھی انہوں نے قلم اٹھایا، اسے کتاب و سنت، ائمہ دین اور فقہاء اسلام کے ارشادات کی روشنی میں پایہ ثبوت تک پہنچایا۔ آپ کی سینکڑوں تصانیف میں سے کسی کو اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ ہر کتاب میں آپ کو یہ انداز بیان مل جائے گا۔

بریلوی نیافتہ فرقہ؟

امام احمد رضا بریلوی کے افکار و نظریات کی بے پناہ مقبولیت سے متاثر ہو کر مخالفین نے ان کے ہم مسلک علماء و مشائخ کو بریلوی کا نام دے دیا۔ مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ دوسرے فرقوں کی طرح یہ بھی ایک نیا فرقہ ہے جو سر زمین ہند میں پیدا ہوا ہے۔

ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی اہل حدیث لکھتے ہیں:

”یہ جماعت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کی مدعی ہے، مگر دیوبندی

مقلدین (اور یہ بھی بجائے خود ایک جدید اصطلاح ہے) یعنی تعلیم یافتگان

مدرسہ دیوبند اور ان کے اتباع انہیں ”بریلوی“ کہتے ہیں۔“ لہ

جبکہ حقیقت حال اس سے مختلف ہے۔ بریلی کے رہنے والے یا اس سلسلہ سے شاگردی

یا بیعت کا تعلق رکھنے والے اپنے آپ کو بریلوی کہیں تو یہ ایسا ہی ہوگا، جیسے کوئی اپنے آپ کو

قادری، چشتی، یا نقشبندی اور سہروردی کہلائے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خیر آبادی، بدایونی،

رامپوری سلسلہ کا بھی وہی عقیدہ ہے جو علماء بریلی کا ہے، کیا ان سب حضرات کو بھی بریلوی

کہا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے، اگرچہ مخالفین ان تمام حضرات کو بھی

بریلوی ہی کہیں گے۔ اسی طرح اسلاف کے طریقے پر چلنے والے قادری، چشتی، نقشبندی،

سہروردی اور رفاعی مخالفین کی نگاہ میں بریلوی ہی ہیں۔ لہ

مبلغ اسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی کچھوچھوی فرماتے ہیں:

”غور فرمائیے کہ فاضل بریلوی کسی نئے مذہب کے بانی نہ تھے از اول تا

آخر مقلد رہے۔ ان کی ہر تحریر کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کی صحیح

لے ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی؛ تراجم علمائے حدیث ہند (سبحانی اکیڈمی لاہور) ص ۳۷۶

ص ۷

السبریلویۃ

لے ظہیر

ترجمان رہی۔ نیز سلف صالحین و ائمہ و مجتہدین کے ارشادات اور مسلکِ اسلام کو واضح طور پر پیش کرتی رہی، وہ زندگی کے کسی گوشے میں ایک پل کے لیے بھی سبیل مومنین صالحین سے نہیں ہٹے۔

اب اگر ایسے کے ارشاداتِ حقانہ اور توضیحات و تشریحات پر اعتماد کرنے والوں، انہیں سلف صالحین کی روش کے مطابق یقین کرنے والوں کو بریلوی کہہ دیا گیا تو کیا بریلویت و سنیت کو بالکل مترادف المعنی نہیں قرار دیا گیا؟ اور بریلویت کے وجود کا آغاز فاضل بریلوی کے وجود سے پہلے ہی تسلیم نہیں کر لیا گیا؟

خود مخالفین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں:

یہ جماعت اپنی پیدائش اور نام کے لحاظ سے نئی ہے، لیکن افکار اور عقائد کے اعتبار سے قدیم ہے۔

اس کے سوا اور کیا کہا جاتے کہ بریلویت کا نام لے کر مخالفت کرنے والے دراصل ان ہی عقائد و افکار کو نشانہ بنا رہے ہیں جو زمانہ قدیم سے اہل سنت و جماعت کے چلے آ رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ کھلے بندوں اہل سنت کے عقائد کو مشرکانہ اور غیر اسلامی قرار دے سکیں۔ باب عقائد میں آپ دیکھیں گے کہ جن عقائد کو بریلوی عقائد کہہ کر مشرکانہ قرار دیا گیا ہے، وہ قرآن و حدیث اور متقدمین علمائے اہل سنت سے ثابت اور منقول ہیں۔ کوئی ایک ایسا عقیدہ بھی تو نہیں پیش کیا جاسکا جو بریلویوں کی ایجاد ہو، اور متقدمین ائمہ اہل سنت سے ثابت نہ ہو۔

امام اہل سنت شاہ احمد رضا بریلوی کے القاب میں سے ایک لقب ہی عالم اہل سنت

سید محمد مدنی شیخ الاسلام، تقدیم دورِ حاضر میں بریلوی اہل سنت کا علامتی نشان (مکتبہ جمعیۃ لاہور)

عظیمیہ، ص ۷

تھا۔۔۔۔۔ اہل سنت و جماعت کی نمائندہ جماعت آل انڈیا سنی کانفرنس کا اہم بننے کے لیے سنی ہونا شرط تھا، اس کے فارم پر سنی کی یہ تعریف درج تھی =

”سنی وہ ہے جو مانا علیہ واصحابی کا مصداق ہو سکتا ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ائمہ دین، خلفاء اسلام، اور مسلم مشائخ طریقت اور متاخرین علماء دین سے شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی، حضرت ملک العلماء بجا العلوم صاحب فرنگی محلی، حضرت مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی، حضرت مولانا فضل رسول صاحب بدایونی، حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری،

اعلیٰ حضرت مولانا مفتی احمد رضا خاں رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک پر ہو۔“ ۱

خود مخالفین بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ لوگ قدیم طریقوں پر کاربند رہے۔ مشہور مؤرخ سلیمان ندوی جن کا میلان طبع اہل حدیث کی طرف تھا، لکھتے ہیں:

”تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا اور اپنے آپ کو

اہل السنۃ کہتا رہا۔ اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے

علماء تھے۔“ ۲

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

”انہوں (امام احمد رضا بریلوی) نے نہایت شدت سے قدیم حنفی

طریقوں کی حمایت کی۔“ ۳

اہل حدیث کے شیخ الاسلام مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

”امرتسر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو، سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے،

۱۔ محمد جلال الدین قادری، مولانا، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۶-۸۵

۲۔ سلیمان ندوی، حیات شبلی ص ۲۶ (بحوالہ تقریب تذکرہ اکابر اہل سنت، ص ۲۲)

۳۔ محمد اکرام شیخ، موج کوثر، طبع ہفتم ۱۹۶۶ء ص ۷۰ (بحوالہ سابقہ)

اسی سال قبل پہلے سب مسلمان اسی خیال کے تھے، جن کو بریلوی حنفی خیال
کیا جاتا ہے۔" لے

یہ امر بھی سامنے رہے کہ غیر مقلدین براہِ راست قرآن و حدیث سے استنباط کے
قائل ہیں اور ائمہ مجتہدین کو استنادی درجہ دینے کے قائل نہیں ہیں۔ دیوبندی مکتب فکر
رکھنے والے اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں، تاہم وہ بھی ہندوستان کی کسی مسلم شخصیت یہاں تک
کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی کو دیوبندیت کی ابتدا ماننے
کے لیے تیار نہیں ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیری کے صاحبزادے، دارالعلوم دیوبند کے استاذ التفسیر مولوی
انظر شاہ کشمیری لکھتے ہیں،

"میرے نزدیک دیوبندیت خالص دلی لٹھی فکر بھی نہیں اور نہ کسی خانوادہ
کی لگی بندھی فکر دولت و متاع ہے، میرا یقین ہے کہ اکابر دیوبند جن کی ابتداء
میرے خیال میں سیدنا الامام مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہ اکبر حضرت
مولانا رشید احمد گنگوہی سے ہے دیوبندیت کی ابتدا حضرت
شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے کے بجائے مذکورہ بالا دو عظیم انسانوں سے
کرتا ہوں۔" لے

پھر شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے دیوبند کا تعلق قائم نہ کرنے کا ان الفاظ میں اظہار
کرتے ہیں،

"اول تو اس وجہ سے کہ شیخ مرحوم تک ہماری سند ہی نہیں پہنچتی۔ نیز حضرت
شیخ عبدالحق کا فکر کلیۃً دیوبندیت سے جوڑ بھی نہیں کھاتا سنا ہے

شمع توحید (مطبوعہ سرگودھا) ص ۲۰
ماہنامہ البلاغ (مارچ ۱۹۶۹ء) ص ۳۸

لے شہداء امرتسری،
لے انظر شاہ کشمیری، استاذ دیوبند

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے تھے کہ شامی اور شیخ عبدالحق پر بعض مسائل میں بدعت و سنت کا فرق واضح نہیں ہو سکا " بس اسی اجمال میں ہزار ہا تفصیلات ہیں، جنہیں شیخ کی تالیفات کا مطالعہ کرنے والے خوب سمجھیں گے۔ " لہ

امام احمد رضا اور عالمی جامعات

امام احمد رضا بریلوی کے وصال کے بعد نصف صدی تک ان پر کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا، لیکن گزشتہ چند سال سے مرکزی مجلس رضا لاہور اور الجمع الاسلامی، مبارک پور انڈیا نے دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق جو کام کیا ہے، عالمی سطح پر اس کے خوش گوار اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ پٹنہ یونیورسٹی (بھارت) میں حال ہی میں فاضل بریلوی کی فقہیت پر مولانا حسن رضا خاں نے کام کیا ہے جس پر انہیں، ڈاکٹریٹ کی ڈگری مل گئی ہے۔ جبل پور یونیورسٹی (بھارت) سندھ یونیورسٹی (پاکستان) اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی (پاکستان) میں بھی کام ہو رہا ہے۔

۱۹۷۵ء میں جامعہ ازہر، مصر کے پروفیسر محی الدین الوائی (اہل حدیث) نے فاضل بریلوی پر عربی میں ایک مقالہ لکھا جو صوت الشرق قاہرہ میں شائع ہوا، کیلی فورنیا یونیورسٹی، امریکہ کے شعبہ تاریخ کی فاضلہ، ڈاکٹر باربرا مٹکاف نے فاضل بریلوی پر اپنے انگریزی مقالہ میں اظہارِ خیال کیا ہے، مگر انہوں نے گہرا مطالعہ نہیں کیا۔ ہالینڈ کی لیڈن یونیورسٹی، شعبہ اسلامیات کے پروفیسر جے ایم ایس بلیان بھی اس طرف متوجہ ہوئے ہیں اور دیگر فتاویٰ کے ساتھ فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ لہ

فٹ نوٹ ماہنامہ البلاغ (مارچ ۱۹۶۹ء/۱۳۸۸ھ) ص ۴۹
حیاتِ امام اہل سنت (مرکزی مجلس رضا لاہور) ص ۶-۴۵

لہ انظر شاہ کشمیری،

۱۰ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر

البریلویۃ

امام احمد رضا بریلوی کی روز افزوں مقبولیت نے مخالفین کو تشویش اور اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے جس کے نتیجے میں محض لوگ محض عناد کی بنا پر انصاف و دیانت کے تمام اصولوں کو پس پشت ڈال کر الزام کی حد سے گزر کر اتہام تک جا پہنچے ہیں۔ ایسی ہی کوشش بقلم خود علامہ احسان الہی ظہیر نے کی ہے اور عربی زبان میں البریلویۃ نامی کتاب لکھ کر سعودی ریال کھرے کئے ہیں۔ خدا جانے علماء نجد کی آنکھوں پر کونسا پردہ پڑا ہوا ہے کہ وہ ہر اس کتاب کے دل و جان سے خریدار ہیں جس میں عامۃ المسلمین کو مشرک اور بدعتی قرار دیا گیا ہو۔

اس کتاب کی چند نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ پہلے باب میں کوئی بات بھی اُس کے صحیح پس منظر میں بیان نہیں کی گئی۔ ہر جگہ دستِ تصرف نے خوبصورت کو بدصورت بنا کر پیش کیا ہے۔ ایک فاضل نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

”یہ کتاب تنقید کی بجائے تنقیص کی حد میں داخل ہو گئی ہے۔“

حافظ عبدالرحمن مدنی اہل حدیث لکھتے ہیں:

”یہ شکایت اُس (ظہیر) کی کتابوں میں اُردو اور عربی اقتباسات کا مطالعہ کرنے والے عام حضرات کو بھی ہے کہ اُردو عبارت کچھ، جو یونہی عربی میں من گھڑت طور پر شائع کر دی جاتی ہے۔“

۲۔ دوسرے اور تیسرے باب میں وہی عقائد و معمولات مضحکہ خیز انداز میں بریلویوں کی طرف منسوب کیے ہیں، جن کے قائل اور عامل متقدمین اہل سنت و جماعت رہے اور

نجدی وہابی علماء ان کی مخالفت کرتے رہے ہیں، بلکہ ایسے عقائد کا بھی تمسخر اڑایا ہے جن کے خود ان کے اپنے اکابر مثلاً علامہ ابن قیم، شوکانی، نواب صدیق حسن خاں، نواب وحید الزماں قائل ہیں، جیسا کہ آئندہ ابواب میں بیان کیا جائے گا۔

۳۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی عربی زبان پر جا بجا چوٹیں کی ہیں جبکہ اپنی حالت یہ ہے کہ ان کی عربی تحریر سمجھنے کی لیاقت بھی نہیں ہے اور اپنی عربی زبان کا عالم یہ ہے کہ عجمیت زدہ ہے۔

حافظ عبدالرحمن مدنی اہل حدیث لکھتے ہیں،

”جہاں تک اس کی عربی دانی کا تعلق ہے، اس کا بھی صرف دعویٰ ہی ہے ورنہ اس کی مطبوعہ کتابوں کا شاید ہی کوئی صفحہ گرامر یا زبان کی غلطیوں سے پاک ہوگا۔ چنانچہ عربی دان حضرات اپنی مجلسوں میں احسان الہی کی عربی کتب کے سلسلہ میں ایسی باتوں کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں جو چند صفحات کے سرسری مطالعہ سے سامنے آتی ہیں، گہری نظر سے پوری کتاب کا مطالعہ کیا جائے، تو طویل فہرست تیار کی جاسکتی ہے۔ البریلویہ کے ص ۲۳ پر ایک درود شریف نقل کیا ہے جس میں امام احمد رضا بریلوی نے صنعت ایہام میں مشائخ سلسلہ قادریہ کے اسماء ذکر کیے ہیں۔ ظہیر صاحب اس عبارت کا مطلب ہی نہیں سمجھے جیسا کہ آئندہ صفحات میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں،

فانهم اعطوا للعصاة البغاة رسيد الجنة

یہ احساس ہی نہ ہوا کہ ”رسید“ لفظ عربی نہیں، فارسی ہے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں،

ہفت روزہ اہل حدیث لاہور، ۳ اگست ۱۹۸۶ء، ص ۶

ابو عبدالرحمن مدنی، حافظ،

ص ۱۳۵

البریلویہ

ظہیر

بل اصدروا فرماناً

انہیں کون سمجھائے کہ فرمان“ لفظ عربی نہیں ہے، فارسی ہے۔ ذیل میں اغلاط کی مختصر

فہرست ملاحظہ ہو:

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۵	۱۲	ان اخلص المحبتين قلوبہ	تلاہ
۱۸	۱۰	مع الثابت	مع ان الثابت
۲۰	۱۱	عبد الحق خیر آبادی	الخیر آبادی
۲۱	۱۴	من ابنہ ابی المحسین	من ابن ابنہ
۲۱	۱۵	لمرتکن راجحة بين السنة	بين اهل السنة
۲۱	۲۰	یروجها بين السنة	بين اهل السنة
۲۲	۱۲	کتب فیہا لآل البيت	لاهل البيت
۲۴	۴	کفر السنة	اهل السنة
۲۵	۳	حلی	حلیاً
۲۸	۲۱	ولا فلسا	فلسا
۲۸	۱۲	ای یصفہ بہا	ان یصفہ بہا
۲۸	۱۴	ان القوم	الی ان القوم
۲۹	۲۱	المواضع	المواضع
۲۹	۱۲	هذه الكتب	تلك الكتب
۳۰	۱۲	الی البریلویة	الی البریلوی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۲	۱۶	الحجر الصغير	القطع الصغير
"	۱۸	يشتمل على ۲۶۴ صفحة	۲۶۴ صفحة
۳۷	۱۶	اصدروا فرمانا	حكما (فرمان لفظ فارسی)
۳۹	۱۲	نظرة تقدير واحترام	نظرة تعظيم واحترام
۴۰	۱	اعتزلت البريلوى	اعتزل البريلوى
"	۱۵	غضبوها	غضبوها
"	۱۸	استترقاق	استترقاق
"	۲۲	في صالح المستعمرين	في مصلحة المستعمرين
۴۱	۲۰	استخالاص	استخالاص
۴۲	۴	والا المقصود الاصلى	والا المقصود الاصلى
"	۲۱	مناصرة للاستعمار	للاستعمار
۴۲	۱۰	الاستعمرا	الاستعمار
۵۲	۱۶	ستمبر	سبتمبر
۵۳	۱۲	من ابن البريلوى احمد رضا	حامد رضا
۵۵	۱۸	بعد ما كنت مرفوضة	كانت
۶۷	۷	فلي نصف القراءة	القراء
"	۸	ومن جاء	الى من جاء
"	۱۷	كبيب النمل	كديب النمل
۶۸	۷	فيكتبت	فيكتب
۷۶	۶	الذى بينهما	التي بينها

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۰	۱۶	ولم یبقی	ولم یبق
۱۱۱	۸	ولکن تعسی	ولکن تعسی
۱۱۷	۳	رد المختار	رد المختار
"	"	دار المختار	الذّر المختار
۱۳۵	۸	رسید اللجنة	رسید عجمی لفظ
۱۳۸	۱۹	ان بیوسر	عجمی بوسر سے ماخوذ
۲۰۵	۳	ترك التکایا	تکلیہ کی جمع: عجمی لفظ

۴۔ برطویت کی آرٹس میں دنیا بھر کے عامۃ المسلمین اور اہل سنت و جماعت کو مشرک قرار دیا گیا ہے۔ تصریح ملاحظہ ہو:

● "ابتداءً میرا گمان تھا کہ یہ فرقہ پاک و ہند سے باہر موجود نہیں ہوگا، مگر یہ گمان زیادہ دیر قائم نہیں رہا۔ میں نے یہی عقائد مشرق کے آخری حصے سے مغرب کے آخری حصے تک اور افریقہ سے ایشیا تک اسلامی ممالک میں دیکھے (مضمّن) لے

اب ذرا دنیا بھر کے مسلمانوں کے خلاف یلغار کے چند نمونے بھی دیکھتے چلیں:

● سال کے مخصوص دنوں میں ان لوگوں کی قبروں پر حاضر ہوتا، جنہیں وہ اولیاء و صالحین گمان کرتے ہیں، عرسوں کا قائم کرنا، عید میلاد وغیرہ منکرات جو ہندوؤں، مجوسیوں اور بت پرستوں سے مسلمانوں سے درآئے ہیں (ترجمہ و تفسیر) لے

● ان کے عقائد کا اسلام سے دور و نزدیک کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ بعینہ وہی عقائد ہیں جو جزیرہ عرب کے مشرک اور بت پرست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لے ظہیراً
ایضاً،
البرطویجہ
" ص ۱۰
ص ۷-۸

کی بعثت سے پہلے رکھتے تھے، بلکہ دورِ جاہلیت کے لوگ بھی مشرک میں اس قدر
عزق نہ تھے، جس قدر یہ ہیں۔“ ۱

● ”بریلویوں کے امتیازی عقائد وہ ہیں جو دین کے نام پر بت پرستوں، عیسائیوں،
یہودیوں اور مشرکوں سے مسلمانوں کی طرف منتقل ہوئے ہیں۔“ ۲

● ”کفار مکہ، جزیرہ عرب کے مشرکین اور دورِ جاہلیت کے بت پرست بھی
ان سے زیادہ فاسد اور ردی عقیدہ والے نہیں تھے۔“ ۳

یہ وہ کیفِ باطن ہے جو کتاب کے ”شلف صفحات پر بکھرا ہوا ہے۔ اگر یہی وہابیت
ہے اور یقیناً یہی ہے، تو علماءِ حق نے وہابیوں کے خلاف جو فتوے دیئے تھے، بالکل صحیح
دیئے تھے۔ جو فرقہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو مشرک اور جہمی قرار دے، وہ خود ان خلعتوں کا
مستحق ہے۔

قد بدت البغضاء من افواہم وما تخفی صدورہم اکبر
طرفہ یہ کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دیتے دیتے خود اپنے مشرک ہونے کا
فیصلہ بھی دے گئے ہیں۔ اتحاد کی دعوت دینے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،
”میں جانتا ہوں کہ وحدت و اتحاد اور اسلامی فرقوں کو قریب کرنے کے اجماع اور
بیوقوف داعیوں کی پیشانیوں پر بل پڑ جائیں گے، لیکن میں کئی دفعہ یہ کہہ چکا ہوں
کہ عقائد و افکار کے اتحاد و اتفاق کے بغیر، اتحاد و اتفاق نہیں ہو سکتا، کیونکہ اتحاد
کا مطلب ہی یہ ہے کہ بنیادی امور میں اتفاق ہو (ترجمہ و تلخیص)“

۱	طہیرہ	البریلویہ	ص ۹
۲	ایضاً	”	ص ۵۵
۳	ایضاً	”	ص ۶۵
۴	ایضاً	”	ص ۱۱

دوسری طرف اہل سنت و جماعت (بریلوی) کی نمائندہ سیاسی جماعت جمعیتہ العلماء پاکستان کے ساتھ ظہیر صاحب کی جماعت کا اتحاد ہو چکا ہے جو سہ جماعتی اتحاد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور وہ خود تصریح کر رہے ہیں کہ بنیادی امور میں اتحاد کے بغیر اتحاد نہیں ہو سکتا، تو جس کا مشرکوں کے ساتھ بنیادی امور میں اتحاد ہوگا وہ مشرک نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟

۵۔ خاص طور پر امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں تو وہ غلط بیانی کی ہے کہ حیرت ہوتی ہے، ”وہ شیعہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے سنت کا نقاب اوڑھ رکھا تھا۔ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی کے شاگرد تھے۔ انگریزوں نے مسلمانوں میں تفریق کے لیے ایک تو قادیانی کو مقرر کیا اور دوسرا بریلوی کو وغیرہ وغیرہ۔“
غرض یہ کہ :

شرم نبی، خوفِ خدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

۶۔ غلط بیانی ان کا شیوہ ہے اور اس پر انہیں فخر ہے۔ ایک مثال دیکھئے تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز میں ہاتھ اٹھانے اور نہ اٹھانے کے بارے میں مختلف احادیث وارد ہیں، شافعی نے امام شافعی کی پیروی میں احادیث کی پہلی قسم پر عمل کیا اور احناف نے امام ابوحنیفہ کی پیروی میں احادیث کی دوسری قسم پر عمل کیا۔ کوئی فریق بھی دوسرے فریق کو شرک یا مخالفت رسول کا الزام نہیں دے سکتا، کیونکہ ہر فریق کا عمل احادیث مبارکہ پر ہے،

شاہ اسماعیل دہلوی امام معین کی تقلید پر روکتے ہوئے تنویر العینین میں لکھتے ہیں،

۱۔ عبدالرحمن مدنی، حافظ، ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور، ۳ اگست ۱۹۸۴ء، ص ۷

۲۱ ص	البریلویۃ	۲ ظہیر:
۲۴ ص	”	۳ ایضاً،
۱۹ ص	”	۴ ایضاً،
۲۸ ص	”	۵ ایضاً،

”شخص معین کی تقلید سے چٹے رہنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؛ جبکہ امام کے قول کے خلاف صریح دلالت کرنے والی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث موجود ہوں۔ اگر امام کے قول کو ترک نہ کرے تو اس میں شرک کا شائبہ ہوگا۔“

اس پر امام احمد رضا بریلوی نے رد کرتے ہوئے فرمایا کہ امام ربانی مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سب امام معین (امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے مقلد تھے، اور شاہ اسماعیل دہلوی کے مسلم پیشوا، اب دو ہی صورتیں ہیں

(۱) یا تو یہ تمام بزرگ، امام معین کی تقلید کے سبب مشرک ہوں (معاذ اللہ)

اور جب امام و مقلد مشرک ہو تو مقتدی اور مداح بطریق اولیٰ مشرک ہوگا۔

(۲) یہ بزرگ، مقلد ہوتے ہوئے بھی مومن، مسلمان تھے اور اسماعیل دہلوی

البتہ گمراہ، بددین، مسلمانوں کو کافر کہنے والا تھا۔

بہر صورت اس کا اپنا حکم ظاہر ہو گیا (مخلصاً)۔

یہ بہت ہی معقول گرفت تھی، جسے ظہیر نے من مانی کرتے ہوئے من گھڑت انداز میں

پیش کیا ہے، اُس نے لکھا ہے:

”یعنی دہلوی اس لیے کافر ہے کہ اس کے نزدیک تقلید شخصی جائز نہیں ہے

جبکہ امام کے قول کے خلاف پر دلالت کرنے والی احادیث کی طرف رجوع کیا

جاسکے اور اس کے نزدیک کسی بھی شخص کے قول کے مقابل سنت کا ترک

کرنا جائز نہیں ہے، تو یہ بریلوی کی نظر میں کفر ہے اور اگر یہ کفر ہے تو ہم نہیں

جانتے کہ اسلام کیا ہے؟“

سُبْحٰنَكَ هَذَا بَهْتَانٌ عَظِيمٌ

۱-۵۰ ص من ۱-۵۰

الکوکبة الشہابۃ (مطبوعہ مراد آباد)

۱-۵۰ ص امام

۱۶۶-۶ ص

البریلویۃ

۱-۵۰ ص ظہیر

امام احمد رضا بریلوی نے قطعاً یہ نہیں فرمایا جو ان کے ذمہ لگایا جا رہا ہے۔ انہوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ ائمہ کرام کے مقلدین، عامۃ المسلمین کو مشرک کہنے والا خود بھی مشرک یا گمراہ ہونے سے بچ نہیں سکتا، کیونکہ اس کا فتویٰ اگر صحیح ہے تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور دیگر مسلم حضرات کا مشرک ہونا لازم آئے گا اور جب امام مشرک ہو تو مقتدی اور مداح بھی اسی خانے میں جائے گا، اور اگر فتویٰ غلط ہے، تو خود اس کا گمراہ ہونا ثابت ہو گیا۔

پھر یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ ائمہ دین مجتہدین نے جو احکام بیان کیے ہیں، وہ ان کے خود ساختہ نہیں ہیں، بلکہ یا تو صراحتاً کتاب و سنت میں بیان کیے گئے ہیں یا قیاس صحیح کے ساتھ کتاب و سنت سے مستنبط ہیں، لہذا غیر مقلدین کا یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ ہم کتاب و سنت کی پیروی کرتے ہیں اور مقلدین ائمہ کی پیروی کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مقلدین کتاب و سنت کے ان احکام پر عمل پیرا ہیں جو ائمہ مجتہدین نے بیان کیے ہیں اور غیر مقلدین براہِ راست استنباط احکام کے مدعی ہیں۔ گویا یہ لوگ اپنے فہم پر اعتماد کرتے ہیں اور مجتہدین کے فہم پر اعتماد نہیں کرتے جن پر مسلمانوں کی غالب اکثریت نے اعتماد کیا ہے اور جن کے علم و فضل اور تقویٰ و پرہیزگاری کی قسم کھانی جا سکتی ہے۔

۷۔ اہل سنت پر بریلویت کی آڑ میں رد کرنے کے لیے ان امور پر بھی طعن کیا ہے جو صراحتاً کتبِ احادیث یا کتبِ سلف میں وارد ہیں۔

● ایک جگہ بطور اعتراض لکھا ہے:

”ایک بریلوی کہتا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، چلتے پھرتے ہیں

اور نماز پڑھتے ہیں۔“ لے

حالا کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء
فنبى الله حتى يرزق رواه ابن ماجه له

”اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے اجسام کا کھانا حرام فرمایا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ
کا نبی زندہ ہے، اسے نوزق دیا جاتا ہے۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے کتاب
الجنائز کے آخر میں روایت کیا۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے فرمایا:

مردت علی موسیٰ لیلۃ امیری بی عند الکثیر الاحمر وهو
قائم یصلی فی قبرہ

”شب معراج کثیر احمد (سرخ ٹیلے) کے پاس، میں موسیٰ علیہ السلام کے
پاس سے گزرا، وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔“

● ایک دوسرا بریلوی کہتا ہے:

”جب واقعہ حترہ میں لوگ مدینہ سے تین دن کے لیے چلے گئے اور مسجد نبوی
میں کوئی بھی داخل نہ ہوا، تو پانچوں وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے اذان
سُنی جاتی تھی۔“

جبکہ امام ابو محمد عبد الرحمن دارمی راوی ہیں کہ سعید بن عبد العزیز فرماتے ہیں کہ واقعہ حترہ
کے دنوں میں تین دن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد میں نہ تو اذان کہی گئی اور نہ تکبیر،
حضرت سعید بن مسیب (جو اہل تالبعین میں سے ہیں) مسجد میں ہی رہے۔

۱۔ ولی الدین، شیخ خطیب، مشکوٰۃ شریف (نور محمد، کراچی) ص ۱۲۱

۲۔ مسلم بن الحجاج القشیری، امام، مسلم شریف (رشیدیہ، دہلی) ج ۱۷ ص ۲۶۸

۳۔ طہیر، البریلویہ ص ۸۱

وكان لا يعرف وقت الصلوة الا بهمة يسمعا

من قبر النبي صلى الله عليه وسلم - له

”انہیں نماز کا وقت صرف اُس وحیمی آواز سے معلوم ہوتا تھا جو انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ سے سُنائی دیتی تھی۔“

• ایک اور بریلوی کتاب ہے

”جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ حجرۂ شریفہ کے سامنے رکھا گیا

توصیلاً اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور لوگوں نے سنا کہ حبیب کو حبیب

سے پاس لے آؤ۔“

حالانکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس کرامت کا تذکرہ امام فخر الدین رازی

نے ان الفاظ میں کیا ہے:

فاما ابو بكر فمن كراماته انه لما حملت جنازته الى

باب قبر النبي صلى الله عليه وسلم ونودي السلام عليك

يا رسول الله هذا ابو بكر بالباب قد انفتح واذا بهائف

يهتف من القبر

ادخلوا الحبيب الى الحبيب

”حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک کرامت یہ ہے کہ جب آپ کا

جنازہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ کے دروازہ پر حاضر کیا گیا اور

عرض کیا گیا یا رسول اللہ! یہ ابو بکر دروازے پر حاضر ہیں تو دروازہ

کھل گیا اور قبر انور سے یہ آواز آئی کہ حبیب کو حبیب کے پاس لے آؤ۔“

سنن الدارمی (دارالماہین قاہرہ) ج ۱، ص ۴۳
البریلویہ ص ۸۱

تذکرہ عبدالرحمن الدارمی امام
محمد ظہیر

تفسیر کبیر (عبدالرحمن محمد مصر) ج ۲۱، ص ۸۷

سے امام لازی

ہر کوئی شخص یہ پوچھ سکتا ہے کہ یہ کیسے اہل حدیث ہیں اور کیسے سلفی ہیں جو حدیثوں اور ارشاداتِ سلف کو ہی نہیں مانتے۔

۸۔ اہل سنت کو بدنام کرنے کے لیے بے دریغ غلط باتیں ان کی طرف منسوب کر دی ہیں، مثلاً:

● ”بریلویوں نے اللہ تعالیٰ کو معطل اور اختیار، قدرت اور اقتدار سے معزول قرار دے رکھا ہے اور ان کے گمان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کا ملک اور اختیارات، انبیاء و اولیاء کی طرف منتقل ہو چکے ہیں، (مخصوصاً) یہ افتراء محض ہے یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ یہ بیان اس مفروضہ باطلہ پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کو قدرت و اختیار دے دے تو معاذ اللہ! نہ اس کے پاس قدرت رہتی ہے نہ اختیار۔“

● ”رسول اللہ پر ایک لحظہ کے لیے بھی موت طاری نہیں ہوتی۔“ لے
یہ بھی افتراء ہے، خود اسی صفحہ پر اہل سنت کا یہ عقیدہ نقل کیا ہے:
ان حياة الانبياء حياة حقيقية حسية دنيوية يطرأ عليهم الموت لثانيتها من الثواني ليصدق وعد الله
”انبیاء کی حیات، حقیقی، حسی، دنیاوی ہے، ان پر ایک لحظہ کے لیے موت طاری ہوتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہو جائے۔“
● ”بریلویوں نے انبیاء اور رسل کی بشریت کا انکار کیا ہے۔“ لے

ص ۵۵	البریلویہ	لے ظہیر:
ص ۸۰	”	لے ایضاً:
ص ۸۰ سطر ۱	”	لے ایضاً:
ص ۱۰۳	”	لے ایضاً:

یہ بھی غلط محض ہے، امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”جو مطلقاً حضور سے بشریت کی نفی کرے، وہ کافر ہے۔“ لہ

یہ چند مثالیں ہیں، ورنہ اس قسم کی غلط بیابیاں اس کتاب میں کثرت سے ہیں۔

۹۔ مصنف کا دعویٰ یہ ہے:

”ہم نے بریلویوں کا جو عقیدہ بھی ذکر کیا ہے، وہ ان کی معتبر اور معتمد کتابوں سے صفحہ اور جلد کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔“ لہ

اور حال یہ ہے کہ تجانبِ اہل سنت، نعمۃ الروح، باغ فردوس، اور مدارح اعلیٰ حضرت وغیرہ قسم کی کتابوں کے جا بجا حوالے دیئے گئے ہیں، یہ کہاں کی مُستند اور معتبر کتابیں ہیں؟

۱۰۔ پانچویں باب میں مختلف حکایتیں بیان کر کے یہ تاثر دینے کی ناکام کوشش کی ہے کہ اہل سنت کے عقائد کا دار و مدار ان حکایات پر ہے، حالانکہ معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ حکایات کسی عقیدے کی عکاسی تو کر سکتی ہیں، مگر عقائد کے لیے بنیاد نہیں بن سکتیں۔

البتہ کوئی صاحب کرامات کا تذکرہ پڑھنا چاہے تو وہ عیدالمجید خادم سوہدروی کی تالیف کراماتِ اہل حدیث کا مطالعہ کرے۔ اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ سے اس کا عکس چھپ چکا ہے یا پھر سوانح حیات مولانا غلام رسول، قلعہ میہاں سنگھ، گوجرانوالہ کا مطالعہ کرے، جو ان کے صاحبزادے عبدالقادر نے لکھی ہے اور وہ حال ہی میں دوبارہ شائع ہوئی ہے۔ یاد رہے کہ یہ مولانا غلام رسول اہل حدیث کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے۔ ۳

۱۔ احمد رضا بریلوی، امام، فتاویٰ رضویہ (مبارکپور، انڈیا) ج ۶، ص ۶۷

۲۔ ظہیرا البریلویہ ص ۱۱۲

۳۔ سوانح حیات مولانا غلام رسول (فضل بکڈپو، گوجرانوالہ) ص ۳۹

۴۔ عبدالقادر

ایک کرامت سن لیجیے، قلعہ میہاں سنگمہ کا ایک چوکیدار گلاب نامی موضع مرالیوالہ میں چوکیدار مقرر ہوا اور وہاں کی ایک بیوہ دھوبن پر فریضہ ہو گیا۔ مرالیوالہ کے لوگوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے چوکیدار کو نکال دیا۔ وہ روزانہ مولوی صاحب کے پاس جاتا اور کہتا کہ حضرت میں مرجھا ہوا کوئی تدبیر کریں۔ ایک دن مولوی صاحب نے اپنے خادم بڈھا کشمیری کو کہا کہ اس سے قسم لے لو کہ نکاح کے بغیر اسے نہیں چھوئے گا۔ اُس نے قسم اٹھالی۔ مولوی صاحب نے کہا کہ عشاء کے بعد اپنے گھر کی چھت پر کھڑے ہو کر مرالیوالہ کی طرف منہ کر کے تین دفعہ کہنا: آجا۔ آجا۔ آجا۔ پھر مجھے بتانا۔ باقی حصہ عبدالقادر صاحب کے الفاظ میں سنئے:

”تیسرے روز عصر کے قریب عورت مذکورہ گلاب کے گھر آگئی اور کہنے لگی کہ پرسوں عشاء سے لے کر اب تک میرے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی تمہارے گھبر میں داخل ہوتے ہی آرام ہو گیا۔ گلاب اس عورت کو پکڑ کر اندر لے گیا اور متواتر تین روز اندر ہی رہا۔“

تیسرے روز قیلولہ کے وقت مولوی صاحب نے بڈھا کشمیری کو بلا کر فرمایا کہ جاؤ اور اس موذی کو پکڑ لاؤ، وہ اس وقت زنا کر رہا ہے۔ بڈھا گیا اور گلاب کو فوراً پکڑ لایا۔ مولوی صاحب نے کہا جا میری آنکھوں کے سامنے سے دُور ہوجا۔ وہ لوٹ کر گھر گیا، وہ عورت جیسے آئی تھی، ویسے ہی خفا ہو کر چلی گئی۔ اے

دیکھا آپ نے قدرت و اختیار کا مظاہرہ کہ وہ عورت کس طرح کھنچی ہوئی چلی آئی اور یہ علم غیب کہ گلاب اس وقت فعل بد میں مصروف ہے۔ شاید اس کرامت پر اس لیے اعتراض نہ ہو کہ یہ ایک اہل حدیث مولوی کی کرامت ہے لیکن کوئی شخص یہ بھی تو پوچھ سکتا ہے کہ اتنی قدرت اور اتنا علم غیب رکھنے کے باوجود گلاب کو اتنی چھٹی کیوں دے رکھی کہ وہ اس عورت کے ساتھ تین دن تک اندر ہی رہا اور اپنی حسرتیں نکالتا رہا، کیونکہ یہ کہنے کی تو گنجائش نہیں ہے کہ یہ فعل بد تیسرے دن ہی ہوا ہوگا۔

کچھ اس تالیف کے بارے میں

پیش نظر کتاب کے پہلے باب میں آپ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے حالات زندگی، مذہبی اور سیاسی خدمات کا مطالعہ کریں گے۔ نیز اہل علم و نظر دانشوروں کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں گے جو انہوں نے امام اہل سنت احمد رضا خاں بریلوی کے بارے میں بیان کیے۔ اس کے علاوہ البریلویہ، دھماکہ، بریلوی مذہب وغیرہ قسم کی کتابوں میں جو اتہامات اور مطاعن امام احمد رضا خاں بریلوی پر قائم کئے گئے ہیں، ان کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لیا گیا ہے۔ امید ہے کہ تعصب کا چشمو لگائے بغیر حقائق کا مطالعہ کرنے سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس میں تسکین کا بہت کچھ سامان پائیں گے اور جو تاریخ کو عقیدے کی نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں، ان کے لیے یہ کوشش بے سود ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قادر و کریم ہے چاہے تو انہیں بھی فائدہ عطا فرمادے۔

دوسرے باب تذکرہ علمائے اہل حدیث میں آئینہ حقائق سامنے رکھا گیا ہے کہ اس طبقہ نے انگریزی حکومت کے ساتھ کس طرح کے روابط عقیدت و محبت قائم کر رکھے تھے اور کن مراحل سے گزر کر ترقی کی منزلیں طے کیں۔ اس باب کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ پولیٹیکل فہن رکھنے والے کس طرح زندگی گزارتے ہیں اور یہ کہ اگر ذمہ برابر انصاف ہو تو یہ الزام زبان پر بھی نہیں لائیں کہ انگریز گورنمنٹ کے ساتھ علمائے اہل سنت کا کوئی تعلق بھی تھا۔

آئندہ ابواب میں اہل سنت و جماعت کے عقائد و معمولات پر گفتگو کی جائے گی، انشاء اللہ!

ہدیہ سپاس

سلسلہ گفتگو اس وقت تک ادھورا رہے گا، جب تک اس تالیف میں علمی اور اخلاقی امداد کرنے والوں کا شکریہ ادا نہ کروں، خصوصاً اراکین مرکزی مجلس رضالابھور جن کی مساعی سے یہ

کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہو رہی ہے۔

۱- حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری، لاہور

۲- پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ٹھٹھہ، سندھ

۳- مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی، لاہور

۴- استاذ الاساتذہ مولانا عطا محمد گولڑوی، کراچی

۵- علامہ غلام رسول سعیدی، لاہور

۶- مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی، لاہور

ان حضرات کے ذاتی کتاب خانوں
سے راقم نے استفادہ کیا۔

۷- پروفیسر محمد اقبال مجددی، لاہور

۸- محمد عالم محنت سارحی، لاہور

۹- حکیم اسد نظامی، جہانیاں

۱۰- جناب خلیل احمد، جہانیاں

۱۱- میاں زبیر احمد قادری، لاہور

۱۲- مولانا محمد منشا تابش قصوری، مریدکے

۱۳- مولانا محمد شفیع رضوی، لاہور

۱۴- مولانا اظہار اللہ ہزاروی، لاہور

۱۵- مولانا حافظ عبدالستار قادری، لاہور

۱۶- حکیم محمد سلیم چشتی، فیصل آباد

۱۷- جناب سید ریاست علی قادری، کراچی

۱۸- جناب خواجہ محمود، لاہور

مولائے کریم اسلام اور مسلمانوں کی سر بلندی کے لیے ان حضرات کو کامیابی کے ساتھ کام

کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

محمد عبدایم شرف قادری

۱۴۰۵ھ

۸ ربیع الثانی

۱۹۸۵ء

یکم جنوری

شیخ عطیہ محمد سالم کے نام

مسلمان کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ اُس کے قول و فعل میں مطابقت پاتی جاتی ہے۔ یہی کتاب و سنت کی تعلیم ہے اور یہی عقلِ سلیم کا تقاضا ہے۔ اس کے برعکس آج کل فیشن بن چکا ہے کہ الفاظ کی دُنیا میں اتحاد اور یک جہتی کی تلقین کی جاتی ہے اور جیسے ہی کسی مخالف کا ذکر آیا، ہر قسم کی احتیاط بلائے طاق رکھ کر شدید سے شدید تر فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے۔ ایسا فتویٰ اگر تحقیق اور دیانت پر مبنی ہو تو بے شک قابلِ قبول ہوگا، لیکن اگر محض جانبداری، ظن و تخمین اور سُنی سنائی باتوں پر مشتمل ہو تو وہ سرگزشتِ لائقِ قبول نہ ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع له

”آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سُنی سنائی بات بیان کر دے“

شیخ عطیہ محمد سالم نجدی نے البریلویہ کی تقدیم میں بڑی خوبصورت خواہش کا اظہار کیا ہے

وہ لکھتے ہیں:

وفي هذا الوقت الذي نحن احوج ما نكون الى وحدة

الكلمة وتوحيد الصف

۱۔ مسلم بن الحجاج قشیری، امام،

مسلم شریف، عربی (نور محمد کراچی) ج ۱، ص ۸

ص ۵

البریلویہ (تقدیم)

۲۔ ظہیر،

”اس وقت کی شدید ترین ضرورت یہ ہے کہ ہمارے درمیان اتحاد پایا جائے

اور ہماری صفیں وحدت کی لٹری میں پروئی ہوئی ہوں۔“

اس حسین آرزو کے باوجود چھ صفحے کی تقدیم میں سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کے بارے میں جو تبصرہ کیا ہے، وہ اس آرزو کے یکسر منافی اور قول و فعل کے تضاد کی واضح مثال ہے۔ مصنف کو اعتراف ہے کہ دنیا کے ہر خطے میں پائے جانے والے تمام ستادری، سہروردی، نقشبندی، چشتی، رفاعی، وہبی عقائد و تعلیمات رکھتے ہیں جو بریلویوں کے ہیں اور تقدیم نگار بریلویوں کو کافر، مشرک، نادانیوں کے بھائی، انگریز کے خادم اور نہ جانے کیا کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ مقام حیرت ہے کہ وحدت و اتحاد کو ایک ضرورت قرار دینے والا دنیا بھر کے عامۃ المسلمین کو کس بے دردی سے کافر و مشرک قرار دے رہا ہے۔

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ ایسا سنگین فیصلہ صادر کرتے وقت کسی تحقیق و جستجو کی ضرورت محسوس نہیں کی، بلکہ ایک مخالف کے بیان پر آنکھیں بند کر کے بے دھڑک فیصلہ دے دیا ہے۔ انہیں خود اعتراف ہے :

اگر فاضل مصنف کا اس گروہ کے ساتھ میل جول اور ہمیں ان کی علمی دنیا

پر اعتماد نہ ہوتا تو ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ایسا فرقہ موجود ہوگا۔“

علمی دنیا میں ایسی تحقیقات کا کیا مقام و مرتبہ ہوگا کہ ایک شخص اپنے کنوئیں سے باہر جانے کی زحمت بھی گوارا نہ کرے، ارباب علم و دانش پر مخفی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا لَهُ

۷ ص	(مقدمہ) البریلویہ	۱۰ ظہیر
۲-۴ ص	(تقدیم) "	۱۱ ایضاً
۱ ص	" "	۱۲ ایضاً
آیت ۶	الحجرات ۴۹	۱۳ القرآن

”اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تم تحقیق کرو۔“
 شیخ عطیہ محمد سالم نے چونکہ تحقیق کی زحمت گوارا نہیں کی اور ہو سکتا ہے کہ وہ تحقیق کرنا ہی
 نہ چاہتے ہوں۔ ذیل میں ہم ان کے ”فاضل مصنف“ کے بارے میں ایک اہل حدیث فاضل
 کے تاثرات بلا تبصرہ پیش کرتے ہیں تاکہ اندازہ ہو جائے کہ شیخ عطیہ محمد سالم کی تخریر قطعاً
 غسر تحقیقی ہے۔

ظہیر حافظ عبدالرحمن مدنی کی نظر میں

میاں فضل حق صاحب اہل حدیث پاکستان کے راہنما اور سنجیدہ شخصیت کے مالک ہیں،
 ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور ان کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ اس پرچے کا شمارہ ۱۳ گشت
 ۱۹۸۲ء ہمارے پیش نظر ہے۔ اس میں صفحہ پانچ سے سات تک حافظ عبدالرحمن مدنی،
 فاضل مدینہ یونیورسٹی کا ایک مضمون ہے، جس کا عنوان ہے:

”احسان الہی ظہیر کے لیے چیلنج مباہلہ“

ذیل میں اس مضمون کے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

- حقیقت یہ ہے کہ دنیا اس شخص کی محبت میں نہیں، بلکہ اس کے شر سے
 بچنے کے لیے اسے سلام کرنے کی روادار ہے، چنانچہ اس کے چھپوٹے پن
 کا یہ عالم ہے کہ بات بات پر لوگوں کو گالیاں دیتا ہے۔

- الحمد للہ! مجھے اس شخص کی طرح کسی احساس کمتری کا شکار ہونے کی ضرورت
 نہیں کہ اپنی تعریف میں خود ہی مضمون لکھ کر دوسروں کے نام سے یاد دہرائوں
 سے مضامین اور کتابیں لکھوا کر اپنے نام سے شائع کروں، اس سلسلہ میں
 میں کسی غیر کی گواہی کا محتاج بھی نہیں، بلکہ میرے گواہ میرے اپنے شاگرد ہیں،
 جو خود احسان الہی ظہیر کے لیے عربی، اردو میں کتابیں لکھتے ہیں اور پھر احسان الہی
 ظہیر ان کا نام دیتے بغیر اپنے نام سے یہ کتابیں شائع کر کے اپنی کسبوت کا
 ڈھنڈھا پٹیتا ہے۔

● کیا دنیا اس پر تعجب نہ کرے گی کہ جو شخص انگریزی زبان نہ بول سکتا ہو، نہ پڑھ اور سمجھ سکتا ہو، اُس کی مستقل کتابیں انگریزی زبان میں اُس کے نام سے شائع ہوں۔

● جہاں تک عربی دانی کا تعلق ہے، اس کا بھی صرف دعویٰ ہی ہے ورنہ اُس کی مطبوعہ کتابوں کا شاید ہی کوئی صفحہ گرامریا زبان کی غلطیوں سے پاک ہوگا، چنانچہ عربی دان حضرات اپنی مجلسوں میں احسان الہی ظہیر کی عربی کتب کے سلسلہ میں ایسی باتوں کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔

● یہ شکایت اس کی کتابوں میں اُردو اور عربی اقتباسات کا مطالعہ کرنے والے عام حضرات کو بھی ہے کہ اُردو عبارت کچھ ہوتی ہے اور عربی عبارت کچھ، جو یونہی عربی میں من گھڑت طور پر شائع کر دی جاتی ہے۔

● مسجد چینیانوالی اور احسان الہی ظہیر کے سابق اہل محلہ، ان دنوں کو نہیں بھولے جب یہ شخص چھوٹے بچوں کو چند ٹکے بلکہ بسا اوقات روپے دے کر یہ کھلایا کرتا تھا کہ مجھے علامہ کہا کرو اور اب بھی اس شخص نے اپنی ذات سے دوستی یا دشمنی کا یہی معیار قرار دے رکھا ہے کہ کون اُن کے نام سے پہلے "علامہ" لگاتا ہے اور کون نہیں۔

● ان خود ساختہ علامہ صاحب کے کوہیتی سرپرستوں کو تو ہم نے مباہلہ کا چیلنج پہلے سے دے رکھا ہے۔ اب ہم ان کے پیش کردہ نہ صرف جملہ نکات پر ان کا مباہلہ کا چیلنج قبول کرتے ہیں، بلکہ ان نکات میں ان حضرات کے پینام زمانہ کردار کا اضافہ کر کے اس کو بھی شامل مباہلہ کرتے ہیں،

یعنی؛

۱۔ کیا ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف قومی اتحاد کی تحریک میں اس شخص نے قومی اتحاد کی جاسوسی کے عوض بھٹو حکومت سے لاکھوں روپے بطور رشوت

یابراتے نام قیمت پر پلاٹ اور کاروں کے پرمٹ حاصل نہ کیے تھے؟
 (۲) یورپ کے نائٹ کلبوں میں پاکستان کے یہ علامہ صاحبؒ نہیں التحریر مجتہ
 ترجمان الحدیثؒ کیا گل کھلاتے رہے ہیں؟

(۳) اس شخص کے وہ راز ہاتے دروں جو اس کی جلوتوں اور خلوتوں کے امین
 ساتھیوں کی شہادتوں سے منظر عام پر آنے کا سواد حاصل کرتے ہیں، کیا
 یہ ان کی صداقت کے خلاف مبالغہ کہہ سکتا ہے۔

(۴) اپنے گھر میں جوان نوکرانیوں کے قصوں کے بارے میں مبالغہ کی جرأت
 پاتا ہے؟

(۵) حکومت عراق سے لاکھوں روپے آپ نے کس کار خیر کے سلسلہ میں
 وصول فرمائے تھے؟

(۶) حکومت سعودیہ کو ورغلانے کے لیے موجودہ حکومت پاکستان کی شیعہ حمایت
 کے بے بنیاد قصوں کے محاسبہ اور دونوں حکومتوں کے درمیان جاسوسی کے
 متضاد کردار کو بھی شامل مبالغہ فرمایا جیتے۔

(۷) شاہی مسجد لاہور کے حالیہ واقعہ ”یار رسول اللہ کانفرنس“ کے سلسلہ میں
 حکومت پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ کے لیے حکومت سعودیہ کو رپورٹیں
 دینے اور کویتی وفد سے طویل مجلس کو بھی عنوان مبالغہ کا شرف عنایت کیجئے۔
 ۸۔ ”البرطویۃ“ کے نام سے عرب ممالک میں ایک عربی کتاب کی وسیع پیمانہ
 پر اشاعت، لیکن انہی دنوں میں پاکستان کے برطویوں سے اتحاد، جسے
 اخبارات نے ”سہ جماعتی اتحاد“ کا نام دیا۔

اسی طرح ”الشیعہ والسنتہ“ لکھنے کے باوجود شیعہ علماء کے لیے عرب
 ممالک کے دینے کے لیے کوششیں کرنے، نیز حکومت کے ایک اعلیٰ

عبدیہ کی والدہ کی وفات کی رسم قتل میں شرکت، لیکن سٹیجوں پر اس رسم کو بہت فرار دینے کو بھی موضوع مباحلہ بنا لیجئے۔

(۹) ریس کورس کے لیے گھوڑوں پر شرطیں پڑنے اور اس خلاف اسلام کاروبار میں شرکت پر بھی مباحلہ کے سلسلہ میں نظرِ کرم ہو جائے۔

(۱۰) کویتی وفد کی اعلیٰ حیثیت اور ان کی طرف سے کروڑوں روپے کے تعاون کے اعلانات کے پس پردہ حالیہ حکومتِ پاکستان کے خلاف اسلام دشمن سیاسی تنظیموں کی سرپرستی اور ایم۔ آر۔ ڈی کو تقویت بھی مباحلہ میں شرکت کی اجازت پابہتی ہے۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا الزامات، جناب علامہ (احسان الہی ظہیر) صاحب کے خلاف سماجی اور سیاسی حلقوں میں مشہور ہیں۔ ان میں سے بعض رسائل و جرائد میں چھپ بھی چکے ہیں، لیکن حقیقت حال کی وضاحت نہ کی گئی اور ایک چُپ میں ہزار بلائیں ٹال دی گئیں۔

علاوہ ازیں ان جملہ خدمات کے ثبوت کے عینی شاہد ان حضرت کے منہ پر یہ باتیں بیان کرنے کی خواہش رکھتے تھے، لیکن چونکہ بات مباحلہ تک پہنچ چکی ہے، اس لیے مباحلہ میں، مولویت کے لبادے میں اس فتنہ پرور آدمی کے کردار سے پردہ اٹھ ہی جانا چاہیے، جس کے باعث جماعتِ اہل بیت کسی بھی شرعی مسئلہ میں اختلاف نہ رکھنے کے باوجود بُری طرح انتشار کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔

● درحقیقت مذکورہ بالا الزامات حکومت کے ریکارڈ اور عین دینی گواہوں کی شہادتوں سے ثابت کیے جاسکتے تھے، لیکن احسان ظہیر نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے گھناؤنے کردار کو چھپانے کے لیے خود پہلا وار کرنا مناسب

سمجھا اور بوکھلا کر خود ہی مباہلہ کا چیلنج دے دیا، حالانکہ یہ بھی ایک دھوکہ ہے۔

● ہمیں یقین ہے کہ انشاء اللہ اس مباہلہ کے ذریعے ہم سرخرو ہوں گے، اور اُس کے جھوٹوں اور بہتانوں، نیز اس کے اپنے کردار پر ایک عظیم اجتماع گواہ ہو سکے گا۔ یوں معلوم ہوتا ہے یہ شخص جس کی دراز دستیتوں اور زبان درازیوں کی ابتدا اپنے ہی باپ پر زیادتی سے ہوئی تھی اپنے انجام کو جلد پہنچنا چاہتا ہے۔^۱

یہ طویل اقتباسات کسی سُستی بریلوی عالم کے نہیں ہیں، بلکہ خود ان کے ہم مسلک بھائی، اہل حدیث حافظ عبدالرحمن مدنی، فاضل مدینہ یونیورسٹی کے ارشادات ہیں۔ شائستگی اور متانت ہمیں اس قسم کی گفتگو کی اجازت نہیں دیتی، ورنہ یہ سلسلہ مزید دراز ہو سکتا ہے، اسی لیے قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں گے کہ ہم نے انتہائی تند و تیز زبان میں عائد کیے گئے الزامات کے جواب میں وہ زبان استعمال نہیں کی، صرف حقائق کے چہرے سے نقاب الٹنے پہ اکتفا کیا ہے۔ کاش کہ شیخ عطیہ محمد سالم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر تھوڑی سی توجہ مبذول کر دیتے :

يا ايها الذين امنوا ان جاءكم فاسق بنبأ فتبينوا
ان تصيبوا قوما بجهالة فتصبحوا على ما فعلتم نادمين
اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں
کسی قوم کو بے جا ایذا نہ دے بیٹھو، پھر اپنے کئے پر چھتاتے رہ جاؤ۔
(کنز الایمان)

ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور، شمارہ ۳، اگست ۱۹۸۲ء، ص ۵

۱۔ عبدالرحمن مدنی، حافظ،

آیت ۶

المحجرات ۴۹

۱۔ الاعتدال،

جہاں مذہبی اختلافات اس حد تک پہنچ جائیں کہ ایک فریق دوسرے کو کافر و مشرک قرار دے رہا ہو، وہاں محض کسی ایک فریق کے بیان پر اعتماد کر کے دوسرے کے حق میں فیصلہ صادر کر دینا کسی طرح بھی معقول نہیں، جب تک خود دوسرے فریق کے اقوال و معتقدات کا جائزہ نہ لے لیا جائے۔

غزوہ بدر میں مسلمانوں کی شاندار کامیابی کے بعد کعب بن اشرف بیچ و تاب کھاتا ہوا مکہ معظمہ پہنچا، ابوسفیان (جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے) نے پوچھا، کیسے آئے؟ کعب نے کہا، ہم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے معاہدہ ختم کر کے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ ابوسفیان کے کہنے پر کعب نے بت کو سجدہ کیا، پھر ابوسفیان نے کہا تم کتاب پڑھتے ہو اور ہم اُمّی ہیں، یہ تو بتاؤ کہ ہم میں سے کون ہدایت پر ہے، ہم یا محمد؟ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کعب نے کہا تمہارا دین کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا:

”ہم حجاج کے لیے اونٹ نحر کرتے ہیں، انہیں بانی پلاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، قیدیوں کو رہائی دلانا، بیت اللہ شریف کی تعمیر اور اس کا طواف ہمارا کام ہے اور ہم اہل حرم ہیں۔“

اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اپنا آبائی دین اور حرم بیت اللہ چھوڑ دیا، قطع رحمی کی، ہمارا دین قدیم اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا دین نیا ہے۔ کعب نے آنکھیں بند کر کے ابوسفیان پر اعتماد کرتے ہوئے یہ فیصلہ دیا:

انتم والله اهدى سبيلا مما عليا، محمد له

اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی یہ آیت نازل فرمائی:

المرتضى الذين اوتوا نصيبا من الكتاب يؤمنون

بالحجت والطاغوت ويقولون للذين كفروا هؤلءاء

۱۔ احمد بن محمد الصادق المالکی، علامہ، حاشیۃ الصاوی علی الجلالین (مصطفی البانی، مصر، ج ۱، ص ۲۱۰)

اهدی من الذین امنوا سبیل اولئک الذین
لعنہم اللہ ومن یلعن اللہ فلن تجد لہ نصیرا
”کیا تم نے وہ نہ دیکھے جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا، ایمان لاتے ہیں بت اور
شیطان پر اور کافروں کو کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں سے زیادہ راہ پر ہیں، یہ ہیں جن
پر اللہ نے لعنت کی اور جسے خدا لعنت کرے، تو سہرگز اس کا کوئی یار نہ پائے گا۔“

کہنا یہ ہے کہ محض مخالف کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے بلا تحقیق فیصلہ صادر کر دینا
نہ تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول اور پسندیدہ ہے اور نہ ہی اسے اہل علم و دانش قبول
کر سکتے ہیں۔ ابوسفیان نے جس طرح اپنے دین کی خوبیاں اور دین مصطفیٰ کی خامیاں بیان
کیں، کیا کوئی ہوشمند اور منصف حجج اس بیان پر ایک طرفہ فیصلہ کر سکتا ہے؟ اگر نہیں تو شیخ
عطیہ محمد سالم کے لیے یک طرفہ فیصلہ کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟

شیخ عطیہ محمد سالم نے محض ایک مخالف کے بیانات پر اعتماد کر کے اہل سنت و جماعت
کے خلاف جو یک طرفہ فیصلہ دیا ہے اور جارحانہ رویہ اختیار کیا ہے، اس سے ان کے
غیر علمی اور غیر ذمہ دارانہ انداز فکر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

وہ کہتے ہیں؛

”اس کتاب (البرلیویہ) کے مصنف نے فرقہ بریلویہ اور ان کے قریبی فرقوں
قادیانیہ اور بابیہ کو قوی اسلوب اور علمی تحقیق کے ساتھ پیش کیا ہے (ترجمہ ملخصاً)
”اس کی تمام تحریرات نچنگی، اعتدال، دلائل اور سداقت سے
مالا مال ہیں۔“

۵۱	الآیۃ	النساء ۴	۱۰ القرآن،
۲	ص	تقدیم البرلیویہ	۱۱ عطیہ محمد سالم،
۳	ص	”	۱۲ ایضاً،

کاش کہ وہ انصاف اور دیانت کے تقاضوں کے مطابق اہل سنت کے لٹریچر کا مطالعہ کرنے کی زحمت اٹھا لیتے، تو ان کا فیصلہ یقیناً مختلف ہوتا۔

دورِ زوال یا دورِ کمال؟

امام احمد رضا بریلوی (۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء = ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) کا دورِ سیاسی اعتبار سے پہلے زوال اور پھر عروج کا زمانہ ہے، لیکن علمی، ادبی اور فکری لحاظ سے یہ دور مسلمانانِ ہند کا زرین دور ہے۔ اس عرصے میں جتنی قدآور شخصیتیں، اُفقِ متحدہ پاک و ہند پر نمودار ہوئیں، بعد کے زمانوں میں ان کی مثال نہیں ملتی۔

حکیم عبدالحی لکھنوی نے نثر بہتہ الخواطر میں علماءِ ہند کا تذکرہ کیا ہے۔ سائیس اور آٹھویں جلد میں تیرھویں اور چودھویں صدی کے علماء کا تذکرہ ہے۔ ایک نظر ان جلدوں کے دیکھنے سے ہمارے بیان کی صداقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

ابوالحسن علی ندوی، آٹھویں جلد کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

”اس جلد میں سابقہ تمام زمانوں کی نسبت، حالاتِ علماء کی کثرت اور رنگارنگی میں زیادہ وسعت ہے، اس میں بڑے بڑے علماء، نابغہ عصر موفینِ اجلہ مشائخ، تربیت دینے والے اربابِ قلوب، عظیم معلم، اصحابِ درس و تخریج ہیں، ان میں جدید فکر کے قائدین اور تحریکوں کے راہنما ہیں، ان میں ادبا ہیں، شعراء ہیں اور سیاسی معرکوں میں بے خطر کو جانے والے لیڈر ہیں۔“

شیخ عطیہ محمد سالم نے تاریخِ ہند کا مطالعہ نہیں کیا، اس لیے وہ کہتے ہیں:

”یہ دور ہند میں علمی، فکری، حسی کہ ادبی ترقی کا دور نہیں ہے۔“

ابوالحسن علی ندوی: مقدمہ نثر بہتہ الخواطر (نور محمد کراچی) ج ۸، ص ۸

شیخ عطیہ محمد سالم: تقدیم البریلویہ ص ۳

لُطف کی بات یہ ہے کہ مصنف علمی اور فکری لحاظ سے اس دور کو سنہری قرار دے رہا ہے، اہل کا بیان ہے:

”۱۸۵۷ء کے بعد ۱۸۶۳ء سے ۱۸۶۵ء تک وہابیوں کو بیخ و بن سے اُکھڑنے کے لیے ان کے علماء، زعماء اور قائدین کو تختہ دار تک پہنچایا گیا، اس دور میں جنہیں قید کیا گیا، وہ اہل توحید کے عموماً اور اہل حدیث کے خصوصاً سربراہ اور وہ علماء تھے۔ مثلاً شیخ جعفر تھانی سری، شیخ عبدالرحیم، عبدالغفار، شیخ المسلمین شیخ یحییٰ علی سادق پوری اور شیخ احمد اللہ وغیرہ۔ پھر ان کے بعد اہل حدیث کے قائد، زعمیم اور سلف صالح کے متبع، العلم الرفیع، شیخ الکل سید نذیر حسین دہلوی“

جبکہ عطیہ محمد سالم، اس دور کو بانجھ اور ناقابل ذکر قرار دے رہے ہیں، گویا تقدیم نگار خود مصنف کی تکذیب کر رہے ہیں، بلکہ وہ تو یہاں تک کہہ گئے کہ:

”استعمار کی عادت یہ ہے کہ ہر اس تحریک کا گلا گھونٹ دے جس میں زندگی کی رمت موجود ہو، لہذا یہ طائفہ (بریلویہ) استعمار کے سائے میں اس کی خدمت کے بغیر اُبھر ہی نہیں سکتا تھا“

یہ تو آپ الگ باب میں ملاحظہ کریں گے کہ اہل حدیث نے انگریزی دور میں کتنی ترقی کی اور کس قدر خادمانہ روالہ استوار رکھے، اس جگہ صرف ایک اقتباس پیش کرنا مناسب رہے گا۔ ایک دفعہ کسی مخالف کی شکایت پر میاں نذیر حسین دہلوی گرفتار ہو گئے۔ پھر کچھ وقت کے بعد رہا کر دیتے گئے، ایسا کیوں ہوا؟

”انگریز ان کی سمیت علمی، بلند مقام اور مسلمانوں میں ان کے اثر و رسوخ

سے مخالف تھے، اس لیے ان کے معاملہ میں پریشان ہو گئے۔ کہیں مسلمان
بھیڑک نہ اٹھیں اور قیامت نہ آجائے۔“ ۱

عطیہ محمد سالم کے بیان کی روشنی میں سوچیے کہ میاں صاحب کو اس قدر عروج
اور قوت و شوکت کیسے حاصل ہو گئی؟ جبکہ استعمار برائے تحریکِ کموت کے گھاٹ اتار دیتا ہے
جس میں زندگی کی کوئی بھی علامت موجود ہو۔

مرزا غلام قادر بیگ

ہٹلر کے دستِ راست گوبلز کا قول ہے کہ جھوٹ اتنا بولو کہ اس پر سچ کا گمان ہونے
لگے۔ امام احمد رضا بریلوی کے چند ابتدائی کتب کے استاد مرزا غلام قادر بیگ رحمہ اللہ تعالیٰ
کے بارے میں مخالفین نے اسی مقولے پر عمل کرتے ہوئے زور شور سے یہ پروپیگنڈا کیا کہ وہ
مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

مرزا کا بھائی ۱۸۸۳ء میں فوت ہو گیا تھا، جبکہ مرزا غلام قادر بیگ، ۱۸۹۷ء میں کلکتہ
میں حیات تھے۔ تفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ کی جائے۔ دراصل نام کے اشتراک سے
فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے ایک صحیح العقیدہ مسلمان کو مرزائی اور کافر بنا دیا اور اس سے
ان کے دل پر کوئی ملال نہیں آیا کہ کسی دلیل اور ثبوت کے بغیر ہم نے ایک مسلمان کو کافر کیوں قرار
دیا؟ اور ملال آئے بھی تو کیوں کر جبکہ یہ لوگ تمام عامۃ المسلمین کو کافر قرار دے کر بھی اپنے
ضمیر پر کوئی بوجھ محسوس نہیں کرتے۔

عطیہ محمد سالم بھی اسی پروپیگنڈے کے زیر اثر یہ کہہ گئے؛
”بریلویہ کے بانی کا پہلا استاد، مرزا غلام قادر بیگ، مرزا غلام احمد قادیانی

ص ۳۸

البریلویہ

۱۰ ظہیر

ص ۴

تقدیم البریلویہ

۲ عطیہ محمد سالم

کا بھائی تھا، لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ قادیانیت اور بریلویت دونوں استعمار
کی خدمت میں بھائی بھائی ہیں۔" لے

اگر کسی دعوے کا ثابت کرنا واقعی محتاج دلیل ہوتا ہے، تو ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنے
دعوے کی صداقت پر کوئی دلیل پیش کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ قیامت تک کوئی دلیل نہ
لا سکیں گے۔

نادرا استدلال

عطیہ محمد سالم، نہ جانے کس قابلیت کی بنا پر قاضی بنا دیئے گئے کہ وہ فیصلہ دیتے
وقت محض سنی سنائی باتوں پر اس قدر اعتماد کرتے ہیں کہ دلائل و شواہد پر توجہ دینے کی زحمت بھی
گوارا نہیں کرتے اور جن امور کو وہ منطقی دلائل کے طور پر پیش کرتے ہیں، انہیں دیکھ کر منطق کا
ابتدائی طالب علم بھی مسکراتے بغیر نہ رہ سکے گا۔

ذرا انداز استدلال ملاحظہ ہو، مغالطہ کی صحیح تصویر آپ کے سامنے آجاتے گی، وہ
لکھتے ہیں:

"بریلویوں نے دیوبندیوں کی تکفیر کی ہے

دیوبندی حنفی ہیں

بریلوی بھی حنفی ہیں

لہذا بریلوی خود کافر ہوں گے

یہ واضح منطقی قیاس ہے۔" لے

اگر عطیہ محمد سالم نے منطق کی کوئی ابتدائی کتاب بھی پڑھی ہوتی، تو وہ کبھی اس مغالطہ

ص ۴

تقدیم البریلویت،

لے عطیہ محمد سالم،

ص ۴

" " "

بے ایضاً،

کو قیاس منطقی قرار دینے کی جرأت نہ کرتے۔ ان کی منطق کے مطابق کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے،
 ”عطیہ محمد سالم اور دیگر نجدی علماء بریلویوں کو کافر و مشرک قرار دیتے ہیں
 حالانکہ،

بریلوی کلمہ گو ہیں

اور نجدی بھی کلمہ گو ہیں

لہذا نجدی خود کافر و مشرک ہوں گے

اور یہ واضح قیاس منطقی ہے

منطقی اصطلاح کے مطابق یہ قیاس اقترانی حملی شکل ثانی ہے جس میں حد اوسط،
 صغریٰ اور کبریٰ دونوں میں محمول ہوتی ہے۔ لیکن اس شکل کے نتیجہ دینے کے لیے ضروری ہے
 کہ دونوں مقدمے ایجاب و سلب میں مختلف ہوں، یعنی ایک موجبہ ہو تو دوسرا سالبہ ہو۔
 علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

وفي الثاني اختلافهما في الكيف وكنية الكبرى له
 ”شکل ثانی میں شرط یہ ہے کہ دونوں مقدمے ایجاب و سلب میں مختلف ہوں

اور کبریٰ کلیہ ہو۔“

شیخ عطیہ کے پیش کردہ دونوں مقدمے موجبے ہیں،

دیوبندی حنفی ہیں

بریلوی بھی حنفی ہیں

اول تو یہ قیاس منطق کے قواعد کی رُو سے ہے ہی غلط اور اگر صحیح بھی ہوتا تو اس کا نتیجہ

یہ ہوتا: — دیوبندی، بریلوی ہیں

سُحان اللہ! کیا منطق ہے اور کیا شان استدلال؟

اے مسعود بن عمر تفتازانی، سعد الدین، تہذیب مع شرح (سکندر علی، کراچی) ص ۴۶

یہ تو عقلی استدلال تھا، نقلی دلیل بھی ملاحظہ ہو:

”علماء کا قدیم مقولہ ہے کہ جس نے اپنی جنس کو گالی دی، اس نے اپنے آپ کو گالی دی، تو انہوں نے غیر محسوس طریقے پر اپنے آپ کو کافر قرار دے دیا۔ یہ قطع نظر اس سے کہ حکم شرعی کے بیان کو گالی دینا نہیں کہہ سکتے، یہ کہنا سرے سے غلط ہے کہ دیوبندی بریلوی کی جنس ہے، انہوں نے خود کہا ہے:

”دیوبندی مذہب حنفی کی طرف منسوب ہونے میں بریلویوں کے ساتھ

شریک ہیں۔“

اس لیے دیوبندی اور بریلوی میں سے کسی کو دوسرے کے لیے جنس نہیں کہہ سکتے۔ ہر ایک الگ الگ نوع ہے اور ضروری نہیں کہ ایک نوع کا حکم دوسری نوع پر بھی لگے۔

قائدِ اعظم، اقبال اور ضیاء

تحریک پاکستان کے دور میں سیاسی لیڈر مختلف گروہوں میں منقسم تھے۔ کچھ لوگ انگریز کے حامی اور متوید تھے، کچھ انگریز کے دشمن لیکن ہندو کے دل و جان سے دوست اور اتحادی تھے۔ امام احمد رضا بریلوی اور ان کے ہم مسلک علماء کا دینی اور اسلامی نقطہ نظر یہ تھا کہ انگریز اور ہندو دونوں ہی ہمارے دشمن ہیں۔ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں، یہی وہ دو قومی نظریہ تھا جسے بعد میں علامہ اقبال اور قائد اعظم نے اپنایا اور اسی نظریے کی بنا پر پاکستان معرض وجود میں آیا۔

۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سٹی کانفرنس کا بنارس میں تاریخی اجلاس ہوا جس میں اہل سنت و جماعت (بریلوی) کے تمام علماء اور مشائخ نے شرکت کی اور مطالبہ پاکستان کی بھرپور

ص ۴

تقدیم البریلویہ

۱۰۰

ص ۴

”

۱۰۰

حمایت کی۔ اس دور میں مسلم لیگ اور قائد اعظم کے مطالبہ پاکستان کی حمایت جس زوردار اور جہادی انداز میں اہل سنت و جماعت کے شیخ سے کی گئی اور کسی طرف سے نہیں کی گئی۔

عظمتیہ محمد سالم کی تاریخ سے بے خبری ملاحظہ ہو، وہ کہتے ہیں،
 ”بریلویوں نے بانی پاکستان محمد علی جناح اور شاعر اسلامی پاکستانی محمد اقبال بلکہ پاکستان کے موجودہ صدر محمد ضیاء الحق کی تکفیر کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ بریلویوں کے دوست انگریزی استعمار کے دشمن تھے اور انہوں نے انگریزوں کو نکلانے کے لیے جہاد کیا تھا۔“ ۱

حالانکہ تحریک پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ اگر علماء اور مشائخ اہل سنت حمایت نہ کرتے، تو یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکتی تھی یا پھر پاکستان کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔
 تفصیل آئندہ اوراق میں ”اسلامی سیاست“ کے عنوان کے تحت ملاحظہ ہو۔

علامہ اقبال اور قائد اعظم کے خلاف فتویٰ دینے کے سلسلے میں تہجانب اہل السنۃ کا حوالہ دیا جاتا ہے، یہ حالانکہ یہ مولانا محمد طیب کی انفرادی رائے تھی جسے علماء اہل سنت کی جماعتی طور پر تائید حاصل نہیں ہوتی۔ شخص واحد کی انفرادی رائے کو پوری جماعت پر ٹھونس دینا کسی طرح بھی قرین انصاف نہیں ہے۔

احسان الہی ظہیر لکھتے ہیں،

”ہم یہ عقائد و معتقدات اور ان کے دلائل خود احمد رضا بریلوی، ان کے خواص اور اس گروہ کے خواص و عوام کے نزدیک معتمد حضرات اور ان نمایاں شخصیات سے نقل کریں گے جو ان کے نزدیک بغیر کسی اختلاف کے مسلم ہوں۔“ ۲

۵ ص	تقدیم البریلویہ	۱۷ عظیمیہ محمد سالم
۲۰۵-۷ ص	البریلویہ	۱۸ ظہیر
۵۶ ص	”	۱۹ ظہیر

اب ان لوگوں سے کون پوچھے کہ تجانب اہل السنۃ کے مصنف مولانا محمد طیب کہاں کی مسلم نمایاں اور غیر متنازع فیہ شخصیت ہیں؟ خود ظہیر صاحب نے بریلویوں کے جن زعماء کا ذکر کیا ہے۔ ان میں مولانا محمد طیب کا ذکر نہیں ہے، یہ کہاں کی دیانت ہے کہ ان کے اقوال تمام اہل سنت کے سر تھوپ دیتے جاتیں؟

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

”مولانا طیب صاحب ہمدانی مصنف ”تجانب اہل سنت“ علمی اعتبار سے کسی گنتی اور شمار میں نہیں ہیں، وہ مولانا حشمت علی کے داماد تھے اور ان کا مبلغ علم فقط اتنا تھا کہ وہ شرق پور کی ایک چھوٹی سی مسجد کے امام تھے اور بس، تجانب اہل سنت میں جو کچھ انہوں نے لکھا وہ ان کے ذاتی خیالات تھے، اہل سنت کے پانچ ہزار علماء و مشائخ نے بنارس کانفرنس میں قرارداد قیام پاکستان منظور کر کے مولانا حشمت علی کے سیاسی افکار اور ”تجانب اہل سنت“ کے مندرجات کو عملاً رد کر دیا تھا، لہذا سیاسی نظریات میں ایک غیر معروف مسجد کے غیر معروف امام (مولانا طیب)، اور غیر مستند شخص کے سیاسی خیالات کو سوادِ اعظم اہل سنت پر لاگو نہیں کیا جاسکتا، نہ یہ شخص ہمارے لیے حجت ہے اور نہ اس کے سیاسی افکار“۔

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی فرماتے ہیں،

”تجانب اہل سنت کسی غیر معروف شخص کی تصنیف ہے جو ہمارے نزدیک قطعاً قابل اعتماد نہیں ہے، لہذا اہل سنت کے مسلمات میں اس کتاب کو شامل کرنا قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے اور اس کا کوئی حوالہ ہم پر حجت نہیں

ص ۴-۵۱

البریلویہ

۱۰ ظہیر

ماہنامہ فیضان، فیصل آباد، شمارہ اپریل ۱۹۷۸ء، ص ۸-۲۷

۱۰ علامہ رسول سعیدی، علامہ

ہے، سالہا سال سے یہ وضاحت اہل سنت کی طرف سے ہو چکی ہے کہ ہم اس کے کسی حوالہ کے ذمہ دار نہیں۔“ لہ

اس جگہ اس امر کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا کہ تحریک پاکستان کے زمانے میں علمائے اہل سنت اور علماء دیوبند کی اکثریت مخالف تھی البتہ بعض علماء جامی تھے۔ مولوی داؤد غزنوی اہل سنت اور علامہ شبلیہ احمد عثمانی دیوبندی آخر میں جا کر مسلم لیگ میں شریک ہوئے، جبکہ اہل سنت و جماعت (بریلوی) کے تمام تر علماء پاکستان اور مسلم لیگ کے حامی تھے۔ اکاؤنٹا علماء جیسے مولانا حشمت علی وغیرہ ضرور اختلاف رکھتے تھے، لیکن وہ بھی نظریہ پاکستان کے مخالف یا کانگریس کے حامی نہ تھے۔ ان کا اختلاف محض اس بنا پر تھا کہ مسلم لیگ مختلف بد مذہبوں کا ملغوبہ ہے، ہم اس کی حمایت نہیں کر سکتے۔ اہل سنت کی نمائندہ تنظیم آل انڈیا سنی کانفرنس چونکہ مسلم لیگ کی حامی تھی، اس لیے وہ اس تنظیم سے بھی اختلاف رکھتے تھے۔ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس، بنارس کے اجلاس میں پانچ ہزار علماء و مشائخ نے ڈنکے کی چوٹ پر مطالبہ پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت کر کے ان حضرات کا انفرادی موقف مسترد کر دیا تھا۔ بعد میں مولانا حشمت علی خاں نے بریلی جا کر سنی کانفرنس کی مخالفت سے رجوع کر لیا تھا، جس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے سنی کانفرنس کی مسلم لیگ حمایت کو تسلیم کر لیا تھا۔

حضرت علامہ احمد سعید کاظمی مدظلہ فرماتے ہیں:

”مولانا حشمت علی خاں کے بارے میں مشہور اور ناقابل انکار واقعہ ہے کہ انہوں نے بریلی شریف جا کر مفتی اعظم ہند رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے قیام پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت میں منعقد ہونے والی آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کی مخالفت سے توبہ کی تھی۔“ لہ

لہ قلمی یادداشت، حضرت عزالیٰ زماں، تقریر ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۴ء، محفوظ نزد اقم (شرف تادری)

لہ ایضاً، " " " " " "

علامہ عثمانی دیوبندی نے حفظ الرحمن سیو ہاروی وغیرہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا،
 ”دارالعلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون
 ہمارے متعلق چسپاں کیے جن میں ہم کو ابو جہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا گیا
 آپ حضرات نے اس کا بھی کوئی تدارک کیا تھا؟“ لے
 اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستان کی حمایت کرنے پر دیوبند کی فضا میں ان
 کے خلاف کس قدر اشتعال تھا؟

مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی زیر عنوان ”تحریک پاکستان میں غیر متقلدین کا
 طرز عمل“ لکھتے ہیں:

”بڑھئیہ پاک و ہند کے ہر کہ و مہ کو معلوم ہے کہ آپ کے اکثر اکابر نے تحریک
 پاکستان کی سرٹوٹو مزاحمت کی، بلکہ پاکستان دشمن جماعتوں کے سرخیل اور سرگروہیے
 ہیں۔ مولانا سید اسماعیل صاحب غزنوی کی ذات مستثنیٰ ہے کہ انہوں نے اصولی
 طور پر پاکستان کی حمایت کی، مگر ان کا کردار نمایاں نہیں رہا، دوسرے عظیم رہنما
 حضرت مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی جو پنجاب میں ہندو نیشنل کانگریس کے
 صدر تھے، کانگریس کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے اور مولانا ابوالکلام آزاد کے
 ساتھ مل کر مسلمانوں پر خضر وزارت کو مستط کیا، البتہ عوام اہل حدیث کا رجحان
 نظریہ پاکستان کے حق میں تھا اور بالآخر ان کے دباؤ سے مولانا سید محمد داؤد صاحب
 غزنوی بھی تحریک پاکستان میں شامل ہو گئے۔“ لے

احسان الہی ظہیر، وکیل اہل حدیث محمد حسین بٹالوی کی انگریز نوازی سے انکار نہیں کر سکتے،
 اس لیے گلو خلاصی کرانے کے لیے اپنے خیال میں آسان راستہ تجویز کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

۱۔ طاہر احمد قاسمی، مکالمۃ القصدین (دارالاشاعت، دیوبند) ص ۲۱
 ۲۔ عبد الستار خاں نیازی، مولانا، نعرۃ حق (مکتبہ رضویہ، گجرات) ص ۶۵

ترہا معاملہ محمد حسین بٹالوی کے دو ایڈریسوں کا، تو ہم اس سلسلہ میں متنبی
 قادیانی کی امت کی طرح کسی قسم کی تاویل و تحریف کے چکر میں پڑنے کی بجائے
 اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر کسی فرد یا چند افراد نے ایسا کیا، تو غلط کیا، ہم انہیں
 نہ معصوم سمجھتے ہیں نہ صاحب شریعت کہ ان کی ہر بات ہمارے لیے حجت و سند ہو
 قوم میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن سے غلطیوں اور لغزشوں کا صدور ہوتا ہے،
 ان سے مجموعی طور پر قوم کے دامن پر دھبہ نہیں لگ سکتا اور نہ ہی ان کی بنا پر
 کسی گروہ کو مطعون کیا جاسکتا ہے۔“

یہی فارمولا اہل سنت کی طرف سے پیش کیا جائے، تو قابل قبول کیوں نہیں ہے۔ چند
 افراد کے افکار کی ذمہ داری تمام جماعت پر کس طرح ڈالی جاسکتی ہے؟ ہمارے علمائے بھی
 لگی لپی کے بغیر محتاج اہل سنت کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

پھر یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ جن ایڈریسوں کی ذمہ داری تنہا بٹالوی صاحب پر ڈالی جا رہی
 ہے، ان میں وہ تنہا نہیں ہیں، بلکہ اہل حدیث کے بڑے بڑے (شیخ الكل قسم کے) علماء بھی شامل
 ہیں۔ چند اسماء ملاحظہ ہوں۔ لارڈ ڈفرن، گورنر جنرل اور وائسرائے ہند کو دیئے گئے ایڈریس
 (سپاس نامہ) میں شامل چند علماء کے نام یہ ہیں:

”مولوی سید محمد نذیر حسین دہلوی، ابو سعید محمد حسین بٹالوی، وکیل اہل حدیث ہند،

مولوی محمد یونس خاں، رئیس دتا والی، علی گڑھ، مولوی قطب الدین، پیشوائے

اہل حدیث روپڑ، مولوی محمد سعید، بنارس، مولوی الہی بخش پلیدر، لاہور۔

مولوی سید نظام الدین پیشوائے اہل حدیث، مدراس وغیرہ“

اُس وقت کے اہل حدیث کے جتنے بڑے بڑے پیشوا ہیں، وہ سب اس ایڈریس (سپاس نامہ)

میں شریک ہیں، مگر پوری قوم کا جرم ایک بے چارے بٹالوی کے سر منڈھا جا رہا ہے اس کے برعکس اہل سنت و جماعت کے چند افراد کے افکار کی ذمہ داری پوری جماعت پر ڈالی جا رہی ہے۔ اس اُلٹی گنگا کا کیا علاج؟

پھر نطف کی بات یہ کہ سرفہرست میاں نذیر حسین دہلوی کا نام ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ کون ہیں؟ خود ان سے سُنئے:

”قائدِ اہل حدیث، سلف صالح کے متبعین کے زعمیم، بلند پہاڑ، شیخ الکحل،

سید نذیر حسین محدث دہلوی۔“ ۱

”محدثِ جلیل، عالم نبیل، اپنے دور میں طائفہ منصورہ کے شیخ ربانی، اولادِ رسول، سید نذیر حسین دہلوی، جنہوں نے پاک و ہند میں سنت کا جھنڈا بند کیا، جہالت اور گمراہی کے اندھیروں کو دور کیا، اس خطے کو کتاب و سنت کے نور سے منور کیا، جو شاہ ولی اللہ دہلوی کی مسند پر بیٹھا اور اُس نے ان کی تعلیمات کی تنقیح، تہذیب اور تجدید کی“ ۲

ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں، اہل حدیث کے شیخ الکحل کی اس سپاسنامے میں حاضری ہی پوری جماعت اہل حدیث کی حاضری تھی، لیکن ان کے ساتھ ساتھ علی گڑھ، روڑ پر بنارس، لاہور اور مدراس وغیرہ مقامات کے پیشوایانِ اہل حدیث بھی شامل ہوں تو اس سپاسنامے کی ذمہ داری صرف بٹالوی کے سر ڈال دینا انصاف کا خون بہا دینے کے مترادف ہوگا پھر محمد حسین بٹالوی بھی اہل حدیث جماعت کا کوئی معمولی فرد نہیں ہے، بلکہ تمام اہل حدیث کا وکیل ہے، اس کی ایک اپیل پر ہزاروں قراردادیں ملک کے طول و عرض سے موصول ہوجاتی ہیں۔

علامہ اقبال نجدی علماء کی نظر میں

علیہ محمد سالم، علامہ اقبال کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں،

اسلامی پاکستانی شاعر، محمد اقبالؒ

البریلویہ کے مصنف ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں،

”شاعر رسالت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، ہند و پاک میں مسلمانوں

کا شاعر جس نے اس خطہ کے لوگوں میں جہاد کی روح بھونٹی۔ . . .

ڈاکٹر محمد اقبالؒ

غالباً ان دونوں مصنف اور مقدمہ نگار، کو معلوم نہیں ہے کہ نجدی علماء کی علامہ اقبال

کے بارے میں کیا رائے ہے؛ روزنامہ نوائے وقت لاہور میں جناب محمد امین کا ریاض سے

بھیجا ہوا مراسلہ چھپا تھا، جس کا عنوان ہے:

سعودی عرب میں اقبالیات کا ابلاغ

ان کا بیان ہے کہ ۱۹ نومبر (۱۹۸۰ء) کو ریاض یونیورسٹی میں اسلامی فکر کی تجدید کے

عنوان سے ایک سیمینار ہوا، جس میں سعودی عرب کے سب سے بڑے مذہبی رہنما شیخ

عبد العزیز بن باز، معروف مصری مفکر محمد قطب (سید قطب شہید کے بھائی) سوڈان

کے ڈاکٹر جعفر شیخ ادریس اور معروف مؤلف اور روشن نظر عالم دین جناب محمد صباح نے

خطاب کیا۔ سیمینار کے آخر میں سوال و جواب کا ایک پروگرام ہوا اور اس نشست کا

آخری سوال اقبال کی کتاب تشکیل جدید الہیات اسلامی کے بارے میں تھا جس کا عربی

ترجمہ تجدید التفكير الذہنی فی الاسلام کے نام سے موجود ہے۔ ڈاکٹر جعفر شیخ ادریس نے

ص ۵

تقدیم البریلویہ

ابو عتیق محمد سالم،

ص ۲۰۵

البریلویہ

علیہ ظہیرا

تسلیم کرنے کے باوجود کہ اس کتاب میں کچھ باتیں قابل اعتراض ہیں۔ معتدل موقف اختیار کیا، لیکن استاذ صباغ نے اقبال پر شدید تنقید کی اور کہا:

”اس کتاب کی عبارتیں گمراہ کن ہیں، بلکہ اس میں بعض باتیں کفر تک لے جانے والی ہیں۔ یہ انتہائی خطرناک کتاب ہے اور طلباء کو اس سے متنبہ رہنا چاہیے۔ انہوں نے اس امر پر افسوس کا اظہار بھی کیا کہ ایسی کتابیں بغیر تعلیق اور حواشی کے نہیں چھپنی چاہئیں۔“

مراسلہ نگار لکھتے ہیں:

”سوء اتفاق سے جناب محمد قطب نے بھی استاذ صباغ کی تائید کی اور کہا کہ اس کتاب کا پڑھنا عام طلباء کے لیے خطرے سے خالی نہیں، اس میں بہت سی باتیں خلاف حقیقت ہیں۔ نیز یہ کہ اقبال مغربی فلسفے اور خاص کر جرمن فلسفے سے متاثر ہے اور تصوف کے بعض غیر اسلامی نظریوں کا قائل ہے۔“

کیا البریلویہ کے مصنف اور تقدیم نگار یہ وضاحت کریں گے کہ شاعر اسلامی، شاعر رسالت محمدؐ کے بارے میں یہ روایت کیوں اختیار کیا گیا؟ اور شیخ عبدالعزیز اور دیگر اسکالروں نے یہ سب قویے سن کر اختلاف کیوں نہ کیا؟ کیا یہ نجدی علماء کا اجماع سکوئی نہ ہوگا؟ پھر تصوف کے ان غیر اسلامی نظریوں کی وضاحت بھی ہونی چاہیے، جن کا اقبال قائل ہے۔

صدرِ پاکستان

عطیہ محمد سالم کہتے ہیں کہ ”یہ لوگ تکفیر میں جلد باز واقع ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ پاکستان کے موجودہ صدر محمد ضیاء الحق کو بھی کافر قرار دے چکے ہیں۔“

۱۷ روزنامہ نوائے وقت، لاہور، شمارہ یکم دسمبر ۱۹۸۰ء ص ۳
 ۱۷ عطیہ محمد سالم، تقدیم البریلویہ ص ۵

اس کھوکھلے دعوے کی بنیاد یہ فراہم کی گئی ہے کہ جب مسجد نبوی اور مکہ معظمہ کے امام پاکستان آئے، تو صدر اور گورنر پنجاب سوار خاں نے ان کے پیچھے نماز ادا کی، کسی نے سوال کیا کہ ان کا کیا حکم ہے؟ مفتی سید شجاعت علی قادری نے جواب دیا:

”حضرت نورانی فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے کہ جو شخص وہابی

نجدیوں کو مسلمان جانے یا ان کے پیچھے نماز پڑھے، وہ کافر و مرتد ہے۔“

اس مضحکہ خیز دعویٰ اور اس کی دلیل کا بودا پن اس سے ظاہر ہے کہ مفتی سید شجاعت علی قادری کو حکومت پاکستان نے وفاقی شرعی عدالت کا جج بنا دیا ہے۔ کیا عقل سلیم یہ باور کر سکتی ہے؟ کہ صدر پاکستان محمد ضیاء الحق اس شخص کو وفاقی شرعی عدالت کا جج بنا دیں گے جو ان کے کفر کا فتویٰ دے چکا ہو، گویا تکفیر ایسا کارنامہ ہے جس پر اعزاز و اکرام سے نوازا جا رہا ہے۔

مفتی سید شجاعت علی قادری کی وضاحت بھی ملاحظہ ہو:

”میرے نام سے بہت سے ایسے فتاویٰ شائع ہو چکے ہیں، جن پر کوئی ذی شعور

انسان کبھی یقین نہیں کر سکتا ہے اور جن کی تردید میں بارہا کر چکا ہوں، مثلاً یہ کہ میں

نے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب وغیرہ کو کافر کہا ہے“

پاکستان کے موجودہ صدر سعودی عرب حکومت اور علماء کے منظور نظر ہیں۔ سعودی عرب

اور اس کے زیر اثر عرب ریاستوں میں امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے ترجمہ

قرآن کنزالایمان اور مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر خزان العرفان پر پابندی عائد

کی گئی، تو علماء اہل سنت کا ایک وفد صدر صاحب سے ملا، صدر نے کہا کہ یہ ان ممالک

کا داخلی معاملہ ہے، میں کس طرح مداخلت کر سکتا ہوں؟ بادشاہی مسجد میں ”نعرہ رسالت“

کے جواب میں ذیل جواب دینے والے شخص کے خلاف بار سول اللہ کانفرنس

کے مطالبہ پر قائم کردہ ٹریبونل کا فیصلہ آج تک منظرِ عام پر نہ آسکا، حالانکہ یہ تو پاکستان کا خاص داخلی معاملہ تھا۔

سعودیہ کا مکتبہ الدعوة لاہور، کروڑوں روپے کا دل آزار لٹریچر پاکستان میں مفت تقسیم کر رہا ہے، جس میں عامۃ المسلمین کو مشرک اور بت پرست قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ تو پاکستان کا خاص داخلی معاملہ ہے، لیکن حکومت نے اس کا بھی کوئی نوٹس نہیں لیا۔

چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

● "پاکستان میں قبروں پر پھول و نذر و نیاز کے سلسلے کی وجہ سے لوگوں کی عقیدت اللہ تعالیٰ سے ختم کی جا رہی ہے۔ ایسے ملک کی حکومت کو اسلامی کہنا کسی طرح زیب نہیں دیتا۔" ۱

● "جو شخص حضور علیہ السلام کی قبر کی طرف منہ کرتا ہے، اُس نے آپ کی قبر کو قبلہ و کعبہ بنا لیا، یہی شرکِ اکبر ہے اور یہی بعینہ بتوں کی عبادت ہے۔" ۲

● "باہر سے آنے والے لوگ قبر البقیع کو بت سمجھ کر پوجتے ہیں۔" ۳

● "تمام عالمِ اسلام میں شرک کیا جا رہا ہے اور وہ ہے قبروں کی عقیدت۔" ۴

● "صحابہ کرام اور اہل بیت کی قبروں کے سامنے دُعا مانگنا اور غارِ حراء و ثور سے تبرک لینا حرام ہے۔" ۵

● "مسجدِ نبوی اور قبر شریف (روضۂ رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے درمیان

ص ۱۶

مقدمہ محمد بن عبدالوہاب

۱۔ محمد صادق خلیل، فیصل آباد،

المشابدات المعصومیۃ (ادارات البحوث العلمیۃ السعودیۃ)، ص ۷

۲۔ محمد سلطان المعصومی المکی،

ص ۷

۳۔ ایضاً،

تظہیر الاعتقاد (ادارات البحوث العلمیۃ السعودیۃ)، ص ۴

۴۔ محمد بن اسماعیل یمنی،

فتح اوزاریات کے شرعی آداب (مطابع النصر الریاض)، ص ۴

۵۔ عبدالعزیز بن عبداللہ،

ایک یوار کھڑی کی جائے تاکہ موحّد کو اطمینان ہو۔ لے

• انبیاء اور صلحاء کو سفارشی ماننا بالکل مشرکوں کا عقیدہ ہے۔ لے

• صالحین کی قبروں سے تبرک حاصل کرنے والے اس زمانے کے مسلمان

تو مشرکین عرب سے کہیں آگے ہیں۔ لے

عطیہ محمد سالم کہتے ہیں؛

”اس وقت جبکہ ہمیں وحدت کلمہ اور اپنی صفوں میں اتحاد کی شدید ضرورت

ہے، بریلوی اپنے علاوہ ہر شخص کی تکفیر کرتا ہے۔“ لے

یہ صریح بہتان ہے کہ فاضل بریلوی اپنے علاوہ ہر شخص کی تکفیر کرتے ہیں۔ انہوں نے

صرف ایسے لوگوں کی تکفیر کی، جنہوں نے خدا و رسول کی بارگاہ میں صریح گستاخی کی یا گستاخی پر

آگاہ ہو کر بھی اسے صحیح قرار دیا۔

شیخ عطیہ نے اپنے ہم خیال نجدی علماء کے رویتے پر غور نہیں کیا جو اپنے علاوہ

دنیا بھر کے مسلمانوں کو مشرک قرار دینے پر تلے ہوتے ہیں۔ چند اقتباسات ابھی ابھی

پیش کیے جا چکے ہیں، چند مزید حوالے دیکھ لیجئے؛

مترجم قرآن پاک جلد دو

شیخ عبدالعزیز بن باز ایک مکتوب میں لکھتے ہیں؛

ص ۵

تقدیم البریلویہ

لے عطیہ محمد سالم؛

ص ۱۲۵

قبروں پر مسجدیں (ضیاء السنۃ، لائل پور)

لے ناصر الدین السبانی؛

ص ۷۵

التوحید (الدار السلفیہ، بمبئی)

لے احمد بن حجر آل ابوظہبی سلفی؛

ص ۴۵۵

ہدایۃ المستفید شرح کتاب التوحید ترجمہ (انصار السنۃ، لاہور)

لے عبدالرحمن بن حسن؛

”ہمیں بھی مختلف اداروں کی طرف سے اس مترجم کے نمونے موصول ہوئے ہیں، جن کی تحقیق سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ اس میں تحریفیات اور جھوٹ بھرا پڑا ہے۔ لہذا تمام متعلقہ اداروں کو یہ اطلاع کر دی جاتے کہ جن مساجد میں اس کے نسخے ہیں یا کسی اور جگہ ہوں تو ان کو ضبط کر لیا جائے اور جلا دیا جائے۔“ لہ

قصیدہ بُردہ اور دلائل الخیرات جلد دو

محمود مہدی استانبولی کی ایک تصنیف ”کُتُبُ لَیْسَتْ مِنْ الْإِسْلَامِ (غیر اسلامی کتابیں)، المکتب الاسلامی، بیروت سے طبع ہوئی ہے اس کا ایک عنوان ہے: حَرَقُوا هَذِهِ الْكُتُبَ لَه (ان کتابوں کو جلا دو) اس میں غیر اسلامی کتب میں سرفہرست جن کتابوں کو شمار کیا گیا ہے وہ ہیں: قصیدہ بُردہ اور دلائل الخیرات لہ

بخاری شریف جلد دو

۱۹۸۲ء میں عالمی سیرت کانفرنس، تہران میں اتحاد امت کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے گوجرانوالہ کے اہل حدیث کے مولوی بشیر الرحمن مستحسن نے اپنی تقریر میں کہا: ”اب تک جو کچھ کہا گیا ہے، وہ قابلِ قدر ضرور ہے، قابلِ عمل نہیں، اختلاف ختم کرنا ضروری ہے، مگر اختلاف ختم کرنے کے لیے اسباب اختلاف کو مٹانا

۲۵ ص	اتحاد بین المسلمین (مکتبہ رضویہ، لاہور)	لہ عبدالستار خاں نیازی، مولانا،
ص ۷	کتب لیست من الاسلام (بیروت)	لہ محمود مہدی استانبولی،
ص ۱۱-۲۷	”	لہ ایضاً،

ہوگا۔ فریقین کی جو کتب قابل اعتراض ہیں، ان کی موجودگی اختلاف کی بھٹی کو تیز تر کر رہی ہے، کیوں نہ ہم ان اسباب ہی کو ختم کر دیں۔

اگر آپ صدقِ دل سے اتحاد چاہتے ہیں، تو ان تمام روایات کو جلانا ہوگا جو ایک دوسرے کی دل آزاری کا سبب ہیں، ہم بخاری کو آگ میں ڈالتے ہیں، آپ اصولِ کافی کو نذرِ آتش کر دیں۔ آپ اپنی فقہ صاف کریں ہم اپنی فقہ صاف کر دیں گے، لے

اگر خدا نخواستہ جلانے اور آگ لگانے کی یہ تحریک چل پڑی اور کامیاب ہو گئی تو اس کا نتیجہ تخریب ہی تخریب ہوگا، تعمیر کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔

حکومت پاکستان فتوے کی زد میں

اربابِ اقتدار کو اس خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیے کہ یہ سب

اہل سنت و جماعت کا مسئلہ ہے، ہمیں اس سے کیا سروکار؟ کیونکہ اس فکر کے حاملین تو حکومت پاکستان کے بارے میں بھی وہی رائے رکھتے ہیں جو عامۃ المسلمین سے متعلق لکھتے ہیں۔ فیصل آباد کے محمد صادق خلیل لکھتے ہیں:

”جس ملک میں مزارات کو مذہبی حیثیت دی جاتے اور ان کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لیے کوششیں کی جائیں، ان پر قبے تعمیر کیے جائیں اور ان پر سالانہ عرسوں کا انعقاد حکومت کی جانب سے کیا جائے، ان کی عظمت کو اُجاگر کیا جائے، مزارات پر پھولوں کی چادریں چڑھائی جائیں۔ عرق گلاب اور خوشبودار عطریات سے ان کو غسل دیا جائے اور نذر و نیاز کے سلسلے کو بجا بند کرنے کے اس کو بقا عطا کیا جائے اور اللہ پاک سے لوگوں کی عقیدت کو ختم کر کے مزارات کی جانب ان کی عقیدت کو پھیرا جائے اور اللہ پاک کے

ساتھ بغاوت کا ثبوت پیش کیا جائے تو
ایسے ملک کی حکومت کو اسلامی کہنا کسی طرح زیب نہیں دیتا۔^{۱۷}
یاد رہے کہ یہ کتاب سعودی عرب کے خرچ پر چھاپ کر پاکستان میں مفت تقسیم کی گئی ہے۔

یہ سب آل شیخ کا کیا دھرا ہے

سعودی عرب میں ملکی زمام اقتدار آل سعود اور مذہبی قیادت آل شیخ کے ہاتھ میں ہے۔
یہ فرقہ وارانہ لٹریچر اور پروپیگنڈا سب آل شیخ کی کوششوں سے ہے۔ حکومت پاکستان
فرقہ وارانہ انتشار کے حق میں نہیں ہے، تو اسے حکومت سعودیہ سے براہ راست اس مسئلے پر
گفتگو کرنی چاہیے کہ منافرت انگریزوں کی پاکستان میں تقسیم پر پابندی عائد کی جائے اور ملک کے
داخلی امن عامہ کو تباہ کرنے کے اسباب مہیا نہ کیے جائیں۔

اس جگہ اس امر کا تذکرہ بھی بے جا نہ ہوگا کہ جب نجدی علماء عامۃ المسلمین کو بے دریغ
کافر و مشرک قرار دیں گے، تو اس کے جواب میں انہیں دوستی اور اخوت و محبت کی ہرگز توقع نہیں
رکھنی چاہیے۔ جواباً جتنا بھی سخت سے سخت لب و لہجہ اختیار کیا جائے، وہ جائز اور روا
ہوگا۔ وہ اگر اپنے دلوں میں وسعت پیدا کریں اور تنگ نظری کا راستہ چھوڑ دیں تو عامۃ المسلمین
کو اپنے سے زیادہ وسیع القلب پائیں گے۔

شُرک کا ہوا کہیوں؟

نجدی اور اہل حدیث علماء کو ہر وقت شرک کی فکر سوار رہتی ہے۔ بات بات پر
دنیا بھر کے مسلمانوں کو بلا ترقو، مشرک اور شرک اکبر میں مبتلا قرار دے دیتے ہیں حالانکہ
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مجھے خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے،

۱۷ لے محمد صادق غلیل، فیصل آباد،
مفتی محمد بن عبدالوہاب، ص ۱۶

(قریب قیامت، حالت اس سے البتہ مختلف ہوگی)

حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے لیے دُعا فرمائی، اس کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے، انداز ایسا تھا گویا زندوں اور مردوں کو الوداع فرما رہے ہوں، دورانِ خطبہ فرمایا:

إِنِّي لَكُنْتُ أَخْشَى أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَلَكِنِّي أَخْشَى
عَلَيْكُمْ الدُّنْيَا أَنْ تَتَنَا فَسَوَّافِيهَا وَتَقْتُلُوا فَتَهْلِكُوا
كَمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

”مجھے اس بات کا خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے، البتہ مجھے خوف ہے کہ تم دنیا میں دلچسپی لو گے اور مرنے مارنے پر تامل جاؤ گے تو تم ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح تم سے پہلے ہلاک ہو گئے۔“

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے اپنی امت پر شرک اور شہوتِ خفیہ کا خطرہ ہے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک کرے گی؟ فرمایا: ہاں!

أما انهم لا يعبدون شمساً ولا قمراً ولا حجراً ولا
وثناً ولكن يراءون باعمالهم
”یہ لوگ چاند، سورج یا کسی پتھر اور بت کی عبادت نہیں کریں گے، بلکہ اپنے
اعمال کی نمائش کریں گے۔“

دیکھا آپ نے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس صراحت کے ساتھ فرمادیا کہ میری امت بت پرستی نہیں کرے گی، اس کے شرک میں مبتلا ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے، لیکن

۱۔ اے مسلم بن الحجاج القشیری، امام، مشکوٰۃ شریف، باب الریاء والسمعة ص ۶۵-۶۵
۲۔ مسلم شریف عربی (رشیدیہ، دہلی) ج ۲، ص ۲۵۰

نجدیوں و ہابیوں پر شرک کا بھوت اس طرح سوار ہے کہ ہر طرف شرک ہی شرک دکھائی دیتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا اور مال و زر کے خطرے کی واضح نشان دہی فرمائی ہے، لیکن اس طرف کوئی توجیہ ہی نہیں دیتا۔

اسی طرح ایران، عراق جنگ میں محض دنیا کی خاطر اربوں، کھربوں روپے ضائع کیے جا چکے ہیں۔ امریکہ، روس اور دیگر ممالک کی اسلحہ ساز فیکٹریوں کو بہترین مارکیٹ مل چکی ہے۔ کئی سال سے فریقین کا خون بہا کر غیر مسلموں کے خزانے بھرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے عظیمیہ محمد سالم کہتے ہیں :

”میں بریلوی جماعت کو اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی ابتدا کی طرف لوٹ جائے اور اپنے مذہب اور اپنے امام (ابوحنیفہ) رحمہ اللہ تعالیٰ کے عقیدے اور خاص طور پر ان کی کتاب ”الفقہ الاکبر“ پر از سر نو نظر ڈالیں۔ کتاب سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور امت مسلمہ کے سلف صالحین کی سیرت میں غور کرے۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ان کی بصیرتوں کو روشن فرمادے۔ آئندہ ابواب میں انشاء اللہ العزیز اہل سنت و جماعت کے عقائد اور معمولات، کتاب و سنت اور سلف صالحین کے ارشادات کی روشنی میں پیش کیے جائیں گے۔ کسی کو قائل کر دینا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ دلوں کی دنیا کو ہدایت آشنا کرنا، رب کریم جل مجدہ کا کام ہے۔“

و هو ولی التوفیق والہدایۃ و صلی اللہ تعالیٰ علی
حبیبہ محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

روزنامہ جنگ، لاہور، ۲۳ جون ۱۹۸۷ء

ص ۶

تقدیم البریلویہ

لے رپورٹ عبداللہ طارق سہیل

لے عظیمیہ محمد سالم

امام احمد رضا بریلوی
مفکر اسلام — امام اہل سنت

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی، اشوال المکرم ۱۴۰۰ھ جون ۱۲۷۲/۱۹۵۶ء
کو بریلی (یونپن بھارت) میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد مولانا شاہ نقی علی خاں اور جد امجد مولانا
نسا علی خاں اپنے دور کے اکابر علماء اہل سنت اور اولیاء اللہ میں سے تھے۔

صیب کبریٰ علیہ التحیۃ والثناء کی محبت و اطاعت آپ کی رگ و پے میں رچی بسی
تھی۔ اپنے تو اپنے بیگانے بھی بر ملا اقرار کرتے ہیں کہ وہ واقعی عاشق رسول تھے۔ صرف یہی
نہیں بلکہ آپ کی تعانیف اور نعتیہ کلام نے لاکھوں دلوں کو عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی حلاوت سے آشنا کر دیا۔

امام احمد رضا اکثر و بیشتر اپنے نام کے ساتھ عبدالمصطفیٰ کا سابقہ نام استعمال کیا کرتے
تھے۔ بعض لوگ اس کے جواز اور عدم جواز میں کلام کرتے ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے
کہ ایسا نام رکھنے کے بارے میں شرعی حکم معلوم کیا جائے۔

عبدالمصطفیٰ

لفظ عبد و معنوں میں استعمال ہوتا ہے، (۱) عابد (۲) غلام اور خادم۔ پہلے معنی

حیات مولانا احمد رضا خاں (اسلامی کتب خانہ نیا لکھنؤ) ص ۹۲

لکھنؤ احمدی پبلیشرز

کے اعتبار سے اس کی اضافت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی۔ اپنے آپ کو اس کے ماسوا کا عبد کہنا شرک ہوگا، لیکن دوسرے معنی کے اعتبار سے محبوبانِ خدا کی نسبت سے اپنے آپ کو عبد کہنا قطعاً شرک نہیں ہے۔

ارشادِ ربّانی ہے :

وَأَنْكحُوا الْأَيَامِي مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ
”اور نکاح کرو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور
کنیزوں کا۔“

اس جگہ غلاموں کے لیے عباد کا لفظ وارد ہوا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا
مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۖ ۱

”تم فرماؤ اے میرے وہ بندو، جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی
رحمت سے ناامید نہ ہو۔“

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

”چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واصل بحق ہیں، عباد اللہ کو عبادِ رسول
کہہ سکتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ
أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ مَرْجِعٌ ضَمِيرٌ مِّنكُمْ ۖ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم ہیں۔“ ۱

۱ لہ القرآن، النور ۲۴ الآیۃ ۳۲

۲ لہ القرآن، الزمر ۳۹ الآیۃ ۵۳

۳ امداد اللہ مہاجر مکی، حاجی، شام امدادیہ (قومی پریس لکھنؤ) ص ۱۳۵

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں،

”قرینہ بھی انہیں معنی کا ہے، آگے فرماتا ہے، لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ط
اگر مرجع اس کا اللہ ہوتا، فرماتا من شَحْمَتِي تاکہ مناسبت عبادی کی ہوتی۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ
خیبر کی طرف نکلے، اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔ غنیمت میں سونا چاندی تو نہیں ملا، البتہ ساز و سامان
اور طعام دستیاب ہوا، واپسی پر ایک جگہ قیام فرمایا اس اثناء میں،

قامر عبد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یحُلُّ رَحْلَهُ

”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غلام ساز و سامان کھولنے لگا۔“

اس حدیث میں صراحتاً عبد کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔
قاضی شوکانی لکھتے ہیں،

وقد ذهب الجمهور الى انه يجوز للسيد ان يكره

عبد له وامته على النكاح۔ ۳

”جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ آقا اپنے غلام اور کنیز کو نكاح پر مجبور کر سکتا ہے“
اس جگہ عبد، غلام کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور فقہ کی کتابوں میں استعمال بجزرت ہے۔
اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی کا نام عبد النبی یا عبد الرسول رکھنا شرک نہیں ہے۔
مولوی اسمعیل دہلوی لکھتا ہے،

”کوئی اپنے بیٹے کا نام عبد النبی رکھتا ہے۔ کوئی غلام محی الدین

کوئی غلام معین الدین اور دعویٰ مسلمان کیے جاتے ہیں۔

ص ۱۳۶

شما تم اعدادیہ

۱۔ اہل اللہ مہاجر مکی، حاجی،

مسلم شریف (نور محمد کراچی) ج ۱ ص ۷۴

۲۔ مسلم بن الحجاج القشیری،

تفسیر فتح القدیر (دار المعرفۃ، بیروت) ج ۲ ص ۲۹

۳۔ محمد بن علی الشوکانی

سبحان اللہ! یہ منہ اور یہ دعویٰ! ۱۰

امام احمد رضا بریلوی نے اس قسم کے فتووں کا نہ صرف تحریری رد کیا، بلکہ اپنے نام کے ساتھ
 "عبدالمصطفیٰ" کا اضافہ فرمایا،
 احسان الہی ظہیر لکھتے ہیں:

"ان کا نام محمد رکھا گیا، والدہ نے امن میاں، والد نے احمد میاں اور دادا نے
 احمد رضا نام رکھا، لیکن وہ ان میں سے کسی نام پر راضی نہ ہوئے اور اپنا نام
 عبدالمصطفیٰ رکھا اور اسے بالالتزام استعمال کرتے تھے" (ترجمہ) ۱۱

حالانکہ یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ امام احمد رضا بریلوی کسی نام پر بھی راضی نہ ہوئے کیونکہ
 انہوں نے ہمیشہ دستخط کرتے ہوئے اپنا نام احمد رضا ہی لکھا ہے اور اکثر اس نام کی ابتدا
 میں عبدالمصطفیٰ کا اضافہ کیا ہے تاکہ نام سے پہلے ہی غلامی مصطفیٰ کا پتہ چل جائے۔ یہ کہنا کسی
 طرح بھی صحیح نہ ہوگا کہ والد ماجد نے جد ماجد کا اور والدہ ماجدہ نے والد ماجد کا تجویز کیا ہو ان نام
 پسند نہ کیا اور اپنی طرف سے ایک نام رکھ دیا، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ سرپرست اپنی اپنی پسند کا نام
 تجویز کر دیتے ہیں، یہ بھی اظہارِ محبت کا ایک انداز ہوتا ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے۔

میں اُس کا بندہ بنوں گا، جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

ظہیر صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

"ان کا رنگ انتہائی سیاہ تھا اور ان کے مخالفین ہمیشہ چہرے کی سیاہی

کا طعنہ دیا کرتے تھے۔ اس کا اقرار ان کے بھتیجے نے بھی کیا ہے" (ترجمہ) ۱۲

تقویۃ الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص ۵-۶

البریلویہ ص ۱۳

ص ۱۴

۱۱ شاہ اسمعیل دہلوی،

۱۲ احسان الہی ظہیر،

۱۳ ایضاً

مولانا حسنین رضا خاں بریلوی لکھتے ہیں :

ابتدائی عمر میں آپ کارنگ چمکدار گندمی تھا۔ ابتدا سے وصال تک مسلسل محنت ہائے شاقہ نے رنگ کی آب و تاب ختم کر دی تھی۔" لے
دن رات کی محنت سے وہ چمک نہیں رہتی جو ابتدا میں ہوتی ہے، لیکن یہ کہاں لکھا
ہے کہ ان کارنگ انتہائی سیاہ تھا؟ جہاں تک مخالفین کا تعلق ہے، تو ان کی مخالفت ہی خوبصورت
کو بد صورت دکھانے کے لیے کافی ہے۔

حضرت رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :

دید بوجہلے محمد را و گفت

زشت روتے درینی ہاشم شکفت

کیا ابو جہل کا قول بھی بہ طور حجت پیش کیا جاسکتا ہے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

چشم بدانندیش کہ برکتہ باد

عیب نماید ہنرش در نظر

ڈاکٹر عابد احمد علی، سابق مہتمم بیت القرآن، پنجاب پبلک لائبریری لاہور اپنا مشاہدہ

بیان کرتے ہیں :

"منبر پران کے بیٹھنے اور ان کے جلیہ مبارک کا منظر ابھی تک میری آنکھوں

کے سامنے رہتا ہے۔ حضرت والا بلند قامت، خوبو اور سرخ و سفید رنگ کے

مالک تھے۔ ڈاڑھی اس وقت سفید ہو چکی تھی، مگر نہایت خوبصورت تھی۔" لے

مشہور ادیب اور نقاد نیاز فتح پوری نے آپ کو دیکھا تھا، وہ لکھتے ہیں :

آن کا نور علم ان کے چہرے بشرے سے ہویدا تھا، فروتنی، خاکساری کے باوجود

اعلیٰ حضرت بریلوی رکتیہ نبویہ، لاہور، ص ۲۰

مقالاتِ ایم رضارضا اکٹیری، لاہور، صفحہ ۳، ص ۱۷

لے نسیم بستوی :

لے علیہ احمد علی، ڈاکٹر

ان کے رُوسے زیبا سے حیرت انگیز مد تک جب تک رہتا تھا۔

ص ۱۴ پر لکھا،

انہیں ہمیشہ شدید درد اور سجا رہتا تھا۔

یہ ہمیشہ اور شدید کی قید کہاں سے آگئی؟ موقوفات میں نہ تو اس قدر ہے؛

احمد لکھتا ہے کہ مجھے اکثر تیراوت اور دوسرا رہتا ہے۔

ص ۱۴ پر یہ بھی لکھا،

ان کی داہنی آنکھ پانی اتر آنے سے بے نور ہو جاتی تھی۔

حقیقتاً یہ بالکل واقع کے خلاف ہے، ہوا یہ کہ ۱۳۰۰ھ میں مسلسل ایک مہینہ تک

ذخا کی کتابیں دیکھتے رہے۔ گرمی کی شدت کے پیش نظر ایک دن غسل کیا؛

”میرے پانی پڑتے ہی معلوم ہوا کہ کوئی چیز دماغ سے وہی آنکھ میں اتر آئی۔“

بائیں آنکھ بند کر کے وہی سے دیکھا تو وسطیٰ مرن میں ایک سیاہ جلتہ

نظر آیا۔

مولانا سیاشفاق حسین بسوانی نے آنکھ کا معائنہ کر کے کہا کہ بیس سال بعد پانی اتر

آئے گا۔ پھر ۱۳۱۹ھ میں ایک اور ماذق طیب نے رائے دی کہ چار سال بعد پانی اترائے

گا۔ پہلے طیب کے مطابق ان کا حساب بالکل درست تھا۔ امام احمد رضا بریلوی، حضور اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی فرمائی ہوئی دُعا ”مَشْرَمِ كَيْ مَرِيضٍ كَوْ دِيحٍ كَرْطُوحٍ كَيْ تَحْتَهُ وَ دُرِّ“

یہ ہے، الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ وَفَضَّلَنِي عَلَىٰ

كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفَضُّلاً۔

مفتاح فیما بین رضا عظیم علی کتب خانہ لاہور، ص ۱۴

نہ محمد مسود احمد پور دوسرا

موقوفات (مادہ ایڈیشن، لاہور)، ص ۱۴

گے محمد مصطفیٰ رضا خان، مفتی اعظم،

ص ۲۰

کے ایضاً،

امام احمد رضا خاں بریلوی کا یقین محکم دیکھئے، فرماتے ہیں:

”محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد پر وہ اعتماد نہ تھا کہ طبیبوں کے کہنے سے متنزلزل ہوتا۔ الحمد للہ! کہ بیس درکنار تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں اور وہ حلقہ ذرہ بھر بھی نہیں بڑھا، نہ بعونہ تعالیٰ بڑھے، نہ میں نے کتاب بینی میں کمی کی، نہ انشاء اللہ تعالیٰ کمی کروں۔“

لیکن مخالف لوگوں نے سینہ زوری سے لکھ دیا:

”وانطفئت لنزول الماء فیہا۔“

خدا نہ کرے اگر کسی کو واقعی ایسا عارضہ لاحق ہو جائے، تو کیا اس بنا پر اس کے علم و فضل پر طعن کیا جاسکتا ہے؟

”مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر عبدالعزیز بن باز نابینا ہیں۔ ریاض ہائی کورٹ کے چیف جج محمد ابراہیم اور مسجد نبوی کے ایک خطیب بھی نابینا ہیں۔ ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟“

قوت حافظہ

”امام احمد رضا بریلوی کی زیارت کرنے والے جانتے ہیں کہ ان کا حافظہ غضب کا تھا، ان کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والا ان کی یادداشت اور قوت استحضار پر حیران ہوتے بغیر نہیں رہ سکتا، انہوں نے ایک ماہ میں قرآن پاک یاد کیا۔“

ملفوظات ص ۲۱

۱۷ محمد مصطفیٰ رضا خاں، مولانا،

صنورا لکھنؤ (مکتبہ فریدیہ، ساہیوال) ص ۶۳

۱۸ منظور احمد شاہ، مولانا،

اعلیٰ حضرت بریلوی (مکتبہ نبویہ لاہور) ص ۲-۱۰۱

۱۹ نسیم بستوی، مولانا،

ایک دن اور رات میں "تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ" کی دو جلدیں دیکھ کر مولانا وصی احمد
محدث سورتی کو واپس کر دیں اور جب انہوں نے فرمایا کہ ملاحظہ فرمائیں تو بھیج دیں۔ امام
احمد رضا نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ دو تین مہینے تک تو جہاں کی عبارت
کی ضرورت ہوگی، فتویٰ لکھ دوں گا اور مضمون تو انشاء اللہ تعالیٰ عمر بھر کے لیے
محفوظ ہو گیا۔" لہ

۱۳۲۳ھ میں دوبارہ حج و زیارت کے لیے گئے تو مکہ معظمہ میں مسئلہ علم غیب میں عظیم و
جلیل کتاب "الدولۃ المکیۃ" مجموعی طور پر آٹھ گھنٹوں میں لکھوا دی۔ ماہِ وجودیکہ آپ کے پاس
کتابیں موجود نہ تھیں اور مدینہ طیبہ حاضری کی جلدی تھی۔ مزید برآں بخار کی حالت میں
آیات قرآنیہ، احادیث مبارکہ اور اقوال ائمہ سے اپنے موقف کو ثابت کیا اور بڑی عمدگی
سے ثابت کیا۔

ان کی تصانیف کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ مبداء فیاض نے
انہیں حیرت انگیز حافظہ اور قوتِ استحضار سے نوازا تھا۔

لیکن دیانت کے بجائے محض مخالفت کی عینک سے دیکھا جائے تو اس قسم کا تاثر ابھرتا ہے،
"وہ غائب و ماخ تھے، یادداشت کمزور اور نسیان غالب تھا۔ ایک دفعہ
عینک اونچی کر کے ماتھے پر رکھ لی، گفتگو کے بعد تلاش کرنے لگے، کچھ دیر بعد
ہاتھ چہرے پر پھیرا تو عینک مل گئی۔" لہ

لہ نسیم بستری، مولانا، اعلیٰ حضرت بریلوی ص ۸۲

لہ احمد رضا البریلوی، امام، الدولۃ المکیہ (مکتبہ الرشیدیہ، ترکی)، ص ۱۵۱

لہ ایضاً، " " " " ص ۹

لہ احسان الہی ظہیر، البریلویہ ص ۱۴

واقعہ یہ ہے کہ جب انسان کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہو تو اس کی توجہ اس پاس کی کئی چیزوں کی طرف نہیں ہوتی۔ امام مسلم (صاحب صحیح مسلم) ایک حدیث کے تلاش کرنے میں اس قدر منہمک ہوئے کہ پاس رکھی ہوئی کچھوروں کی بڑی مقدار تناول فرما گئے اور یہی حادثہ ان کے وصال کا سبب بن گیا۔ عینک کی طرف توجہ نہ ہونے کو غلبہ نسیان کی دلیل بنانا اور تحقیق مسائل کے دوران صرف سالن کھالینے اور روٹی کی طرف نظر نہ جانے سے آنکھ کے بے نور ہونے پر استدلال کسی طرح بھی معقول نہیں ہے۔

قوتِ ایمان

حدیث شریف میں سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ لے گا، اس بلا سے محفوظ رہے گا، وہ دعا یہ ہے :

الحمد لله الذي عافاني مما ابتلاك به وفضلني

على كثير ممن خلق تفضيلا۔

امام احمد رضا بریلوی طاعون کے کئی بیماروں کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ چکے تھے اور انہیں یقین تھا کہ یہ مرض مجھے لاحق نہ ہوگا۔

ایک دعوت میں گائے کے گوشت کے کباب تیار کیے گئے تھے۔ گائے کا گوشت آپ کی طبیعت کے لیے سخت مضر تھا، لیکن ازراہ اخلاق صاحب خانہ سے کوئی اور چیز طلب نہ کی، وہی کباب کھالیے۔ اسی دن مسوڑھوں میں درم ہو گیا اور اتنا بڑھا کہ بات چیت بند ہو گئی۔ کان کے پیچھے گلٹیاں نمودار ہو گئیں۔ ساتھ ہی تیز بخار آ گیا، ان دنوں بریلی شریف میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ طبیب کو بلایا اس نے کہا یہ وہی ہے۔ امام احمد رضا مطمئن تھے کہ طاعون نہیں ہے۔ رات کے آخری حصے میں بے چینی بڑھی تو دعا کی

اللَّهُمَّ صَدِّقِ الْحَيِّبِ وَكَذِّبِ الطَّبِيبِ۔

”اے اللہ! اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بات سچی کر دکھا
اور طبیب کی بات جھوٹی بنا دے۔“

اتنے میں کسی نے دائیں کان کے قریب منہ کر کے کہا کالی مرچ اور مسواک استعمال کرو۔
ان دونوں چیزوں کا استعمال کرنا تھا کہ کلی بھر خون آیا اور طبیعت بحال ہو گئی اور طبیب کو پیغام
بھیجا دیا کہ آپ کا وہ طاعون دفع ہو گیا۔

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں،
”میں خوب جانتا تھا کہ یہ (طبیب) غلط کہہ رہا ہے، نہ مجھے طاعون سے نہ
انشاء اللہ العزیز کبھی ہوگا، اس لیے کہ میں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر بار بار دُعا
پڑھ لی ہے۔“

اس کے برعکس مخالف کا قلم یہ کہتا ہے،
”وہ طاعون میں مبتلا ہوئے اور خون کی قے کی“ لے
خود انصاف کیجئے کہ اس بیان کا حقیقت سے ذرہ بھر بھی تعلق ہے؟

غیرت عشق

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
کی محبت میں سرشار ہونا ایک عالم کے نزدیک مسلم ہے اور محبت وہ نازک اور لطیف جذبہ ہے
جو محبوب کی شان میں کسی توہین اور بے ادبی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ امام احمد رضا کی
وصیت کے الفاظ ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں،

”جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ، پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا

لے محمد مصطفیٰ رضا خان، مفتی اعظم، ملفوظات (سامانیہ کپنی، لاہور) ص ۲۰ - ۱۹

البریلویہ، ص ۱۵

لے احسان الہی ظہیر

کیوں نہ ہو، فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو، پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظّم کیوں نہ ہو، اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھٹی کی طرح نکال کر پھینک دو۔“ لے

پروفیسر محمد مسعود احمد امام احمد رضا کے اس انداز پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس میں شک نہیں کہ مخالفین کی قابل اعتراض تحریرات پر فاضل بریلوی نے سخت تنقید فرمائی ہے اور بسا اوقات لہجہ بھی نہایت درشت ہے، لیکن کسی مقام پر تہذیب و شائستگی سے گرا ہوا نہیں ہے۔ وہ ناموس مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت میں شمشیر بکف نظر آتے ہیں۔ مگر ان کے مخالفین، ناموس اسلاف کی حفاظت میں تیغ بُراں لیے نظر آتے ہیں، دونوں کے طرز عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لے

پروفیسر صاحب، امام احمد رضا کے اس وصف کو تعریف و تحسین کے انداز میں پیش کر رہے ہیں، لیکن مخالف اپنے جگر کی ٹھنڈک کے لیے تعریف کر کے اسی وصف کو مذموم انداز میں پیش کرنا ہے، ملاحظہ ہو،

سعی الالفعال، شدید الغضب، طویل اللسان لے

”وہ جلد منفعّل ہو جاتے، سخت غضب ناک اور زبان دراز تھے۔“

ہمیں تسلیم کہ امام احمد رضا بہت غیور تھے، لیکن کس لیے؟ خدا اور رسول کے بے ادب اور گستاخ کے لیے، جبکہ اہل ایمان و محبت کے لیے سراپا لطف و کرم تھے، بقول اقبال:

لے حسنین رضا خاں، مورانا، وصایا شریف، مکتبہ اشرفیہ، مرید کے، ص ۱۹

لے محمد مسعود احمد پروفیسر، فاضل بریلوی علمائے مجاز کی نظریوں (مرکزی مجلس رضائے لاہور، ص ۲-۱۹۹)

لے احسان الہی ظہیر، البریلوی، ص ۱۵

ہو حلقہ یاراں تو بے لیشم کی طرح نرم
 نرم حق و باطل ہو تو شمشیر ہے مومن

لیکن یہ سریع الانفعال، طویل اللسان، کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ یہ تو سراسر ایجاد
 بندہ ہے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنے پاس سے یہ بھی اضافہ کر دیا۔

لعانا سبابا، فاحشا لہ

”کثرت سے لعنت بھیجتے، گالیاں دیتے اور فحش گوئی کرتے تھے۔“

یہ بے خالص تحریف اور تلبیس، یہ عبارت نہ ماقبل سے متعلق ہے اور نہ مابعد سے،
 درمیان میں اپنے پاس سے یہ الفاظ بڑھا دیئے اور تاثر یہ دینے کی کوشش کی کہ یہ حوالہ
 بات کی بھاری ہے، حالانکہ اس کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔ یہ انداز دین اور دیانت کے سراسر
 خلاف ہے۔

حزم و احتیاط

امام احمد رضا بریلوی کی شان افتار اور فقہی جزئیات پر عبور کو مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں،
 ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں،

یتدر نظیرہ فی عصرہ فی الاطلاع علی الفقہ الحنفی
 وجزئیات یشہد بذالک مجموع فتاواہ و کتابہ
 کفل الفقہ الفامہ فی احکام قوطاس المدراہم
 ”فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر عبور رکھنے میں ان کے زمانے میں شاید ہی کوئی
 ان کا ہم پلہ ہو، اس پر ان کا فتاویٰ اور ان کی تصنیف ”کفل الفقہ“ شاہد ہے۔“

ص ۱۵

البریلویہ

لہ احسان الہی ظہیر

لہ عبدالحی لکھنوی حکیم

نزیبہ الخواطر (نور محمد کراچی) ج ۸، ص ۱۴

مسئلہ تکفیر میں امام احمد رضا بریلوی کی احتیاط کے بارے میں قاضی عبدالنبی گوکب لکھتے ہیں:-

”مقالاتِ یومِ رضا کی تقدیم میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے فتوئے تکفیر کی حیثیت اور اہمیت اور اس فتویٰ میں ان کی شرعی احتیاط اور احساسِ ذمہ داری کے بارے میں، میں نے کس انداز میں بحث کی ہے؟ تقدیم مذکور کے ص ۱۲ پر میں نے صاف طور پر یہ کہا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے جن دیوبندی عبارات پر کفر کا فتویٰ دیا ہے، وہ مفتی شرع کے نزدیک واقعی اور حتمی طور پر کفریہ تھیں، جن میں کسی تاویل کی قطعاً کوئی گنجائش نہ تھی۔ میرے الفاظ یہ ہیں،

مولانا احمد رضا کے نزدیک بعض علماء دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے انہیں سمجھا، یعنی ان کے نزدیک عبارات زیر بحث یقیناً کفریہ عبارات تھیں اور کفریہ بھی ایسی کہ جن میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں پاسکتے تھے۔

اس کے بعد میں نے اسی تقدیم کے ص ۱۳ پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے بارے میں بتایا ہے کہ مسئلہ تکفیر میں وہ از حد محتاط اور احساسِ ذمہ داری سے معمور تھے اور یہاں اعلیٰ حضرت کی عباراتِ سبحانِ السبوح نقل کرتے ہوئے ان کا اپنا موقف دکھایا ہے کہ کفر کا حکم صرف اسی وقت لگایا جاتا ہے۔ جب کوئی اپنی اس احتمال بھی حکمِ اسلام کا باقی نہ رہے۔

میرا اپنی کتاب مقالاتِ یومِ رضا کے ص ۱۵ پر اس بندہ قاصر نے اعلیٰ حضرت کے فتوئے تکفیر کے بارے میں پوری صراحت کے ساتھ یہ اعلان کیا ہے کہ انہوں نے یہ فتویٰ کامل نیک نفسی اور دیانتِ شرعیہ سے لگایا کہ وہ بالیقین عباراتِ دیوبندیہ کفریہ قابل تاویل تصور نہیں فرماتے تھے، میرے الفاظ صفحہ مذکور پر حسب ذیل ہیں،

”مولانا احمد رضا د اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے جن عبارات پر کفر کا فتویٰ لگایا، وہ یقیناً نیک نفسی اور شرعی دیانت سے لگایا تھا اور یہ کہ وہ ایسا کرنے پر مجبور تھے، کیونکہ ان کے نزدیک یہ عبارات قابل تاویل ہرگز نہ تھیں۔“
(مقالاتِ یومِ رضا ص ۱۵)

قارئین نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ میں نے مقالاتِ یومِ رضا کی تقدیم میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کو بحیثیت مفتی شرع میں کس قدر محتاط اور حقیقت پسند ان کے فتاویٰ مبارکہ کو قاطبہ (تمام کے تمام) مبنی بر اصول افتاء قرار دیا ہے، لیکن مخالفانہ ذہنیت یہ تاثر دیتی ہے،

اُن (امام احمد رضا) کے محب اور ان کے معتقدات و افکار کے معاون (کوکب) یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ وہ مخالفین پر بہت سخت اور شدید تھے اور اس بارے میں شرعی احتیاط نہیں رکھتے۔

یہی بات گلکھڑ کے مولوی سرفراز نے اپنی کتاب عباراتِ اکابر میں لکھی تھی جس کے جواب میں قاضی عبدالنبی کوکب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک بیان جاری کیا، جس کا طویل اقتباس اس سے پہلے پیش کیا جا چکا ہے، اس بیان میں قاضی صاحب لکھتے ہیں،

کچھ عرصہ ہوا مجھے ایک دیوبندی مولف کی کتاب دکھائی گئی اور نشان دہی کی گئی کہ اس کے صفحات ۳۹ تا ۴۱ پر آپ مضمون نگار کوکب، کی طرف یہ نظریہ منسوب کیا گیا ہے کہ آپ اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ تکفیر دیوبند کو برحق نہیں سمجھتے بلکہ اس فتویٰ کو مبنی بر جذباتیت قرار دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس فتویٰ میں شرعی حدود اور افتاء کے تعاضوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ میں نے فوری طور پر

۱۔ ہمارے رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ (جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ) ص ۹۸

۱۔ قاضی عبدالنبی کوکب

۲۔ البریلویہ دیوبند (مقالاتِ یومِ رضا کوکب) ص ۲۰ ص ۱۵

۲۔ احسان الہی ظہیر

اس افتراء سے اظہارِ برأت کیا اور اس پر لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ

پڑھنا ضروری سمجھا۔

قاضی صاحب کے اس بیان کے بعد مخالف کے الزامی حوالہ جات کی کیا حیثیت

رہ جاتی ہے؟ ص ۱۵ پر لکھا،

”ان کی شدت کے سبب ان کے مخلص ترین لوگ الگ ہو گئے، مثلاً شیخ محمد نسیم

ناظم مدرسہ اشاعت العلوم۔“

یہ بات حیاتِ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے لکھی گئی ہے، حالانکہ اس میں صرف اتنا ہے کہ

”مولوی محمد نسیم صاحب دارالعلوم دیوبند کے فارغ اور اشاعت العلوم، بریلی کے بانی تھے۔

ایک زمانہ تک خاموشی سے درس و تدریس میں مصروف رہے۔ امام احمد رضا بریلوی کو اپنے اتنا

کے مرتبہ میں سمجھتے تھے، کیونکہ وہ اعلیٰ حضرت کے دوست مولانا احمد حسن کانپوری کے شاگرد تھے۔

۱۳۲۶ھ میں جب دارالعلوم دیوبند کے تمام فارغ ہونے والوں کو جمع کر کے ان کی دستار بندی

کی گئی، تو ان کا رجحان دیوبندی مکتب فکر کی طرف ہو گیا۔ واقعہ صرف اتنا ہے باقی خود ساختہ داستان

ہے کہ وہ امام احمد رضا بریلوی کی شدت کے سبب ان سے الگ ہو گئے تھے۔

ص ۱۶-۱۵ پر حیاتِ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”مولانا احمد رضا خاں کے والد کا قائم کردہ مدرسہ مصباح التہذیب ان کی

شدت کے سبب ان سے جدا ہو گیا اور عین ان کے گھر میں بریلویوں کے

لیے کوئی مدرسہ نہ رہ گیا۔“ (ترجمہ)

حالانکہ مولانا طہر الدین بہاری تحریر فرماتے ہیں:

”بریلی میں ۱۲۸۹ھ میں اعلیٰ حضرت کے والد ماجد قدس سرہ العزیز نے ایک

مدرسہ قائم کیا اور اس کا تاریخی نام مصباح التہذیب (۱۲۸۹ھ) رکھا تھا، دستبرد

رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ (جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ) ص ۹

لے عبدالنسی کو کب قاضی،

زمانہ سے آہستہ آہستہ تنزل کرتا دوسروں کے ہاتھوں میں چلا گیا.....

اہل سنت کے لیے سوا بارگاہِ رضوی کے دوسری بلکہ تعلیم کی نہ تھی۔ لہ

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مدرسہ مناسب و یکجہ بحال نہ ہونے کے سبب دوسروں کے ہاتھوں چلا گیا۔ امام احمد رضا بریلوی کی شدت کا اس میں دخل نہ تھا۔ نیز یہ کہ بارگاہِ رضوی میں اہل سنت کی تعلیم کا انتظام تھا، لہذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ خود ان کے گھر میں کوئی مدرسہ نہ رہ گیا۔

عبقریت

بعض افراد پیدائشی طور پر جینس ہوتے ہیں۔ قدرت کاملہ انہیں حیرت انگیز صلاحیتیں عطا فرما کر دنیا میں بھیجتی ہے۔ بڑے بڑے عقلا ان کی صلاحیتوں کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی بھی ایسے ہی عبقری تھے، ایک واقعہ ملاحظہ ہو:

استاذ نے جب ابتدائی قاعدہ شروع کروایا تو الف باء تاء پڑھاتے ہوئے جب لام الف (لا) پر پہنچے تو نو عمر صاحبزادے خاموش ہو گئے۔ استاذ نے جب کہا پڑھو لام الف، تو عرض کیا یہ دونوں تو پہلے ہی پڑھ لیے، دوبارہ کیوں؟ آپ کے جد امجد حضرت مولانا رضا علی خاں پاس ہی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے فرمایا، سب سے پہلے جو الف پڑھا گیا ہے، وہ دراصل ہمزہ ہے، الف چونکہ ساکن ہوتا ہے، اور ساکن کے ساتھ ابتدا مشکل ہوتی ہے، اس لیے اس کی ابتداء میں لام ملا کر پڑھا جاتا ہے تاکہ الف حالت سکون میں پڑھا جاسکے۔ اس پر ذہین صاحبزادے نے عرض کیا کہ پھر لام ہی کی کیا خصوصیت ہے؟ باء تاء وغیرہ کوئی اور حرف ملا کر بھی پڑھ سکتے تھے۔ جد امجد نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا، دعائیں دیں اور فرمایا،

”لام اور الف میں سورۃ خاص مناسبت ہے اور ظاہراً لکھنے میں بھی دونوں کی صورت ایک ہی ہے لا یا لا اور سیرۃ اس وجہ سے کہ لام کا قلب الف اور الف کا قلب لام، یعنی یہ اس کے بیچ میں اور وہ اس کے بیچ میں ہے۔“

احسان الہی ظہیر اس باریک بیچتے کو نہیں سمجھے اور تعجب سے پوچھتے ہیں: ان عجیبوں سے کوئی پوچھے کہ الف اور لام میں سورۃ اور سیرۃ کو نسا اتفاق ہے جسے تین چار سال کے بچے نے سمجھ لیا اور جسے لسانیات کے معلم اور ماہر نہیں سمجھ سکے؟ (ترجمہ)

حالانکہ بات ظاہر ہے کہ لام اور الف میں سورۃ مناسبت یہ ہے کہ دونوں کو ملا کر اس طرح لکھا جاتا ہے لا اسے اگر الٹ لکھیں تو بھی لا ہی لکھا جائے گا، اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ لام بصورت الف اور الف بصورت لام لکھا گیا ہے اور سیرۃ مناسبت یہ ہے کہ ل حرف ہے اور اس کا اسم لام (ل ام) ہے جس کے درمیان الف آیا ہوا ہے اور حروف تہجی کا پہلا حرف ا ہے اس کا اسم الف (ا ل ف) ہے، اس کے درمیان لام آیا ہوا ہے، چونکہ ان کے درمیان سورۃ و سیرۃ مناسبت ہے، لہذا جب الف کو کسی حرف کے ساتھ ملا کر لکھنے کا ارادہ کیا گیا، تو لام کو الف کے ساتھ ملا کر لکھا گیا۔ لا یہ وہ باریک نکتہ تھا جو امام احمد رضا نے بچپن میں سمجھ لیا اور نام کے ماہرین تعلیم اب بھی سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اتباع سنت

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی حیات طیبہ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں

اعلیٰ حضرت بریلوی (مکتبہ نبویہ، لاہور) ص ۲۴-۲۶

البریلویہ، ص ۱۷

لے نسیم بستوی، مولانا،

لے احسان الہی ظہیر

کہ انہیں اتباعِ سنت سے کس قدر شغف تھا، ان کے ایک ایک فعل کو میزانِ سنت میں تولی جا سکتا تھا، انہیں اکثر طور پر دروس اور بخار کا عارضہ رہتا تھا، اگرچہ یہ غیر اختیاری اور تکلیف دہ امر تھا، لیکن انہوں نے اس میں بھی اتباعِ سنت کا پہلو ڈھونڈ کر نکالا۔ فرماتے ہیں:

”دروس اور بخار وہ مبارک امراض ہیں جو انبیاءِ علیہم السلام کو ہوتے تھے، ایک ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دروس ہوا اپنے اس شکر میں تمام رات نوافل میں گزار دی کہ رب العزت نے مجھے وہ مرض دیا جو انبیاءِ علیہم السلام کو ہوتا تھا۔ ہر ایک مرض یا تکلیف جسم کے جس موضع پر ہوتی ہے، وہ زیادہ کفارہ اسی موقع کا ہے کہ جس کا تعلق خاص اس سے ہے، لیکن بخار وہ مرض ہے کہ تمام جسم میں سرایت کر جاتا ہے، جس سے باذنہ تعالیٰ تمام رگ رگ کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ الحمد للہ کہ مجھے اکثر حرارت دروس رہتا ہے۔“ **مختصاً**

نگاہِ عداوت، اتباعِ سنت کی فضیلت کو کس انداز میں پیش کرتی ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

”وہ (امام احمد رضا) انبیاء سے کم شان پر راضی نہیں ہوتے تھے۔ ایک دفع اپنے مریدین کو دروس اور بخار کی شکایت کرتے ہوئے کہا:

یہ بیماریاں مبارک ہیں اور ہمیشہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہوا کرتی تھیں، الحمد للہ مجھے بھی لازم ہیں، جیسے انہیں لازم تھیں۔“

دیکھا آپ نے کہاں اتباعِ سنت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اور کہاں انبیاء کی ہمسری کا دعویٰ کرنا؟ پھر یہ کہ انہوں نے ان عوارض پر شکایت کہاں کی ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ ارادۃ و اختیار کے بغیر سنتِ انبیاء حاصل ہو گئی۔

۱۔ محمد مصطفیٰ رضا خاں، مولانا،

ملفوظات (عامہ ایڈیشن، لاہور) ص ۶۴

البریلویہ، ص ۱۷

۲۔ ظہیر

ہمسری کا دعویٰ دیکھنا ہو تو تقویۃ الایمان کا مطالعہ کر ڈالیے لکھتے ہیں،
 ”اولیاء و انبیاء و امام زادہ پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں، وہ
 سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی، مگر اللہ نے ان کو بڑائی دی
 وہ بڑے بھائی ہوئے، ہم کو ان کی فرماں برداری کا حکم ہے، ہم ان کے چھوٹے
 بھائی ہیں۔“ لے

یہ ہے دعوائے ہمسری کہ ہمارے اور انبیاء کے درمیان اتنا ہی فرق ہے کہ وہ
 بڑے بھائی اور ہم چھوٹے بھائی۔ اس پر امام احمد رضا بریلوی کا تبصرہ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

چوں من و دروخی اورا برتر بست	آن یکے گویاں محمد آدمی ست
من برادر خورد باشم او کلاں	جز رسالت نیست فرقے درمیاں
یا خود ست این ثمره ختم خدا	این نداند از عمی آن ناسزا
کے بود ہم سنگ او، سنگ و خرف	کہ بود مر لعل را فضل و شرف
کے بفضل مشک اذ فرمی رسد	واں دے کز علق مذ بوسے جسد
کے بود شایان آن تدر رفیع	بے چه گفتیم این چنین شبہ شنیع
مشک چه بود خون ناف و حشیئے	لعل چه بود جو ہرے با سر نیئے
آفتاب برج مسلم من لدن	مصطفیٰ نور جناب امرکن
برزخ بحرین امکان و دجوبے	معدن اسرار عظام الغیوب

● ”ایک شخص کہتا ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میری طرح آدمی ہیں،
 انہیں وحی میں مجھ پر برتری حاصل ہے۔“

● رسالت کے علاوہ اور کوئی فرق نہیں، وہ بڑے بھائی ہوتے اور میں چھوٹا

لے محمد اسمعیل دہلوی، تقویۃ الایمان (داخبا محمدی، دہلی، ص ۷۲،
 لے احمد رضا بریلوی، امام، حدائق بخشش (مدینہ منورہ، کراچی، ج ۱، ص ۸۸)

- وہ نالائق، نابینائی کے سبب نہیں جانتا، یا یہ خدائی مہر کا نتیجہ ہے۔
 - کہ سنگریزہ اور ٹھیکرا، فضیلت و شرافت میں لعل کا ہمسر کیسے ہو سکتا ہے؟
 - وہ خون جو ذبیحہ کی شرگ سے نکلتا ہے، وہ مشکِ اذفر کا ہم پایہ کیسے ہو سکتا ہے؟
 - ہائے افسوس! میں نے یہ نامناسب تشبیہ کیا بیان کر دی،
 - یہ اس شانِ بلند کے شایانِ شان کیسے ہو سکتی ہے؟
 - مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بارگاہِ الہی کا نور اور علم لدنی کے بروج کا آفتاب ہیں
 - علام الغیوب جل و علا کے اسرار کی کان اور امکان و وجوب کے دریاؤں کی
- حدفاصل ہیں۔“

امام احمد رضا بریلوی، حروفِ ابجد کے لحاظ سے تاریخ نکالنے میں بے نظیر تھے، ان کی اکثر تصانیف کے نام ایسے چمکے ہوئے تھے کہ وہ کتاب کے موضوع کی نشان دہی بھی کرتے اور اس کے ساتھ ہی سن تصنیف کی تعیین بھی کر دیتے تھے اور کیا مجال کہ عربی عبارت میں کوئی جھول پیدا ہو۔ انہوں نے اپنی تاریخ پیدائش اس آیت سے استخراج کی، یعنی ابجد کے حساب سے اعداد حروف کو جمع کیا جائے تو مجموعہ ۱۲۷۲ ہوگا، یہی آپ کا سال ولادت ہے :

أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ۔

”یہ وہ لوگ ہیں، جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا ہے اور اپنی طرف سے رُوح القدس کے ذریعہ سے ان کی مدد فرمائی۔“

اور فرماتے ہیں :

اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں، تو خدا کی قسم، ایک پر لکھا ہوگا لا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ دوسرے پر لکھا ہوگا مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ

بر بند مہب پر ہمیشہ فتح و ظفر حاصل ہوتی۔ رب العزّة جلّ جلالہ نے روح القدس سے تائید فرمائی۔ ۱۷

اعداد کی نظر میں یہ بھی انبیاء کی ہمسری ہے، لکھا ہے:

وعلى ذلك كان يقول: ان تاريخ ولادتي يستخرج

من قول الله عز وجل والذى ينطبق على۔ ۱۸

”انبیاء کی شان سے کم پر راضی نہیں ہوتے، اسی بنا پر کہتے تھے کہ میری ولادت کی تاریخ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے نکلتی ہے اور یہ فرمان مجھ پر منطبق ہے۔“

اسے کہتے ہیں سینہ زوری، دعویٰ اور دلیل میں ہے کوئی مناسبت؟ آیت مبارکہ سے تاریخ ولادت کیا نکالی کہ انبیاء کی ہمسری کا دعویٰ ہو گیا، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ!

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی خلیفۃ امام احمد رضا بریلوی معصوم کون؟ نبوت سے متعلق عقائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

”نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور یہ عصمت نبی اور ملک (فرشتے) کا خاصہ ہے کہ نبی اور فرشتے کے سوا کوئی معصوم نہیں، اماموں کو انبیاء کی طرح معصوم سمجھنا گمراہی و بدوینی ہے۔ عصمت انبیاء کے یہ معنی ہیں کہ ان کے لیے حفظ الہی کا وعدہ ہو لیا، جس کے سبب ان سے صدور گناہ شرعاً محال ہے، بخلاف ائمہ و اکابر اولیاء کہ اللہ عزوجل انہیں محفوظ رکھتا ہے اور ان سے گناہ ہوتا نہیں۔ اگر ہو تو شرعاً محال بھی نہیں۔“ ۱۹

خلاصہ یہ کہ انبیاء کرام اور ملائکہ معصوم ہیں اور اولیاء کرام محفوظ۔ حیات اعلیٰ حضرت

۱۷ ظفر التین بہاری، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۱

۱۸ البریلویہ، ص ۱۸ - ۱۷

۱۹ بہار شریعت (مکتبہ اسلامیہ، لاہور) ج ۱، ص ۱

۱۷ ظہیر

۱۸ امجد علی اعظمی، مولانا،

مقدمہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم (مطبوعہ فیصل آباد) اور انوارِ رضا میں مختلف واقعات کے ضمن میں لکھا گیا کہ امام احمد رضا بریلوی غلطی اور خطا سے محفوظ اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے پیرے میں تھے۔ مخالفت آلود قلم نے ان کتابوں کے اقتباس نقل کیے اور حفاظت کا ترجمہ عصمت سے کر دیا اور تائزیرہ دیا کہ امام احمد رضا کے معتقدین انہیں مقامِ نبوت پر فائز کرنا چاہتے ہیں۔

حیاتِ اعلیٰ حضرت کا ایک اقتباس نقل کر کے اپنے پاس سے یہ جملہ بڑھا دیا:

یعنی ان العصمة کانت حاصلۃ لہ

”واقعی قلم کی آبرو سے کھیلنا اسی کو کہتے ہیں“

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ كُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ

”تم میں سے کوئی کامل الایمان نہیں ہوگا، جب تک اس کی خواہش میرے

لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو جائے۔“

ایک دوسری حدیث قدسی میں فرمایا کہ بندہ فرائض کے بعد نوافل ادا کرتے کرتے نہیں مقلم

پر فائز ہو جاتا ہے، ولسانہ الہدیٰ یتکلم بہ ۳

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اس کی زبان ہوتا ہوں، جس سے وہ کلام کرتا ہے۔“

اسی بنا پر حضرت عارفِ رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گر چہ از حلقوم عبد اللہ بود

ص ۱۸

البریلوی

لہ احسان الہی ظہیر

امشکوٰۃ شریف (ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی) ص ۲۰

۲ شیخ ولی الدین امام،

صراطِ مستقیم، فارسی (مکتبہ سلفیہ، لاہور) ص ۱۳

۳ محمد اسماعیل دہلوی،

حالانکہ ظاہر ہے کہ آیت سے مراد قرآن پاک کی آیت تو ہے نہیں، آیت کا لغوی
معنی مراد ہے۔ امام احمد رضا کی حیات مبارکہ سے واقفیت رکھنے والا ہر منصف اس
بات کا اعتراف کرے گا۔ مولوی اسماعیل دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا
تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں،

”سید العلماء و سنا اللیالیار: حجتہ اللہ علی العالمین وارث الانبیاء المرسلین
حضرت شاہ صاحب کو حجتہ اللہ علی العالمین کہہ سکتا ہے تو امام احمد رضا دہلوی کو
توثیق آیت اللہ کیوں نہیں کہہ سکتے۔“

منظر صحابہ کرام

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حیات طیبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کریم پر وہ عالم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور اطاعت سے عبارت تھی۔ ان کی اقتبالی کو شش
یہ سوتی کہ محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک ادا کو زرف محفوظ کیا جائے،
بلکہ اس پر عمل بھی کیا جائے۔ نیز سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و ناموس
کی مخالفت کی خاطر وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔

امام احمد رضا دہلوی قدس سرہ کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کرنے کے بعد افسوس
کہنا پڑتا ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تقویٰ و طہارت اور حبِ مصطفیٰ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عکس تبیل تھے۔

امام احمد رضا دہلوی کے بھتیجے مولانا حسین رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،
”بعض مشائخ کرام کو یہ کہتے تھے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اتباع سنت کو
دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیارت کا لطف آگیا، یعنی اعلیٰ حضرت قبلہ

فارغ ہوتے۔» لہ

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے ایک مرتبہ فرمایا،

”میں اپنی مسجد کے سامنے کھڑا تھا، اس وقت میری عمر ساڑھے تین سال کی ہوگی۔ ایک صاحب اہل عرب کے لباس میں ملبوس جلوہ فرما ہوتے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ عربی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے عربی زبان میں گفتگو فرمائی۔ میں نے فصیح عربی میں ان سے گفتگو کی، اس بزرگ مستی کو بھیر بھی نہ دیکھا۔ لہ

کرامات کو تسلیم نہ کرنے والے اس واقعہ کو حیرت بلکہ انکار کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

حالانکہ خود انہیں تسلیم ہے کہ امام احمد رضا بریلوی علمی خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ پھر اس میں تعجب کی کونسی وجہ ہے کہ والد ماجد اور جد امجد کی توجہات کی بدولت وہ بچپن میں عربی میں گفتگو کرنے پر قادر ہوں، قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ کے نچے بھئی عربی میں گفتگو کرتے ہیں۔

یہ مشہور اور مسلم ہے کہ سید احمد بریلوی، شاہ اسمعیل دہلوی کے پیرو مرشد مروجہ درسی علوم حاصل نہیں کر سکے تھے، اس کے باوجود انہیں کتاب و سنت کا عالم ثابت کرنے کے لیے دہلوی اسمعیل دہلوی نے ایک طریقہ اختیار کیا، وہ لکھتے ہیں،

”اللہ تعالیٰ کی عادت اسی قانون پر جاری ہے کہ کتاب و سنت کے مضامین کتب عربیہ اور فنون ادبیہ کے حاصل کرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں، لیکن بعض نفوس کاملہ کو خرق عادت (کرامت) کے طور پر ان مضامین لطیفہ پر پہلے اطلاع دے دیتے ہیں اور اسے قوم کی اصطلاح میں علم لدنی کہتے ہیں

ص ۲۲

حیات اعلیٰ حضرت

لہ طہر الدین بہاری، مولانا

ص ۱۹

السدیلویہ

لہ ظہیر

ص ۱۳

”

لہ ایضاً،

اور وہ فنون ادبیہ بعد میں میسر ہوتے ہیں، بلکہ بعض اوقات مبادی کے حاصل کرنے میں مبتدیوں کی طرح ان فنون کے اساتذہ کی طرف محتاج ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات ابتدائی علوم و فنون سے خالی رہتے ہیں۔ لہ

ملاحظہ فرمایا آپ نے، اپنے پیرومرشد کا کمال ثابت کرنے کے لیے خرقِ عادت (کرامت) بھی تسلیم، علم لدنی بھی مسلم، بلکہ کتبِ عربیہ اور فنون ادبیہ سے محروم رہنے کے باوجود کتابِ سنت کے مضامین کا حصول نہ صرف مانا جا رہا ہے، بلکہ دوسروں کو منوانے پر زور بیان صرف کیا جا رہا ہے۔ لیکن امام احمد رضا بریلوی کا بچپن میں عربی میں گفتگو کرنا ایسا بعید امر ہے کہ حلق سے اترتا ہی نہیں، اس جگہ نہ کرامت تسلیم نہ علم لدنی کی گنجائش!

اہل سنت و جماعت پر بلاوجہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے امام کو انبیاء سے تشبیہ دینا چاہتے ہیں، بلکہ انبیاء سے بلند مرتبہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ نحو ذالک من ذالک اور یہ کہ امام احمد رضا بریلوی، اساتذہ کی تعلیم کے محتاج نہ تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدائش کے وقت ہی علم عطا فرما دیا تھا۔ پھر طنزیہ انداز میں کہتے ہیں: یا پھر ولادت سے پہلے ہی علم دے دیا تھا۔ لہ

حالانکہ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ولی کو نبی کے برابر یا افضل ماننا کفر ہے۔

صدر الشریعہ، مولانا محمد علی اعظمی فرماتے ہیں،

”ولی کتنا ہی بڑے مرتبے والا ہو، کسی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا، جو کسی

غیر نبی کو کسی نبی سے افضل یا برابر بتائے، کافر ہے“ لہ

باقی رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ پیدائش کے وقت یا اس سے پہلے بھی علم عطا فرما دے،

ص ۴-۱۶۵

مراہ مستقیم، فارسی

لہ محمد اسماعیل دہلوی،

ص ۱۷

البریلویہ،

علیٰ طیبیہ،

بہار شریعت (شیخ غلام علی لاہوری) ج ۱، ص ۱۵

لہ محمد علی اعظمی، مولانا،

تو اس میں لونی بات قابل اعتراض ہے؛ آیا یہ کہ اس وقت انسان میں قابلیت نہیں ہے؛ تو اس کے لیے سید صاحب کے بارے میں مذکورہ بالا عبارت میں نفوس کاملہ، خرق عادت اور علم لدنی کے الفاظ کی یاد دہانی کافی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شبہ ہے، تو خود سوچ لیجیے کہ آپ کا ٹھکانا کہاں ہے؟

نبوت کا دعویٰ کون؟

مولوی اسماعیل دہلوی نے صراط مستقیم نامی کتاب سید صاحب کی امامت بلکہ اس سے بھی بلند مقام ثابت کرنے کے لیے لکھی تھی، اس کا انداز ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں،

”جو شخص ذات کا مراقبہ اس لحاظ سے کرے کہ وہ کلمات نبوت کا منشا ہے،

اسے نبوت کے ایک معنی پر نازل کر دیں گے، جس کا ادنیٰ درجہ اچھی خواہیں ہیں،

اسی طرح دوسرے درجے میں معنی رسالت کا اس پر فیضان ہوگا اور اسے تنہا

تعلیم اور غافلوں، جاہلوں اور معاندوں سے مناظرہ کا اہام کیا جائے گا۔

تیسرے درجے میں نافرمانوں، سرکشوں کو ہلاک کرنے اور اطاعت کرنے والے

مخلصین کو انعام و اکرام کی بہت قویہ بخشے ہیں۔“

غور فرمایا آپ نے کہ مراقبہ کے پہلے درجے میں معنی نبوت، دوسرے درجے میں معنی رسالت

اور تیسرے درجے میں معنی نعمت و ہلاکت دینے کی قوت دی جاتی ہے، یعنی آخر میں حسدائی

دے دی جاتی ہے۔ ”تقویۃ الایمان“ کا فتویٰ بھی سامنے رہے،

یعنی اللہ سے زبردست کے ہوتے ایسے عاجز لوگوں کو پکارنا کہ کچھ فائدہ اور

نقصان نہیں پہنچا سکتے، محض بے انسانی ہے کہ ایسے بڑے شخص کا مرتبہ ایسے

ناکارہ لوگوں کو ثابت کیجئے۔“

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ کسی کو فائدہ اور نقصان پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور یہی بات صراطِ مستقیم کے مطابق مراتب کے تیسرے درجے میں حاصل ہو جاتی ہے۔
صراطِ مستقیم کا خاتمہ پوری کتاب کا مقصد معلوم ہوتا ہے، اس کے چند اقتباسات دل پر ہاتھ رکھ کر پڑھ لیجئے؛ لکھتے ہیں،

”باننا چاہیے کہ حضرت (سید احمد بریلوی) ابتداءِ فطرت سے طریقی نبوت کے اجمالی کمالات پر پیدا کئے گئے تھے۔“ لہ

پھر سید صاحب، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ہاتھ پر سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ اس بیعت کے اثرات شاہ اسماعیل دہلوی کی زبانی سینے؛
 ”حصولِ بیعت اور حضرت شاہ صاحب کی توجہات کی برکت سے بڑے
 وقیع معاملات ظاہر ہوئے۔ ان عجیب واقعات کے سبب سے وہ کمالات
 طریقی نبوت جو ابتداءِ فطرت میں اجمالاً مندرج تھے، تفصیل اور شرح کو پہنچ گئے۔“
 اس کے بعد ایک خواب بیان کرتے ہیں؛

”ایک دن ولایت مآب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور جناب سیدۃ النصار
 فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خواب میں دیکھا۔ جناب علی مرتضیٰ نے حضرت
 سید صاحب کو اپنے دست مبارک سے غسل دیا اور ان کے بدن کو خوب
 اچھی طرح دھویا، جیسے باپ اپنے بیٹوں کو غسل دیتے ہیں اور جناب
 حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا، نے بہت قیمتی لباس اپنے دست
 مبارک سے انہیں پہنایا۔“ لہ

۱۶۳ ص	صراطِ مستقیم، فارسی،	لہ محمد اسماعیل دہلوی،
۱۶۴ ص	” ” ”	لہ ایضاً،
۱۶۴ ص	” ” ”	لہ ایضاً،

اس وقت دہلوی صاحب کو نہ تو یاد رہا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بعد از وصال تصرف ثابت کیا جا رہا ہے اور نہ ہی حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بے ادبی کا احساس رہا، کیونکہ وہ تو سید صاحب کے لیے کمالاتِ راہِ نبوت کی راہِ کھولنے میں مصروف تھے آخر میں ٹیپ کا بند بھی ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

پس بسبب ہمیں واقعہ کمالاتِ طریقِ نبوت، نہایت جلوہ گر و فیہ اجتہاتی اذلی کہ در ازل الازال ممکنون بود بمنقہ ظہور رسید و عنایتِ رحمانی و تربیتِ یزدانی بلا واسطہ احدی مکتفل حال ایشاں شد و معاملات متواترہ و وقائع منکاترہ پی در پی بوقوع آمد لہذا روزے حضرت بل و عبادت راست ایشاں را بدست قدرت خاص خود گرفته و چیرے را از امور قدسیہ کہ بس رفیع و بدیع بود پیش روئی حضرت ایشاں کردہ فرمود کہ ترا این چہیں دادہ ام و چیز ہائے دیگر خواہم داد۔ لے

”اسی واقعہ کے سبب کمالاتِ طریقِ نبوت کامل طور پر جلوہ گر ہوئے اور ازلِ انتخاب کہ ازل الازال میں پوشیدہ تھا، منقہ ظہور پر پہنچا اور رحمانی عنایت اور یزدانی تربیت کسی کے واسطہ کے بغیر ان کے حال کی کفیل ہو گئی۔ معاملات اور واقعات تواتر اور تسلسل سے پیش آئے۔ یہاں تک کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے سید صاحب کا ہاتھ، اپنی قدرتِ خاص کے ہاتھ میں پکڑا اور امورِ قدسیہ میں سے بلند عجیب چیز حضرت کے چہرے کے سامنے کی اور فرمایا تمہیں یہ کچھ دیا ہے اور بہت سی دوسری چیزیں بھی دوں گا۔“

مزید واشگاف انداز ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں،

القصاصا مثال این وقائع و اشباہ این معاملات صدق در پیش آمدتالیں کہ

کمالاتِ طریقِ نبوتِ بذروۃِ علیائے خود رسید و الہام و کشفِ بعلمِ حکمت
انجامید این ست طریق استفاوۃ کمالاتِ راہِ نبوتِ یہ

”القصۃ ایسے صد ہا واقعات اور معاملات پیش آئے، یہاں تک کہ کمالاتِ
طریقِ نبوتِ اپنی انتہائی بلندی کو پہنچ گئے اور الہام و کشفِ علومِ حکمت تک
پہنچ گئے۔ یہ بے کمالاتِ راہِ نبوت کے حاصل کرنے کا طریقہ“

اہل سنت پر محض الزام ہے کہ وہ اپنے امام کو انبیاء کے برابر بلکہ ان سے بڑھ کر
ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ”بہارِ شریعت“ کے حوالے سے اہل سنت کا عقیدہ اس سے پہلے بیان
کیا جا چکا ہے کہ کسی ولی کو نبی کے برابر یا انشئل بتانا کفر ہے، لیکن مذکورہ بالا عبارات کا ایک
دفعہ پھر مطالعہ کیجئے، تو کٹھنل جائے گا کہ کس طرح سید صاحب کی ابتداءِ فطرت میں کمالاتِ
طریقِ نبوت اجمالاً مندرج دکھائے گئے۔ پھر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی بیعت کے
بعد وہ کمالاتِ طریقِ نبوت شرح و تفصیل تک پہنچے۔ پھر کمالاتِ طریقِ نبوت تہایت
جلوہ گر و دید اور اس کے بعد ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور پھر تصریح کی کہ
کمالاتِ طریقِ نبوت بذروۃِ علیائے خود رسید“ کمالاتِ طریقِ نبوت اپنی انتہائی بلندی
کو پہنچ گئے۔

اب ہمیں بتایا جائے کہ اپنے پیرومرشد کو منصبِ نبوت پر کون فائز دکھانا چاہتا ہے
اہل سنت یا غیر مقلدین؟ یاد رہے کہ شاہ اسمعیل دہلوی علمائے غیر مقلدین کے نزدیک
مسلم امام کا درجہ رکھتے ہیں۔ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

و کذلک من ادعی مجالسۃ اللہ والعروج الیہ

ومکالمۃ لہ

صراطِ مستقیم، فارسی، ص ۱۶۵

الشفارہ (فاروقی کتب خانہ، ملتان) ج ۲، ص ۲۴۵

لے محمد اسماعیل دہلوی،

لے قاضی عیاض، امام،

ہو نہ ہاں صاحبزادے اور شاگرد نے لکھی تھی، اٹھ کر سینے سے لگایا اور فرمایا:
 ” احمد رضا! تم مجھ سے پڑھتے نہیں، بلکہ مجھ کو پڑھاتے ہو،“ لے

اعتراض برائے اعتراض کرنے والوں کے لیے یہ امر بھی باعث حیرت و انکار ہے۔
 حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی عمق حقیقتوں کو دیکھ کر ایک دنیا انگشت بندان ہے۔

مرزا غلام قادر بیگ کون تھے؟

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کے مخالفین کی بے مائیگی کا یہ عالم ہے کہ پاور ہوا
 الزامات عائد کرنے سے بھی نہیں چپکتے اور یہ نہیں سوچتے کہ شکوک و شبہات کی تاریکی چھٹتے
 کتنی دیر لگے گی اور جب ظلمت شب اعتراضات دور ہوگی تو امام احمد رضا بریلوی کا فدا اور
 اونچا ہو چکا ہوگا۔

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے:

والمجدیر بالذکر ان المدرس الذی کان یدرسہ
 مرزا غلام قادر بیگ کان اخالمرزا غلام احمد المتنبی
 القادیانی۔ تہ

”قابل ذکر بات یہ ہے کہ جو مدرس انہیں پڑھایا کرتا تھا۔ مرزا غلام قادر بیگ
 نبوت کے جھوٹے دعوے دار مرزا غلام احمد قادیانی کا بھائی تھا۔“

اس سلسلے میں چند امور توجہ طلب ہیں:

ہمیں یہ کہنے کا حق ہے کہ ثابت کیا جائے کہ امام احمد رضا بریلوی کے استاذ

۱۳۷ ص	حیات اعلیٰ حضرت	لے نظرا الدین بہاری، مولانا
۱۹ ص	السبریلویہ	طے ظہیرہ
۲۰ ص	”	طے ایضاً

مرزا غلام قادر بیگ، مرزائے قادیانی کے بھائی تھے؛ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا
فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔

کان یدرسہ کا یہ مطلب ہے کہ مرزا غلام قادر بیگ مستقل استاذ تھے جن سے
امام احمد رضا بریلوی نے تمام یا اکثر بیشتر کتابیں پڑھی تھیں، حالانکہ ان سے صرف چند
ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں۔ ملک العلماء مولانا لطف الدین بہاری فرماتے ہیں:
”میزان منشعب وغیرہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب سے پڑھنا
شروع کیا۔“ لہ

”جب عربی کی ابتدائی کتابوں سے حضور فارغ ہوئے تو تمام دینیات کی
تکمیل اپنے والد ماجد حضرت مولانا مولوی نقی علی صاحب . . . سے
تمام فرمائی۔“ لہ

رد مرزائیت

امام احمد رضا بریلوی کے مخالفین بھی تسلیم کریں گے کہ وہ مرزائیوں اور اسلام کے نام
پر بد مذہبی پھیلانے والے تمام فرقوں کے لیے شمشیر بے نیام تھے۔ مرزائیوں کے خلاف
منتقد و رسائل تحریر فرمائے۔ چند نام یہ ہیں؛

- (۱) الْمُبِينُ نَحْمُ النَّبِيِّينَ
- (۲) السُّوءُ وَالْعِقَابُ عَلَى الْمَسِيحِ الْكَذَّابِ۔
- (۳) قَهْرُ الدِّيَانِ عَلَى مُرْتَدِّ بَقَاوِيَانِ
- (۴) جَزَاءُ اللَّهِ عَدُوَّهُ بِأَبَائِهِ خَتْمَ النُّبُوَّةِ
- (۵) الْجُرَازُ الدِّيَانِي عَلَى الْمُرْتَدِّ الْقَادِيَانِي

کے اسناد، مرزا غلام قادر بیگ رحمہ اللہ تعالیٰ پہلے بریلی میں رہے۔ پھر کلکتہ چلے گئے اور بریلی سے بذریعہ استفسار رابطہ رکھتے رہے۔

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں:

”میں نے جناب مرزا امیر صاحب مرحوم و مغفور (مرزا غلام قادر بیگ) کو دیکھا تھا، گورا چٹا رنگ، عمر تقریباً اسی سال داڑھی سر کے بال ایک ایک کر کے سفید، عمارت باندھے رہتے۔ جب کبھی اعلیٰ حضرت کے پاس تشریف لاتے، اعلیٰ حضرت بہت ہی عزت و تکریم کے ساتھ پیش آتے۔ ایک زمانہ میں جناب مرزا صاحب کا قیام کلکتہ، امرتلاہ میں تھا، وہاں سے اکثر سوالات جواب طلب بھی کرتے، فتاویٰ میں اکثر استفسار ان کے میں۔ انہیں کے ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے رسالہ مبارکہ ”تجلی ایقین بان نبینا سید المرسلین“ تحریر فرمایا ہے۔“

فتاویٰ رضویہ جلد سوم مطبوعہ مبارک پوزانڈیا کے ص ۸ پر ایک استفسار ہے جو مرزا غلام قادر بیگ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ کو ارسال کیا تھا، ان تفصیلات کو پیش نظر رکھیے، آپ کو خود بخود یقین ہو جائے گا۔ مرزا سے قادیان کا بھائی اور امام احمد رضا بریلوی کے استاذ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔

- وہ قادیان کا معزول تھا نیدار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ مدرس ٹائپ مولوی
- وہ پچپن سال کی عمر میں مر گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ اسی سال کی عمر میں حیات تھے

وہ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں فوت ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں زندہ تھے۔

کیونکہ عادتاً ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ وہ ۱۸۸۳ء میں قادیان میں فوت ہوا ہو اور وفات کے ٹھیک چودہ برس بعد ۱۸۹۶ء میں کلکتہ سے بریلی استفسار بھیج دیا ہو۔

پروفیسر محمد ایوب قادری نے ایک مکتوب میں لکھا،

لے ظفر الدین بہاری، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۳۲

یہ افتراء محض ہے، مرزا غلام قادر بیگ بریلوی قطعاً دوسری شخصیت ہیں
میں تفصیلی جواب ارسال خدمت کروں گا، اطمینان فرمائیے۔ لہ

شعبہ تاریخ احمدیت، ربوہ سے دوست محمد شاہد نے پروفیسر محمد مسعود احمد بریلوی
گورنمنٹ سائنس کالج، ٹھٹھہ کے نام ایک مکتوب میں لکھا ہے:

”بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب نے آپ کے دعوائی مسیحیت (۱۸۹۱ء) سے

آٹھ سال قبل ۱۸۸۳ء میں انتقال کیا۔ آپ خود یا آپ کے کوئی بھائی،

بائس بریل، رائے بریلی یا کلکتہ میں مقیم نہیں رہے۔“

اس کے بعد یہ کہنے کا کوئی جواز نہیں کہ امام احمد رضا کے استاذ مرزا غلام احمد قادیانی
کے بڑے بھائی تھے۔

علامہ عبدالحق خیر آبادی سے ملاقات

امام احمد رضا بریلوی ایک مرتبہ اپنے خاص رشتہ داروں کے ہاں رامپور گئے،
آپ کے خسر شیخ فضل حسین مرحوم، نواب کلب علی خاں کے ہاں اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے،
انہوں نے نواب صاحب سے تذکرہ کیا تو انہوں نے ازراہ اشتیاق آپ کو طلب کیا۔
نواب صاحب نے آپ کو اپنے خاص پلنگ بٹھایا اور کچھ علمی باتیں پوچھتے رہے۔
دوران گفتگو کہنے لگے یہاں مولانا عبدالحق خیر آبادی مشہور منطقہ ہیں۔ ان سے متقدمین کی کچھ منطقی
کتابیں پڑھیجئے۔ آپ نے فرمایا، اگر والد ماجد کی اجازت ہوگی، تو کچھ دن ٹھہر سکتا ہوں۔

لہ مکتوب بنام راقم،
تحریر ۳۱ مئی ۱۹۸۳ء

نوٹ: انسوس کہ ۲۳ نومبر ۱۹۸۳ء کو پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب ایک ایکسیڈنٹ میں
جاں بحق ہو گئے، اس لیے انہیں تفصیلات لکھنے کا موقع نہ مل سکا۔ ۱۲ شرف قادری

محمد مسعود احمد، پروفیسر
مکتوب بنام راقم، ۲۳ دسمبر ۱۹۸۳ء

اتنے میں اتفاقاً علامہ عبدالحق خیرآبادی تشریف لے آئے۔

نواب صاحب نے تعارف کرانے کے بعد اپنے مشورہ کا ذکر کیا اور بتایا کہ نوعمری کے باوجود ان کی سب کتابیں ختم ہیں۔ علامہ خیرآبادی فرمایا کرتے تھے:

”دنیا میں صرف اڑھائی عالم ہوتے ہیں، ایک مولانا بحر العلوم، دوسرے والد مرحوم اور نصف بندہ معصوم۔“

انہیں تعجب ہوا اور دریافت کیا منطق کی آخری کتاب کونسی پڑھی ہے؟ امام احمد رضا نے فرمایا: قاضی مبارک! علامہ نے پوچھا: شرح تہذیب پڑھ چکے ہیں؟ آپ نے ان کے طنز کو محسوس کر کے فرمایا: کیا جناب کے ہاں قاضی مبارک کے بعد شرح تہذیب پڑھائی جاتی ہے؟

اب علامہ نے موضوع سخن تبدیل کرتے ہوئے پوچھا: اب کیا مشغلہ ہے؟ آپ نے فرمایا: تدریس، افتاء، تصنیف! فرمایا: کس فن میں تصنیف کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مسائل فہمیہ اور رد و ہابیہ! یہ سن کر فرمایا: رد و ہابیہ؟ ایک میرا وہ بدایونی نمسطی ہے کہ ہمیشہ اسی خمیط میں رہتا ہے۔ یہ اشارہ مولانا عبدالقادر بدایونی کی طرف تھا جو علامہ فضل حق خیرآبادی کے شاگرد اور علامہ عبدالحق خیرآبادی کے دوست تھے، اسی لیے انہیں میرا فرمایا۔

امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا:

”جناب کو معلوم ہو گا کہ وہابیہ کا رد سب سے پہلے مولانا فضل حق، جناب کے والد ماجد

ہی نے کیا اور مولوی اسمعیل دہلوی کو بھڑے مجمع میں مناظرہ کر کے ساکت کیا اور ان

کے رد میں ایک مستقل رسالہ بنام ”تحقیق الفتویٰ“ تحریر فرمایا“ لہ

لہ طغرالدین بہاری، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۵-۳۳

نوٹ: بحمدہ تعالیٰ علامہ فضل حق خیرآبادی کی تصنیف لطیف تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ فارسی

مع ترجمہ چھپ چکی ہے اور مکتبہ تادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ سے مل سکتی ہے۔ ۱۲ شرف قادری

علامہ عبدالحق خیرآبادی نے فرمایا، اگر ایسی ہی حاضر جوابی میرے مقابلہ میں رہی تو میں پڑھا

نہیں سکوں گا۔ امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا،

”آپ کی باتیں سن کر میں نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا کہ ایسے شخص سے منطق پڑھنی اپنے علمائے ملت، حامیان سنت کی توہین و تحقیر سُننی ہوگی، اسی وقت پڑھنے کا خیال بالکل دل سے دُور کر دیا، تب حضور کی بات کا ایسا جواب دیا۔“ لہ

اس تفصیل سے دو باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ امام احمد رضا بریلوی اس وقت کا مروجہ نصاب پڑھ چکے تھے۔ نواب رامپور نے

منطق کی ان کتابوں کے پڑھنے کا مشورہ دیا تھا جو نصاب سے خارج اور متقدمین مثلاً ابن سینا، محقق طوسی اور میر باقر وغیرہ کی تصنیف تھیں۔

۲۔ امام احمد رضا بریلوی نے علامہ خیرآبادی کی گفتگو میں علماء اہل سنت کی تحفیف محسوس

کر کے علامہ سے کچھ نہ پڑھنے کا فیصلہ کیا تھا، ورنہ علامہ نے پڑھانے سے انکار نہیں کیا تھا۔ مخالفت بلکہ مخالفت کے زاویہ نگاہ سے دیکھنے والے اس واقعہ کو دوسرے رنگ میں پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

”بریلوی اپنے قائد کو بچپن ہی میں نابغہ ثابت کرنے کے لیے بار بار اس قول

کو دہراتے ہیں کہ ان کے قائد چودہ سال کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہو گئے تھے۔

پھر اس جھوٹ اور اپنے قائد کے اس معجزے کو بھول گئے اور بیان کیا کہ

انہوں نے اس وقت کے مشہور معقولی عالم عبدالحق خیرآبادی ابن قاضی فضل حق

خیرآبادی سے پڑھنے کا ارادہ کیا، لیکن وہ دہائیوں سے ان کی شدید مخالفت

کی بنا پر راضی نہ ہوئے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب ان کی عمر صرف

بیس سال تھی۔“

علامہ خیر آبادی کی ملاقات کا واقعہ تفصیل کے ساتھ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ اسے ایک دفعہ پھر پڑھیے اور خوردبین لگا کر دیکھیے کہ اس مخالفانہ بیان میں کتنی صداقت ہے؟ چند نوریوں کو طلب ہیں:

۱- چودہ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہونے کو معجزہ کس نے کہا ہے؟

یہ مخالف کی کج نظری کا نتیجہ ہے یا نیت کا فساد؟

۲- امام احمد رضا بریلوی تقریباً چودہ سال کی عمر میں مروجہ علوم اور درسی کتب سے فارغ ہو گئے اور بیس سال کی عمر میں علامہ خیر آبادی سے پڑھتے، تو منطق کی بعض خارج از نصاب کتابیں پڑھتے، ان دونوں باتوں میں کیا تخالف ہے؟ اور کیسے ثابت ہو گیا کہ وہ چودہ سال کی عمر میں مروجہ درسی کتب سے فارغ نہیں ہو گئے تھے۔

۳- علامہ خیر آبادی کی گفتگو سے علماء اہل سنت کی شان میں تخفیف آمیز گفتگو سن کر امام احمد رضا بریلوی نے خود نہ پڑھنے کا فیصلہ کیا تھا اور یہ قطعاً صحیح نہیں کہ علامہ پڑھانے کے لیے تیار نہیں ہوئے تھے۔

۴- یہ بھی درست نہیں کہ وہابیوں کے شدید مخالف ہونے کے سبب وہ پڑھانے پر راضی نہیں ہوئے تھے، انہوں نے صرف اتنا کہا تھا:

”اگر یہی حاضر جوابی میرے مقابلہ میں رہی، تو میں پڑھا نہیں سکوں گا۔“

دونوں بیان ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ ہیں

حضرت شاہ آل رسول مارہروی سے اجازت

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو (علی گڑھ) فرماتے ہیں:

”۱۲۹۴ھ میں مارہرو حاضر ہو کر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی کے مرید ہوئے اور خلافت و اجازت جمیع سلاسل و سند حدیث سے

مشرف ہوئے۔“ لہ

حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری سے استفادہ

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری، امام احمد رضا بریلوی کا ارشاد نقل کرتے ہیں:
”جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں شرف بیعت سے مشرف ہوا، تعلیم طریقت
پیرو مرشد برحق سے حاصل کیا۔ ۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا۔ تو قبل وصال
مجھے حضرت سیدنا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری اپنے ابن الابن ولی عہد و
سجادہ نشین کے سپرد فرمایا۔ حضرت نوری میاں صاحب سے بعض تعلیم طریقت
و علم تکمیل، جفر وغیرہ علوم میں نے حاصل کیے۔“ لہ

اب سمجھ کا پھیر یا نیت کا فتور کہ ان دونوں بزرگوں سے استفادہ کی بنا پر
امام احمد رضا بریلوی کے چودہ سال کی عمر میں مروجہ علوم و کتب سے فارغ ہونے کو جھوٹ
قرار دیا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے، لا ذاکرۃ لکذاب“ دُرُوعُ گورِ حافظہ نہاشد“
ذرا تبصرہ ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

”اس سے بھی بڑی بات یہ کہ انہوں نے لکھا کہ (احمد رضا) بریلوی نے
سید آل رسول شاہ کی ۱۲۹۴ھ میں شاگردی اختیار کی اور ان سے حدیث
وغیرہ علوم کی اجازت حاصل کی۔

اور ان کے بعد ان کے بیٹے ابوالحسین احمد سے بعض علوم پڑھے اور یہ
۱۲۹۶ھ کا واقعہ ہے۔“

۳۵۶ ص	انوارِ رضا	لہ مختار الدین آرزو، ڈاکٹر
۲۴-۵ ص	حیاتِ اعلیٰ حضرت	لہ ظفر الدین بہاری، مولانا
۲۰ ص	البریلویہ	لہ ظہیر

اہل علم جانتے ہیں کہ مروجہ علوم و کتب سے فراغت الگ چیز ہے اور کسی بزرگ سہما
تبرکاً حدیث کی سند اور طریقت کی تعلیم حاصل کرنا یا علم تکسیر اور علم جفر حاصل کرنا جو مروجہ
علوم میں داخل نہیں، قطعاً دوسری چیز ہے۔ عموماً یہی ہوتا ہے کہ مدارس میں پڑھانے جانے
والے نصاب کے پڑھنے کے بعد کسی روحانی شخصیت سے طریقت وغیرہ کے علوم کا استفادہ
کیا جاتا ہے۔ شاید ان صاحب کے نزدیک مروجہ نصاب سے فارغ ہونے کے بعد تحصیل
علم کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ بی اے کا سند یافتہ گریجویٹ بن جاتا ہے پھر اعلیٰ تعلیم
کے لیے ایم۔ اے اور پی۔ ایچ۔ ڈی کرتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص کہے کہ اس نے ڈگری حاصل
نہیں کی، یہ تو ابھی تحقیقی مقالہ لکھ رہا ہے، تو اسے کیا کہا جائے؟

امام احمد رضا

اور شیعہ

پاسبانِ مسلک اہل سنت امام احمد رضا بریلوی دیگر فرق باطلہ کی طرح شیعہ کا بھی سخت رد فرمایا۔ شیعہ عام طور پر دو گروہ ہیں، ایک وہ جو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خلیفہ برحق مانتا ہے، لیکن حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو ان سب سے افضل جانتا ہے، یہ تفضیلیہ ہیں۔ دوسرا گروہ معاذ اللہ! خلفائے ثلاثہ کو خلیفہ برحق نہیں مانتا، انہیں غاصب قرار دیتا ہے اور خلیفہ بلا فصل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مانتا ہے۔ دیگر صحابہ خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنتا ہے۔ ابوطالب کے بارے میں اصرار رکھتا ہے کہ وہ ایمان لے آئے تھے۔

امام احمد رضا بریلوی نے ردِ شیعہ میں متعدد رسائل لکھے جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) رد الرافضیہ (روافضی زمانہ کا رد کہ نہ سنی ان کا وارث

نہ ان سے نکاح)

(۱۳۲۰ھ)

(روافضی کی اذان میں کلمہ خلیفہ بلا فصل

کا شدید رد)

(۲) الادلۃ الطاعنۃ

فی اذان الملاعنہ (۱۳۰۶ھ)

(تعزیرہ داری اور شہادت نامہ

کا حکم)

(۳) اعلیٰ الافناد

فی تعزیرۃ المندوبین الشہادۃ

(۱۳۲۱ھ)

(۴) جَزَاءُ اللَّهِ عَدْوَهُ (مناقب انبویوں کی طرح روافض کا بھی رد)

بَابُ خَتَمِ النَّبُوَّةِ (۱۳۱۷ھ)

● مناقب خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

(۵) غَايَةُ التَّحْقِيقِ (پہلے خلیفہ برحق کی تحقیق)

فِي إِمَامَةِ الْعَلِيِّ وَالصِّدِّيقِ

(۶) الْكَلَامُ الْبَهِيُّ

حضرت صدیق اکبر کی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہتیں

فِي تَشْبِيهِ الصِّدِّيقِ بِالنَّبِيِّ (۱۲۹۷ھ)

(آیہ کریمہ اِنْ كُورِمَكُمُ عِنْدَ اللَّهِ اَتَقَمُّكُمْ كِي تَفْسِيرِ اَوْرْمَنَاقِبِ صَدِيقِ الْاَكْبَرِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ

(۷) اَلزَّلَالُ الْاَلْتَقَى (عربی)

مِنْ بَحْرِ سَبَقَةِ الْاَلْتَقَى (۱۳۰۰ھ)

(شیحین کریمین کی افضلیت پر

(۸) مَطْلَعُ الْقَمَرَيْنِ

مبسوط کتاب)

فِي اِبَانَةِ سَبَقَةِ الْعَمْرَيْنِ (۱۲۹۷ھ)

(شیحین کریمین کے وہ اسماء مبارکہ جو

(۹) وَجْهَ الْمَشُوقِ

احادیث میں وارد ہیں)

بِجَلْوَةِ اسْمَاءِ الصِّدِّيقِ وَالْفَارُوقِ (۱۲۹۷ھ)

(قرآن کریم کیسے جمع ہوا اور حضرت عثمان غنی

(۱۰) جَمْعُ الْقُرْآنِ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاص طور پر جامع القرآن

وَيَمْرَعَزُورَةُ لِعُثْمَانَ (۱۳۲۲ھ)

کیوں کہتے ہیں؟)

● مناقب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(تفضیلیہ اور مستقان امیر معاویہ

(۱۱) اَلْبَشْرَى الْعَاجِلَهْ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رو)

مِنْ مَحَفِّ آجِلَهْ (۱۳۰۰ھ)

(مناقب حضرت امیر معاویہ

(۱۲) عَرَشُ الْاِعْزَازِ وَالْاِكْوَامِ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

لِاَوَّلِ مُلُوكِ الْاِسْلَامِ (۱۳۱۲ھ)

(۱۳) ذَبُّ الْأَهْوَاءِ الْوَاهِيَةِ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

فِي بَابِ الْأَمِيرِ مُعَاوِيَةَ (۱۳۱۲ھ) پر مطاعن کا جواب)

(۱۴) أَعْلَامُ الصَّعَابَةِ الْمُؤَافِقِينَ (حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ اور

لِلْأَمِيرِ مُعَاوِيَةَ وَأُمِّ الْمُؤْمِنِينَ (۱۳۱۲ھ) امیر معاویہ کے ساتھ کون سے صحابہ تھے)

(۱۵) الْأَحَادِيثُ الرَّاَوِيَةَ (امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

لِمَدْحِ الْأَمِيرِ مُعَاوِيَةَ (۱۳۱۳ھ) مناقب کی احادیث)

● رد تفضیلیہ:

(۱۶) الْجَرْحُ الْوَالِجُ (تفضیلیہ اور مفستقہ کا رد)

فِي بَطْنِ الْخَوَارِجِ (۱۳۰۵)

(۱۷) الصَّمَامُ الْحَيْدَرِيُّ (تفضیلیہ اور مفستقہ کا رد)

عَلَى حُمُقِ الْعِيَارِ الْمُفْتَرِيِّ (۱۳۰۴ھ)

(۱۸) الرَّائِحَةُ الْعَنْبَرِيَّةُ (مسئلہ تفضیل اور تفضیل من جمیع الوجوه

عَنِ الْجَمْرَةِ الْحَيْدَرِيَّةِ (۱۳۰۰ھ) کا بیان)

(۱۹) لَمَعَةُ الشُّعْرَةِ (تفضیل و تفسیق سے متعلق سات سوالوں

لِمُدَى شَيْعَةِ الشُّعْرَةِ (۱۳۱۲ھ) کا جواب)

● ابوطالب کا حکم

(۲۰) شَرْحُ الْمَطَالِبِ (ایک سو بیس کتب تفسیر و عقائد وغیرہ)

فِي مَبْحَثِ أَبِي طَالِبٍ (۱۳۱۶ھ) سے ایمان نہ لانا ثابت کیا)

ان کے علاوہ وہ رسائل اور قصائد جو سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان

میں لکھے ہیں، وہ شیعہ و روافض کی تردید ہیں، کیونکہ شیعوہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے ساتھ غوث عقیدگی نہیں رکھتے، اس لیے کہ حضرت غوث اعظم فضائل صحابہ کے قائل ہیں۔

تفضیلیہ سے مناظرہ

۱۳۰۰ھ میں بریلی، بدایوں، سنبھل اور رام پور وغیرہ کے تفضیلیہ نے باہمی مشورے سے مسئلہ تفضیل پر امام احمد رضا سے مناظرہ کا اعلان کر دیا۔ مناظرہ کے لیے مولانا محمد حسن سنبھلی مصنف تنسیق النظام فی مسند الامام وغیرہ کا انتخاب کیا۔ امام احمد رضا ان دنوں ایک نئے طبیب کے زیر علاج تھے، جس نے پہلے منضج دوائیں دیں، بعد میں جلاب آور دوائیں دینا تھیں۔ اس طبیب کی سازش سے طے ہوا کہ مسہل سے ایک دن پہلے مناظرہ کا دن مقرر کیا جائے۔ اول تو نفاقت کی بنا پر خود ہی مناظرہ سے انکار کر دیں گے، ورنہ طبیب منع کر دے گا۔ امام احمد رضا بریلوی نے مناظرہ کا چیلنج قبول فرمایا۔ معالج نے بہت منع کیا، لیکن آپ نے فرمایا:

”مناظرہ کرتے ہوئے مجھے مرجانا منظور ہے اور مناظرہ سے انکار کر کے

مجھے بچنا مقصود نہیں۔“ ۱

اسی حالت میں تیس سوالات لکھ کر مولانا محمد حسن سنبھلی کے پاس بھیج دیئے۔ انہوں نے کمال دیانت سے فرمایا کہ کوئی شخص تفضیلی عقیدہ رکھتے ہوئے ان کے جوابات نہیں دے سکتا اور گاڑی پر سوار ہو کر واپس چلے گئے۔ اس واقعہ کی تفصیل فتح خیبر (۱۳۰۰ھ) میں چھپ چکی ہے۔

مولانا ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں:

”اس کے بعد شرح عقائد کا ماشیہ مستحی بہ نظم الافراد تحریر فرمایا جس میں مذہب اہل سنت و جماعت کی حمایت و تائید کی۔“ ۲

حیات اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۱۳

” ” ” ” ” ”

۱ ظفر الدین بہاری، مولانا،

۲ ایضاً،

نکاح کر سکے گا؟ امام احمد رضا بریلوی نے علم جفر سے سوال کیا جواب آیا،
 ”اس سے کیسے نکاح کرے گا، جبکہ وہ مشرک ہے اور کبھی بھی ایمان نہیں
 لائے گی۔“

دو مرتبہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں پڑی، اسی جواب کو یوں بیان کیا جاسکتا
 ہے کہ اگر وہ عورت ایمان لے آئے تو نکاح ہو جاتے گا، ورنہ نہیں۔

شیعہ کا حکم؟

روافض کا حکم کیا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:
 ”رافضی اگر امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کو شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فضیلت دے تو مبتدع
 ہے جیسے فتاویٰ خلاصہ، عالمگیری وغیرہ میں ہے اور اگر شیخین یا ان میں سے ایک کی
 امامت کا انکار کرے تو فقہار نے اسے کافر قرار دیا اور متکلمین نے بدعتی اور اسی میں
 زیادہ احتیاط ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے لیے بدلہ کا قائل ہو کہ اسے پہلے علم نہیں ہوتا
 شے واقع ہونے کے بعد علم ہوتا ہے، یا کہے کہ موجودہ قرآن ناقص ہے۔ صحابہ یا کسی
 دوسرے نے اس میں تحریف کی ہے یا یہ کہ امیر المؤمنین (علی مرتضیٰ) یا اہل بیت میں سے
 کوئی امام اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء سابقین صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم سے افضل ہے
 جیسے کہ ہمارے شہر کے رافضی کہتے ہیں اور ان کے اس دور کے مجتہد نے تصریح کی
 ہے تو وہ قطعاً کافر ہے اور اس کا حکم مرتدوں والا ہے جیسے کہ فتاویٰ ظہیریہ کے
 حوالے سے عالمگیری میں ہے۔“

اس کے علاوہ احکام شریعت (مدیریت پبلشنگ کمپنی، کراچی) کے درج ذیل صفحات،

الوسائل الرضویہ للمسائل الجفریہ (مرکزی مجلس رضا، لاہور) ص ۶

۱ امام احمد رضا بریلوی

فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین (مکتبہ ایشق، ترکی) ص ۱۰

۲ ایضاً،

۱۲۳ — ۱۲۶ — ۱۲۷ — ۱۲۸ — ۱۲۹ — ۱۳۰ — ۱۳۱ — ۱۳۲ — ۱۳۳

اور فتاویٰ رضویہ جلد ششم مطبوعہ مبارک پوز انڈیا کے درج ذیل صفحات ملاحظہ کیے جائیں،

۲۵ — ۳۲ — ۳۵ — ۳۷ — ۹۴ — ۱۵۸ — ۱۶۹ — ۲۲۹

۲۷۷ — ۲۸۲ — ۲۸۶ — ۲۹۰ — ۵۲۷ — ۵۲۸

اسی طرح فتاویٰ رضویہ کی باقی جلدیں دیکھیے، معلوم ہو جائے گا کہ امام احمد رضا بریلوی نے شیعہ اور روافض کے بارے میں کیا کیا احکام بیان کیے ہیں۔

مشہور زمانہ سلام کے چند اشعار دیکھیے

یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل	ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام
وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سفر	اس خداداد حضرت پہ لاکھوں سلام
در منشور قرآن کی سبک	زوج دو نور عفت پہ لاکھوں سلام
یعنی عثمان صاحب قمیص بدنی	حُذہ پوشش شہادت پہ لاکھوں سلام
مرتضیٰ شیر حق اشجع الاشجعین	ساتی شیر و شربت پہ لاکھوں سلام
اویس دافع ابلِ رفس و حسر و ج	چارمی رکنِ ملت پہ لاکھوں سلام
ماحی رفس و تفضیل و نصب و خروج	حامی دین و سنت پہ لاکھوں سلام

سبحان اللہ کس عمدگی کے ساتھ مسلک اہل سنت کی ترجمانی فرمائی ہے۔ بے شک اہل سنت کا امام ہی اتنی نفیس ترجمانی کر سکتا ہے

امام احمد رضا بریلوی نے ردیف بار میں ۱۶ اشعار پر مشتمل طویل قصیدہ کہا جس میں سینا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب بڑی شرح و بسط سے بیان کیے اور آخر میں بد مذہبوں پر تندہ تیز تنقید کی ہے۔ زور بیان، فکوحہ الفاظ اور مطالب کی بلندی دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

لے امام احمد رضا بریلوی، حدائق بخشش (دہلی پبلشنگ کمپنی کراچی) ج ۲، ص ۶-۳۵

علی سے محبتِ عمر سے عداوت کہیں بھی ہوئے جمع نور و غیاہب
روافض پہ واللہ تبار علی سے خوارج پہ فاروقِ اعظم معاتب
دہی تو محبانِ حیدر جو رکھیں تقیے کی تہمت سرِ شیرِ غالب

شیعہ ہونے کا الزام

دین و دیانت رکھنے والے حضرات کے لیے یہ امر باعثِ حیرت ہو گا کہ اہل سنت کے امام مولانا شاہ احمد رضا بریلوی پر لگائے جانے والے بے بنیاد الزامات میں سے ایک الزام یہ بھی ہے:

”وہ ایسے شیعہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جس نے اہل سنت کو

نقصان پہنچانے کے لیے بطورِ تقیہ، سنی ہونا ظاہر کیا تھا۔“

پندرہویں صدی کا یہ عظیم ترین جھوٹ بولتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ کیا ساری دنیا اندھی ہو گئی ہے جسے امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا جو شخص فتاویٰ رضویہ اور دیگر بلند پایہ علمی تصانیف کا مطالعہ کرے گا، وہ آپ کی صداقت اور دیانت کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گا؟ کیا قیامت کے دن، واحد قہار کی بارگاہ میں جواب دہی کا یقین بالکل ہی جاتا رہے؟ یا روزِ قیامت کے آنے کا یقین ہی نہیں ہے۔ اس دعوے پر جو دلائل پیش کیے گئے ہیں، وہ اس قدر بے وزن اور غیر معقول ہیں کہ دلائل کبلا نے کے قابل ہی نہیں، ذیل میں ان کا مختصر سا جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

الزام ۱: ان کے اباؤ اجداد کے نام شیعوں والے ہیں، ایسے نام اہل سنت میں رائج نہ تھے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ محمد محبوب علی خاں، مولانا، عدالتِ بخشش (نابھہ سٹیٹ پریس، نابھہ) ج ۳، ص ۲۶

البریلویہ ص ۲۱

۲۔ ظہیر

احمد رضا، ابن نقی علی ابن رضا علی ابن کاظم علیؑ
 نواب صدیق حسن خان کے والد کا نام حسن، دادا کا نام علی الحسنین، بیٹے
 کا نام میر علی خاں اور میر نور الحسن خانؑ

غیر مقلدین کے شیخ الکل نذیر حسین دہلوی ہیں، مدراس کے مولوی صاحب کا نام
 محمد باقر ہے۔ قنوج کے مولوی کا نام ہے رستم علی ابن علی اصغر، ایک دوسرے مولوی کا نام
 غلام حسنین ابن مولوی حسین علی۔ ان لوگوں کا تذکرہ نواب بھوپالی کی کتاب بحب العلوم
 کی تیسری جلد میں کیا گیا ہے۔ اہل حدیث کے جریدے اشاعت السنۃ کے ایڈیٹر کا نام
 محمد حسین بٹالوی ہے۔ کیا یہ سب شیعہ ہیں؟

الزام ۱۲: ”بریلوی نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے
 بارے میں ایسے کلمات کہے کہ انہیں شتی کبھی زبان پر نہیں لاسکتا۔“ ۳
 اللهم سبحانه هذا بهتان عظیم

حدائق بخشش حصہ سوم

امام احمد رضا بریلوی کا نعتیہ دیوان دو حصے پر مشتمل ہے۔ یہ ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء
 میں مرتب اور شائع ہوا۔ ماہ صفر ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء کو آپ کا وصال ہوا۔ وصال کے دو سال
 بعد ذوالحجہ ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء میں مولانا محمد محبوب علی قادری لکھنوی نے آپ کا کلام متفرق
 مقامات سے حاصل کر کے حدائق بخشش حصہ سوم کے نام سے شائع کر دیا۔ انہوں نے
 مسودہ نابھہ ٹیم پریس، نابھہ کے سپرد کر دیا، پریس والوں نے کتابت کروائی اور کتاب
 چھاپ دی۔

ص ۲۱

البریلوی

نہ ظہیر

ج ۰۳ ص

ابجد العلوم

۲۱ صدیق حسن خان بھوپالی، نواب

ص ۲۱

البریلوی

نہ ظہیر

کاتب بد مذہب تھا، اُس نے دانستہ یا نادانستہ چند ایسے اشعار ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مدح کے قصیدے میں شامل کر دینے جو ام زرع وغیرہ منکرہ عورتوں کے بارے میں تھے، ان عورتوں کا ذکر حدیث کی کتابوں مسلم شریف، ترمذی شریف اور نسائی شریف وغیرہ میں موجود ہے۔

مولانا محمد محبوب علی خاں سے چند ایک تسامح ہوتے،

(۱) چھپائی سے پہلے انہوں نے اپنی مصروفیات اور پریس والوں پر اعتماد کر کے چھپنے سے پہلے کتابت کو چیک نہ کیا۔

(۲) کتاب کا نام "حدائق بخشش" حصہ سوم رکھ دیا، حالانکہ انہیں چاہیے تھا کہ باقیاتِ رضا یا اسی قسم کا کوئی دوسرا نام رکھتے۔

(۳) ٹائٹل پیج پر کتاب کے نام کے ساتھ ۱۳۲۵ھ بھی لکھ دیا، حالانکہ یہ سن پہلے دو حصوں کی ترتیب کا تھا جو مصنف کے سامنے ہی چھپ چکے تھے۔ تیسرا حصہ تو ۱۳۲۲ھ میں مرتب ہو کر شائع ہوا۔ اسی لئے ٹائٹل پیج پر امام احمد رضا بریلوی کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھا ہوا ہے۔ اگر ان کی زندگی اور ۱۳۲۵ھ میں یہ کتاب چھپتی، تو ایسے دعائیہ کلمات برگزینہ درج ہوتے۔

(۴) یہ مجموعہ مرتب کر کے امام احمد رضا بریلوی کے صاحبزادے مولانا مصطفیٰ رضا خاں یا بیٹے مولانا حسنین رضا خاں کو دکھائے اور منظوری حاصل کیے بغیر چھاپ دیا۔

(۵) کتاب چھپنے کے بعد جیسے ہی صورتِ حال سامنے آئی تھی، اس غلطی کی تصحیح کا اعلان کر دیتے، تو صورتِ حال اتنی سنگین نہ ہوتی، لیکن یہ سوچ کر خاموش رہے کہ اہل علم خود ہی سمجھ جائیں گے کہ یہ اشعار غلط جگہ چھپ گئے ہیں اور آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کر دی جائے گی۔

محدثِ اعظم ہند سید محمد محدث کچھوچھوی کے صاحبزادے حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں فراتہ ہیں

”مجھے محبوب الملّت (مولانا محمد محبوب علی خاں) کے خلوص سے انکار نہیں اور نہ ہی میں یہ ماننے کے لیے تیار ہوں کہ انہوں نے امام احمد رضا کی کسی قدیم بخشش کی بنا پر ایسا کیا، لیکن میں اس حقیقت کے اظہار سے بھی اپنے کو روک نہیں پا رہا ہوں کہ محبوب الملّت نے کسی سے مشورہ کیے بغیر حدائق بخشش میں تیسری جلد کا اضافہ کر کے اپنی زندگی کا سب سے بڑا تسامح کیا ہے۔ ایک ایسا تسامح جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک ایسی فاش غلطی جس کی تہا ذمہ داری محبوب الملّت پر عائد ہوتے ہوئے بھی امام احمد رضا کو مخالفین کے اتہام کی زد سے بچا نہ سکی۔ سوچ کر بتائیے کہ اس میں امام احمد رضا کی کیا غلطی؟ غیر شعوری ہی کیوں نہ ہو آنے والا مورخ اس طرح کی توشہ مستبدگی کو ظلم ہی سے منون کرے گا۔“ لے

ایک عرصہ بعد دیوبندی مکتب فکر کی طرف سے پورے شد و مد سے یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ مولانا محمد محبوب علی خاں نے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں گستاخی کی ہے لہذا انہیں بمبئی کی سنی جامع مسجد سے نکال دیا جائے۔

مولانا محمد محبوب علی خاں نے اسے اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور وہ کچھ کیا جو ایک سچے مسلمان کا کام ہے۔ انہوں نے مختلف جرائد اور اخبارات میں اپنا توبہ نامہ شائع کرایا۔ علامہ مشتاق احمد نظامی مصنف خون کے آنسو نے ایک ہفت روزہ کے ذریعے انہیں غلطی کی طرف متوجہ کیا تھا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آج ۹ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ کو بمبئی کے ہفتہ وار اخبار میں آپ کی سخریہ حدائق بخشش“ حصہ سوم کے متعلق دیکھی، جو اب پہلے فقیر حقیر اپنی غلطی اور تساہل کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور اس خطا اور غلطی کی معافی چاہتا ہے اور استغفار کرتا ہے، خدا تعالیٰ معافی بخشے، آمین! (ماہنامہ سنی دنیا شمارہ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ ص ۱۶)

لے شریکت حنفیہ، لاہور،
گم محمد مظہر اللہ بلوئی، مفتی،
انوارِ رضی
فناوی منظرہ (مدینہ پیشنگ کمپنی، کراچی) ج ۲ ص ۲۹۳

اس کے باوجود مخالفین نے اطمینان کا سانس نہیں بلکہ پروپیگنڈا کیا کہ یہ توبہ قابل قبول نہیں ہے۔ اس پر علمائے اہل سنت سے فتوے حاصل کیے گئے کہ ان کی توبہ یقیناً مقبول ہے، کیونکہ انہوں نے یہ اشعار نہ تو ام المومنین کے بارے میں کہے اور نہ لکھے ہیں، ان کی غلطی صرف اتنی تھی کہ کتابت کی دیکھ بھال نہ کر سکے۔ اس کی انہوں نے علی الاعلان اور بار بار توبہ کی ہے اور در توبہ کھلا ہوا ہے۔ پھر کسی کے یہ کہنے کا کیا جواز ہے کہ توبہ قبول نہیں۔ یہ فتاویٰ فیصلہ مفردہ کے نام سے ۱۳۷۵ھ میں چھپ گئے اور تمام شور اور شر ختم ہو گیا، اس میں ایک سو اسی علماء کے فتوے اور تصدیقی دستخط ہیں۔ الحمد للہ! کہ فیصلہ مقدمہ مرکزی مجلس رضالامور نے دوبارہ چھاپ دیا ہے۔ تفصیلات اس میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

مقام غور ہے کہ جو کتاب امام احمد رضا بریلوی کے وصال کے بعد مرتب ہو کر چھپی ہو، اس میں پائی جانے والی غلطی کی ذمہ داری ان پر کیسے ڈالی جاسکتی ہے؟ ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۵ء میں بھی جب یہ ہنگامہ کھڑا کیا گیا تو تمام ترمذی داری مولانا محمد محبوب علی خاں مرتب کتاب پر ڈال دی گئی تھی۔ کسی نے بھی یہ نہ کہا کہ امام احمد رضا بریلوی نے حضرت ام المومنین کی شان میں گستاخی کی ہے، لیکن آج حقائق سے منہ موڑ کر گستاخی کا الزام انہیں دیا جا رہا ہے۔

آج تک امام احمد رضا بریلوی اور ان کے ہم مسلک علماء پر یہی الزام عائد کیا جاتا تھا کہ یہ لوگ انبیاء و اولیاء کی محبت و تعظیم میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ پھر یہ ایک یہ کایا پلٹ کیسے ہو گئی کہ انہیں گستاخی کا مرتکب قرار دیا جا رہا ہے؟ دراصل امام احمد رضا بریلوی نے بارگاہ خداوندی اور حضرات انبیاء و اولیاء کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا سخت علمی و قلمی محاسبہ کیا تھا، جس کا نہ تو جواب دیا جاسکا اور نہ ہی توبہ کی توفیق ہوئی، لہذا انہیں بے بنیاد الزام دیا جانے لگا کہ یہ گستاخی کے مرتکب ہیں۔

مولوی محمد اسماعیل دہلوی اپنے پیر و مرشد سید احمد درانی بریلی کے بارے میں کہتے ہیں کہ کمالاتِ طریقِ نبوت اجمالاً تو ان کی فطرت میں موجود تھے۔ پھر ایک وقت آیا کہ یہ کمالات

راہِ نبوت تفضیلاً کمال کو پہنچ گئے اور کمالات طریق ولایت بطریق احسن جلوہ گر ہو گئے۔ ان کمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”جناب علی مرتضیٰ نے حضرت کو اپنے دست مبارک سے غسل دیا اور ان کے بدن کو خوب دھویا، جیسے باپ اپنے بچوں کو مل کر غسل دیتے ہیں اور حضرت فاطمہ زہرا نے ہمیشہ قیمت لباس اپنے ہاتھ سے انہیں پہنایا۔ پھر اسی واقعہ کے سبب کمالاتِ طریقِ نبوت انتہائی جلوہ گر ہو گئے۔“

یہ اگرچہ خواب کا واقعہ بتایا جا رہا ہے، لیکن ہمیں یہ پوچھنے کا حق ہے کہ ایسے واقعات کاتبوں میں درج کرنا اور پھر فریسی اور اردو میں انہیں بار بار شائع کرنا حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں سزاوارت نہیں ہے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ علمائے اہل سنت کے توجہ دلانے کے باوجود علماء اہل حدیث نے اس کا تدارک نہ کیا اور نہ ہی توبہ کی۔ حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا ہے۔

مشکلے دارم ز دانش منڈ مجلس باز پرس !!

توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کسترمی کنند

الزام ۳، انہوں نے ایسے عقائد و افکار کو رواج دیا جو ان سے پہلے پاک و بند کے اہل سنت میں رائج نہیں تھے اور وہ تمام شیعہ سے مانگو ہیں جیسے انبیاء و اولیاء کے لیے علم غیب، مستند علم ماکان و مایکون اور اختیار و قدرت وغیرہ۔

یہ تو آپ آئندہ ابواب میں دیکھیں گے کہ یہ عقائد قرآن و حدیث اور علماء اسلام کے اقوال سے ثابت ہیں اور وہ عقائد ہیں جو ابتداء اسلام ہی سے چلے آئے ہیں۔ اس وقت صرف چند حوالے درج کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ امام احمد رضا بریلوی نے قدیم سنی حنفی

طریقے کی حمایت و حفاظت کی ہے اور دوسرے فرقوں نے سلف صالحین کے راستے سے انحراف کیا ہے۔

سید سلیمان ندوی جن کا میلانِ طبع اہل حدیث کی طرف تھا، بیان کرتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعد دو گروہ نمایاں ہوتے،

(۱) علماء دیوبند اور مولانا سخاوت علی جوہر پوری وغیرہ اس سلسلے میں توحیدِ خالص کے جذبہ کے ساتھ حنفیت کی تقلید کا رنگ نمایاں رہا۔ (۲) میاں نذیر حسین دہلوی اس سلسلے میں توحیدِ خالص اور رو بہ بدعت کے ساتھ فقہ حنفی کی تقلید کی بجائے براہِ راست کتبِ حدیث سے بقدرِ فہم استفادہ اور اس کے مطابق عمل کا جذبہ نمایاں ہوا اور اسی سلسلے کا نام اہل حدیث مشہور ہوا۔ ان دو کے علاوہ ایک تیسرا سلسلہ بھی تھا، جس کا ذکر وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں،

”تیسرا فرقہ وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا اور اپنے کو اپل سنتہ

کہتا رہا۔ اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علماء تھے۔“

اس اقتباس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ بریلی اور بدایوں کے علماء کسی نئے فرقے کے بانی نہ تھے، بلکہ اصل سلفی حنفی تھے۔

مولوی ثناء اللہ امرتسری مدیر اہل حدیث نے، ۱۹۳۷ء میں لکھا تھا:

”امرتسر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے، اسی سال قبل قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے، جن کو آج کل بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے۔“

چونکہ امام احمد رضا بریلوی نے مسلکِ اہل سنت اور مذہبِ حنفی کی زبردست حمایت و حفاظت کی تھی، اس لیے ان کی نسبت، اہل سنت کے لیے نشانِ امتیاز بن گئی ہے ورنہ بریلوی کوئی نیا فرقہ نہیں ہے۔

حیاتِ نبلی ص ۴۴ تا ۴۶ (بحوالہ تقریب تذکرہ اکابر اہل سنت)
شمع توحید مطبوعہ سرگودھا، ص ۴۰

لہ سید سلیمان ندوی،
لہ نشانہ اللہ امرتسری،

شیخ محمد اکرام جو سرسید کے مکتب فکر سے باہر تھے اور اہل سنت و جماعت سے کھلم کھلا
 عناد رکھتے تھے، وہ بھی بریلوی پارٹی کے عنوان کے تحت امام احمد رضا بریلوی کے متعلق لکھ گئے،
 ”انہوں نے نہایت شدت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی ہے“
 ہندوستان کے معروف محقق اور ادیب مالک رام جو قادیانیت اور ندویت دونوں سے متاثر
 ہیں، امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

”جیسا کہ سب کو معلوم ہے بریلی، مولانا احمد رضا خاں مرحوم کا وطن ہے، وہ
 بڑے سخت گیر قسم کے قدیم الخیال عالم تھے“

اس کے باوجود کوئی شخص حقائق کا منہ چڑانے کی کوشش کرے، تو اسے کیا کہا جائے؟

ائمہ اہل سنت اور فضائل اہل بیت

الزام علیہ، وہ شیعہ روایات و احادیث کی روایت کرتے تھے اور انہیں
 اہل سنت میں رواج دیتے تھے، مثلاً ان علیاً قسیم النار علی مرتضیٰ
 دشمنوں کو آگ تقسیم کرنے والے ہیں۔ نیز یہ روایت کہ فاطمہ کا نام فاطمہ
 اس لیے رکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کی ذریت کو آگ سے دور
 کر دیا ہے۔“

حضرت امام علامہ قاضی عیاض فرماتے ہیں:

وقد خرج اهل الصبح والائمة ما اعلم به اصحابه
 صلى الله عليه وسلم مما وعدهم من الظهور على عدائهم

موج کوثر طبع، ستمبر ۱۹۶۶ء، ص ۷۰ (بحوالہ تقریب مذکور)

نذر عرش (مطبوعہ دہلی)، ص ۱۳ (ایضاً)

البریلویہ، ص ۲۱-۲۲

۱۔ شیخ محمد اکرام،

۲۔ مالک رام،

۳۔ ظہیر،

إلى ان قال، وقتل عليّ وأن اشقاها الذي يخضب
هذه من هذه اى لحيته من رأسه، وانه قسيم الناس
يدخل وليائه الجنة واعداءه النار۔ لہ

”اصحاب صحاح اور ائمہ حدیث نے وہ حدیثیں روایت کیں، جن میں حضور اکرم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو غیب کی خبریں دیں، مثلاً یہ وعدہ کہ وہ
دشمنوں پر غالب آئیں گے اور مولیٰ علی کی شہادت اور یہ کہ امت کا بد بخت ترین
ان کے سر مبارک کے خون سے ریش مطہر کورنگے گا اور یہ کہ مولیٰ علی قسیم دوزخ
ہیں، اپنے دوستوں کو بہشت میں اور اپنے دشمنوں کو دوزخ میں داخل فرمائیں گے“
کیا قاضی عیاض شیعہ تھے؟ نہیں، ہرگز نہیں، وہ اہل سنت کے مسلم بزرگ اور امام
ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں،

كان امام وقته في الحديث وعلومه (إلى ان قال)
وكان له عناية كثيرة به ولاهتمام بجمعه وتقييده
وهو من اهل اليقين في العلم والذكاء والنقطة والفهم
”قاضی عیاض اپنے دور میں حدیث اور علوم حدیث کے امام تھے۔ حدیث کی طرف
ان کی توجہ بہت تھی۔ حدیث کے جمع کرنے اور ضبط کا اہتمام کرتے تھے،
وہ علم و فہم اور ذکاوت و فطانت میں صاحب یقین تھے۔“

شافعیہ کے عظیم ترین عالم حضرت علامہ نووی مسلم شریف کی شرح میں اکثر و بیشتر علماء
قاضی عیاض کے حوالے بطور استشہاد نقل کرتے ہیں۔ اس خارجیت کا کیا کیا جائے کہ جسے
محبت اہل بیت دیکھا اُسے رافضی اور شیعہ کا لقب دے دیا، حالانکہ اہل سنت کا امتیازی

اشعار (فاروقی کتب خانہ، ملتان)، ج ۱، ص ۲۲۳

لہ قاضی عیاض مالکی،

ابجد العلوم ج ۳، ص ۱۲۸

لہ نواب صدیق حسن خاں،

نشان یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام و اہل بیت عظام دونوں کے ساتھ والہانہ عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ امام شافعی کو بھی اہل بیت کی محبت پر رافضی ہونے کا الزام دیا گیا تھا۔ امام نے اس کے جواب میں فرمایا،

لو کان مرفضاً حب آل محمد
فلیشهد الثقلان انی مرفض لہ

”اگر آل محمد کی محبت رافض ہے، تو جن و انسان گواہ ہو جائیں کہ میں رافضی ہوں“
یعنی یہ غلط ہے کہ اہل بیت کی محبت رافض ہے، رافضی تو صحابہ کرام سے عداوت رکھتے ہیں،
جیسے خارجی اہل بیت کے دشمن ہیں، اہل سنت دونوں محبتوں کے جامع ہیں۔ امام احمد رضا
بریلوی فرماتے ہیں؛

اہل سنت کا ہے بیڑا پارہ اصحاب حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عزت رسول اللہ کی

شفار شریف کی شرح نسیم الریاض میں علامہ خفاجی فرماتے ہیں کہ ابن اثیر نے
نہایہ میں بیان کیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں؛

انا قسم الناس لہ

علامہ شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں؛

”ابن اثیر ثقہ ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو فرمایا ہے وہ رائے
سے نہیں کہا جاسکتا، لہذا یہ حکماً حدیث مرفوعہ ہے، کیونکہ اس میں اجتہاد کا
وخل نہیں ہے۔“

۱۔ ابن حجر مکی، بیہمی، الصواعق المحرقة، مکتبۃ القاہرہ، مصر، ص ۳۳

۲۔ احمد شہاب الدین الخفاجی، علامہ، نسیم الریاض، مکتبۃ سلفیہ، مدینہ منورہ، ج ۲، ص ۱۶۳

ج ۲، ص ۱۶۳

۳۔ ایضاً؛

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد حضرت شاذان فضلی نے جزر روز الشمس میں روایت کیا ہے۔ لہ

کیا اس کے باوجود بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ شیعہ روایت ہے؟

کیا حضرت شاذان فضلی، قاضی عیاض، ابن اثیر اور علامہ شہاب الدین خفاجی سب ہی شیعہ ہیں؟

دوسری روایت کے بارے میں سنیہ حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

فقد ورد مرفوعاً أنما سميت فاطمة لان الله قد

فطمها وذریتها عن الناس يوم القيامة“ اخرجہ

المحافظ الدمشقی، وروی النسائی مرفوعاً أنما سميت

فاطمة لان الله تعالى فطمها ومحبتيها عن الناس۔

”مرفوعاً واروہ ہے (یعنی یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے) کہ

فاطمہ، اس لیے نام رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کی اولاد کو قیامت

کے دن آگ سے محفوظ کر دیا ہے۔ یہ روایت حافظ الحدیث ابن عساکر دمشقی

نے بیان کی۔ امام نسائی حدیث مرفوع روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ، اس لیے

نام رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے محبتیں کو آگ سے محفوظ کر دیا ہے“

اب بتایا جائے کہ اس روایت کے بیان کرنے پر صرف امام احمد رضا بریلوی

کو شیعہ ہونے کا الزام دیا جائے گا یا اس الزام میں حافظ ابن عساکر دمشقی، امام نسائی

اور ملا علی قاری کو بھی شریک کیا جائے گا؟ ان حضرات کو شیعہ قرار دینے والا کیا اپنا نام

خوارج کی فہرست میں داخل نہیں کرائے گا؟

الامن والعلیٰ (کامیاب دارالتبلیغ، لاہور) ص ۵۹

شرح فقہ اکبر (مصطفیٰ البانی، مصر) ص ۱۱۰

لہ احمد رضا بریلوی، امام،

لہ علی بن سلطان محمد القاری،

النظام ۵: وہ کہتے تھے کہ اغواث یعنی مخلوق کے مددگاروں اور وہ جن سے مدد طلب کی جاتی ہے، کی ترتیب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شروع ہو کر حضرت حسن عسکری تک ہے۔ حضرت حسن عسکری شیعہ کے نزدیک بارہویں امام ہیں۔^۱

یہ نقل اصل کے بالکل خلاف ہے۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں: ”غوث اکبر و غوث ہر غوث حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ صدیق اکبر حضور کے وزیر دست چپ تھے اس سلطنت میں وزیر دست چپ وزیر دست راست سے اعلیٰ ہوتا ہے، اور فاروق اعظم وزیر دست راست، پھر امت میں سب سے پہلے درجہ غوثیت پر امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ممتاز ہوئے اور وزارت امیر المؤمنین فاروق اعظم و عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو عطا ہوئی۔ اس کے بعد امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیت مرحمت ہوئی اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم و امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ وزیر ہوئے۔“

پھر مولیٰ علی کو (غوثیت عطا ہوئی) اور امین مہربین رضی اللہ تعالیٰ عنہما وزیر ہوئے۔ پھر امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درجہ بدرجہ امام حسن عسکری تک یہ سب مستقل غوث ہوئے۔ امام حسن عسکری کے بعد حضور غوث اعظم تک جتنے حضرات ہوئے، سب ان کے نائب ہوئے۔ ان کے بعد سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مستقل غوث، حضور تنہا غوثیت کبریٰ کے درجے پر فائز ہوئے۔^۲

۱۔ ظہیر
۲۔ محمد مصطفیٰ رضا خاں، مولانا، ملفوظات (مطبوعہ لاہور) ص ۱۱۵

اس عبارت کے دو پیرے ہیں، الزام دینے کے لیے صرف دوسرے پیرے کا ایک حصہ نقل کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کے نزدیک پہلے غوث حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آخری غوث حضرت حسن عسکری ہیں یعنی ان کے نزدیک صرف وہی شیعوں کے بارہ امام ہی غوث ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حاشیہ میں بطور حوالہ صرف تلفوظات لکھنے پر اکتفا کیا گیا، صفحہ نمبر نہیں لکھا گیا تاکہ اصل کی طرف رجوع کرنے سے حقیقت نہ کھل جائے! انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے، تو معلوم ہوگا کہ امام احمد رضا نے امت میں سب سے پہلا غوث حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرار دیا ہے اور آخر میں سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا ہے کیا شیعہ ان حضرات کو غوث مانتے ہیں؟ برگرز نہیں پھر یہ کہنا کہ یہی شیعہ کے بارہ امام ہیں۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ حضرات اہل سنت کے نزدیک بھی مسلم روحانی پیشوا ہیں، شیعہ سے فرق اس لحاظ سے ہے کہ اہل سنت کے نزدیک یہ حضرات معصوم اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نظم مملکت کے لیے مقرر کردہ خلیفہ نہیں ہیں اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چوتھا خلیفہ مانتے ہیں، جبکہ شیعہ کا ان امور میں اختلاف ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں:

والمشائخ في علم السرة وتصفيية الباطن فان المروج

فيه الى العترة الطاهرة له

”مشائخ نے علم ستر اور تصفیہ باطن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

استناد کیا ہے، کیونکہ اس علم کا سرچشمہ اہل بیت کرام ہیں۔“

علامہ نے نہ صرف یہ قول نقل کیا ہے، بلکہ اسے برقرار رکھنا ہے۔ حضرت شاہ

عبدالعزیز محدث دہلوی سے سوال کیا گیا،

۱۔ سعد الدین مسعود التفتازانی، علامہ، شرح مقاصد (دار المعارف النعمانیہ، لاہور)، ج ۲، ص ۳۰۰

جناب فخر المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب قدس سرہ اور
تفہیمات الہیہ وغیرہ صفات اربعہ کہ عصمت و حکمت و وجاہت و قطبیت
باطنہ است برائے حضرات ائمہ اثنا عشر علیہم السلام ثابت کردہ اندلہ
”فخر المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے تفہیمات الہیہ وغیرہ
میں عصمت، حکمت، وجاہت اور قطبیت چار صفتیں بارہ اماموں کے لیے
ثابت کی ہیں۔“

کیا یہ عقیدہ خلفائے ثلاثہ کی افضلیت کے خلاف نہیں ہے؟
اس کے جواب میں سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں،
”قطبیت باطنہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو مخصوص فرما
دیتا ہے کہ فیض الہی اولاً وبالذات ان پر نازل ہوتا ہے، پھر ان سے دوسروں
کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اگرچہ بہ ظاہر کوئی ان سے کسب فیض نہ کرے جیسے
سورج کی شعاعیں روشن دان کے ذریعے کسی گھر میں پہنچیں تو اولادہ روشندان
روشن ہوگا اور اس کے واسطے سے گھر کی تمام چیزیں روشن ہوں گی۔ اس کو
قطب ارشاد بھی کہتے ہیں، برخلاف قطب مدار کے۔“

خلاصہ یہ کہ از روئے تحقیق ان چار صفات کا بارہ اماموں کے لیے ثابت
کرنا مذہب اہل سنت کے خلاف ہے، اگرچہ ظاہر میں حضرات ان الفاظ
کے استعمال سے گھبرائیں گے اور نہ شیخین کی افضلیت کے خلاف ہے جس
پر تمام اہل حق کا اتفاق ہے۔ (ترجمہ) لہ

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز

لے عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ، فتاویٰ عزیزی فارسی مجتہانی، دہلی، ج ۱، ص ۱۲۷
۱۲۹ ص

محدث دہلوی کے نزدیک بارہ امام نہ صرف روحانی پیشوا ہیں، بلکہ عصمت، حکمت، وجاہت اور قطبیت باطنہ چاروں صفات کے حامل ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فیض اولاً ان پر نازل ہوتا ہے اور ان کے واسطے سے دوسروں تک پہنچتا ہے۔ کیا علامہ تفتازانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سب کے سب شیعہ ہیں؟ یا یہ فتویٰ امام احمد رضا بریلوی ہی کے لیے مختص ہے؟

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا یہ ارشاد بھی توجہ طلب ہے،
 ومعنی امامت کہ در اولاد حضرت امیر باقی ماند ویکے مردیگرے راومی آں
 می ساخت ہمیں قطبیت ارشاد و منبعیت فیض ولایت بود و لهذا الزام این امر
 بر کافہ خلایق از ائمہ اطہار مروی نشدہ بلکہ یاران چیدہ و مصاحبان برگزیدہ
 خود را بآں فیض خاص مشرف می ساختند و ہر یکے را بقدر استعداد او بایں دست
 می نواختند۔ لہ

”حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں جو امامت باقی رہی اور ان
 میں سے ایک، دوسرے کو وصی بنا تا رہا۔ وہ یہی قطبیت ارشاد اور فیض ولایت
 کا منبع ہونا تھا، اسی لیے ائمہ اطہار میں سے کسی سے مروی نہیں کہ انہوں
 نے امامت کا تسلیم کرنا تمام انسانوں پر لازم قرار دیا ہو، بلکہ اپنے چیدہ چیدہ
 دوستوں اور منتخب مصاحبوں کو اس فیض خاص سے مشرف فرماتے تھے،
 اور ہر ایک کو اس کی استعداد کے مطابق اس دولت سے نوازتے تھے۔“
 شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ایک اور فرمان ملاحظہ ہو جو چشم بصیرت کے لیے
 سرمہ ثابت ہوگا:

”نیز پچھلے امام مثل حضرت سجاد و باقر و صادق و کاظم و رضا تمام اہل سنت

لہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ، تحفہ اشنا عشریہ، ص ۲۱۴

کے مقتدا اور پیشوا ہوئے ہیں کہ اہل سنت کے علماء مثلاً زبیری، امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے ان حضرات کی شاگردی اختیار کی ہے اور اس وقت کے صوفیاء مثلاً حضرت معروف کرخی وغیرہ نے ان حضرات سے کسب فیض کیا اور مشائخ طریقت نے ان حضرات کے سلسلہ کو سلسلۃ الذہب قرار دیا اور اہل سنت کے محدثین نے ان بزرگوں سے ہر فن خصوصاً تفسیر و سلوک میں احادیث کے دفتروں کے دفتر روایت کیے ہیں۔^۱

اب تو اہل سنت کے ائمہ مجتہدین، محدثین، مفسرین اور صوفیہ کو بھی شیعہ قرار دے دیجئے کہ وہ ائمہ اہل بیت سے ہر قسم کا استفادہ اور استناد کرتے رہے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی تو بارہ اماموں کو غوث ہی مانتے ہیں، لیکن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تو بارہ اماموں کو معصوم اور قطب ارشاد بھی مانتے ہیں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ان کی تائید کر رہے ہیں، ان کے شیعہ ہونے پر تو بہت پختہ مہر ثبت ہوئی چاہیے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بارہ اماموں کو چار صفات، عصمت، حکمت، وجاہت اور قطبیت باطنہ کا حامل قرار دیا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ان کے معصوم ہونے کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”عصمت کے دو معنی ہیں: (۱) گناہ پر قادر ہونے کے باوجود اس کا صدور محال ہو اور یہ معنی باجماع اہل سنت، حضرات انبیاء اور ملائکہ علویہ کے ساتھ مخصوص ہے (۲) گناہ کا صدور ہونا جائز ہے، اس پر کوئی محال لازم نہیں آتا لیکن اس کے باوجود صادر نہ ہو اور اس معنی کو صوفیہ محفوظیت کہتے ہیں اور اسی معنی کے اعتبار سے صوفیہ کے کلام میں اپنے لیے عصمت کی دعا واقع ہے“ (ترجمہ)

۱۔ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ، تحفہ اثنار عشریہ ص ۲۳۳

۲۔ ایضاً: فتاویٰ عزیزی فارسی ج ۱، ص ۱۲۸

الزمام علی، انہوں نے کہا کہ علی مرتضیٰ اس شخص کی بلا کو دفع کرتے ہیں اور تکلیفوں کو دور کرتے ہیں جو مشہور دُعا سیفی سات بار، تین بار، یا ایک بار پڑھے اور وہ دُعا یہ ہے،

ناد علیاً منظم العجائب والغرائب، تجده عوناً لك
فی النوائب، کل همّ وغمّ سینجلی بولا یتک
یا علی یا علی یا علی۔ لے

امام احمد رضا بریلوی نے یہ دُعا ایک ایسی کتاب سے نقل کی ہے جس کی اجازتیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے اساتذہ حدیث سے لیتے اور اپنے شاگردوں کو دیتے رہے، ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں،

”طرفہ تریسینے شاہ ولی اللہ صاحب کے ”انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ“ سے روشن کہ شاہ صاحب والا مناقب اور ان کے بارہ اساتذہ علم حدیث و مشائخ طریقت جن میں مولانا طاہر مدنی اور ان کے والد و استاذ و پیر مولانا ابراہیم کردی اور ان کے استاذ مولانا احمد قشاشی اور ان کے استاذ مولانا احمد شتاوی اور شاہ صاحب کے استاذ مولانا احمد نخلی وغیر ہم اکابر داخل ہیں کہ شاہ صاحب کے اکثر سلاسل حدیث انہیں علماء سے ہیں۔ جو اہر خمسہ حضرت شاہ محمد گوالیاری علیہ رحمۃ الباری و خاص ”دُعائے سیفی“ کی اجازتیں لیتے اور اپنے مریدین و معتقدین کو اجازت دیتے۔“ لے

اب بجائے اس کے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ان کے اساتذہ اور حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری کو مشرک، بدعتی اور شیعہ قرار دیا جاتا، اٹا امام احمد رضا بریلوی پر

البریلویہ ص ۲۲

لے ظہیر

الامن والعلی (مطبوعہ لاہور) ص ۱۲

لے احمد رضا خاں بریلوی امام

شیعہ ہونے کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ اگر دعائے سیفی کو ماننے کی بنا پر امام احمد رضا بریلوی شیعہ قرار پاتے ہیں تو مذکورہ بالا تمام حضرات سے دست بردار ہو کر اعلان کر دیجئے کہ وہ شیعہ اور مشرکانہ عقائد کے حامل تھے، آخر یہ تفریق کیوں؟

اسی الزام میں یہ بھی کہا گیا ہے؛

یہ شعر دفع امراض کے لیے مفید اور حصول وسیلہ و ثواب کا سبب ہے۔

لِيْ خَمْسَةَ اَطْفِيْ بِهَا حَرَّ الْوَبَاءِ الْحَاظِمَةِ
الْمُصْطَفَى وَالْمُرْتَضَى وَابْنَاهُمَا وَالْفَاظِمَةَ

یہ شعر فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۸۷ کے حوالے سے نقل کیا گیا، حالانکہ اس صفحہ میں شعر کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ اس شعر اور دعائے سیفی میں اہل بیت کرام سے توسل کیا گیا ہے جو امت مسلمہ کا سلفاً و خلفاً معمول رہا ہے۔ اس کی تفصیل تو توسل کی بحث میں ملاحظہ فرمائیں۔ سر دست امام شافعی کا یہ شعر ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں،

آل النبی ذر یعتی وھم الیہ وسیلتی
ارجو بھم اعطی عنداً ابید الیمین صحیفتی

”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل پاک، بارگاہِ الہی میں میرا ذریعہ اور وسیلہ ہیں امید ہے کہ قیامت کے دن ان کے وسیلے سے مجھے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا۔“

الزمام ص ۷، ”وہ علم جبر اور جامعہ کو مانتے ہیں، جبر وہ جلد تھی جس میں جعفر صادق نے ہر وہ چیز لکھ دی تھی جو قیامت تک ہونے والی تھی اور جس کی معرفت کی اہل بیت کو ضرورت ہو سکتی تھی، نیز جبر و جامعہ حضرت علی کی دوکتا ہیں ہیں

البریلویہ ۱ ص ۲۲

لہ ظہیر

ص ۱۸۰

الصواعق المحرقة

عہ ابن حجر مکی، بیہمی

جن میں اتہائے دنیا تک کے ہونے والے حوادث علم الحروف کے طریقہ پر لکھ دیئے تھے اور آپ کی اولاد میں سے ائمہ معروفین ان کو جانتے تھے۔

(ترجمہ ملخصاً)

علمی دنیا میں ایسی باتوں کی کیا وقعت ہے؟ علم جعفر کی اہم ترین کتابوں میں سے ایک شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تصنیف ہے۔ اس علم کے شروع کرنے سے پہلے چند اسماء البیہ کا ورد کیا جاتا ہے۔ خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ اگر حضور اجازت دیں، تو اس فن کو شروع کرے، ورنہ چھوڑ دے۔ کیا جو علوم قدیم زمانے سے چلے آ رہے ہوں، جن کو حضور اکرمؐ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت سے شروع کیا جاتا ہو اور جو ائمہ اہل بیت کا خصوصی علم ہو، کیا اسے جان لینے یا اس کے مان لینے سے انسان شیعہ ہو جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ائمہ اہل بیت اہل سنت کے محدثین، مفسرین، فقہاء و صوفیہ کے مقتدا و پیشوا ہیں، کیا ان سب پر تشیع کا حکم لگایا جائے گا؟ پھر یہ بھی قابل غور حقیقت ہے کہ شریعت مبارکہ نے جن علوم سے منع نہ کیا ہو، ان پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہو سکتی۔ نحو اور بلاغت کے بڑے بڑے ائمہ معتزلی ہوتے ہیں۔ کیا ان علوم میں مہارت حاصل کرنے والا معتزلی ہو جائے گا۔

السنام ۱۷۱، انہوں نے یہ جھوٹی روایت نقل کی، اسے برقرار رکھا، اور اہل سنت کو اس کی تلقین کی؛

رضا سے کہا گیا۔ جو امام ثامن اور شیعہ کے نزدیک معصوم ہیں۔
(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مجھے ایک کلام تعلیم فرمائیے کہ اہل بیت کرام کی زیارت میں عرض کیا کروں، فرمایا قبر سے نزدیک ہو کر چالیس بار تکبیر کہہ، پھر عرض کر،

ص ۲۲

البرطیہ

لے ظہیر

ص ۱۵۰-۱۴۹

محمد مصطفیٰ رضانا، مفتی اعظم، ملفوظات

سلام آپ پر اے اہل بیت رسالت! میں آپ سے شفاعت چاہتا ہوں اور آپ کو اپنی طلب و خواہش و سوال و حاجت کے آگے کرتا ہوں، خدا گواہ ہے مجھے آپ کے باطنِ کریم و ظاہرِ طاہر پر سچے دل سے اعتقاد ہے اور میں اللہ کی طرف بری ہوتا ہوں۔ ان سب جن وانس سے جو محمد اور آلِ محمد کے دشمن ہوں۔" لے

اس میں جھوٹ کی کیا بات ہے؟ امام احمد رضا بریلوی، حضرت علی موسیٰ رضا کا یہ فرمان خواجہ حافظی واسطی کی تصنیف فصل الخطاب اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف جذب القلوب سے نقل فرما رہے ہیں۔ لے

شیخ محقق کی عظمت و ثقاہت کو نواب صدیق حسن خاں بھوپالی ان لفظوں میں خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں؛

اعلم ان الہند لم یکن بہا علم الحدیث منذ فتحھا
 اهل الاسلام (الی ان قال) حتی من اللہ تعالیٰ علی الہند
 بافاضة هذا العلم علی بعض علمائہا کا الشیخ عبدالحق
 بن سیف الدین التریک الدہلوی المتوفی سنة اثنتین
 وخمسين والفاء واما الہم و هو اول من جاء بہ
 هذا الاقلم و افاضة علی سکانہ فی احسن تقویم
 جب سے مسلمانوں نے ہندوستان فتح کیا، یہاں علم حدیث کا چرچا نہیں تھا،
 یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان پر احسان فرمایا اور یہ علم وہاں کے علماء کو

۲۳ ص	البریلویہ	لے ظہیر
فتاویٰ رضویہ (مطبوعہ مبارکپور انڈیا) ج ۴، ص ۲۹۹		لے احمد رضا بریلوی، امام،
المحطۃ (اسلامی اکادمی، لاہور) ص ۱-۱۶۰		لے صدیق حسن خاں، نواب،

عطا فرمایا، جیسے شیخ محقق عبدالحق ابن سیف القرین ترک دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) وغیرہ علماء اور وہ اس علم کو اس خطے میں لانے اور یہاں کے باشندوں میں بہترین طریقوں پر پھیلانے والے پہلے بزرگ ہیں۔“

رہا یہ اعتراض کہ امام علی رضا شیعہ کے آٹھویں امام ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تصنیف تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۳۳ کے حوالہ سے اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت امام رضا اہل سنت کے محدثین، مفسرین، فقہاء اور صوفیاء کے مقتدا رہے ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

(علی الرضا) وهو انبہم ذکر او اجلمم قدرا.....

ومن موالیہ معروف الکرخی استاذ السری السقطی

لأنہ اسلم علی یدیدہ۔ لہ

”علی رضا ائمہ اہل بیت میں سے جلیل القدر عظیم المرتبہ ہیں۔ ستری سقطی کے استاذ معروف کرخی ان کے موالی میں سے ہیں، کیونکہ ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوتے تھے۔“

اس کے بعد امام رضا کی متعدد کرامتیں بیان کی ہیں۔ اہل بیت اور ان کے ائمہ سے عداوت اہل سنت کا نہیں، خوارج کا شیوہ ہے۔۔۔۔۔ اہل سنت و جماعت جس طرح صحابہ کرام کے دشمنوں سے بُری ہیں، اسی طرح اہل بیت کے دشمنوں سے بھی بُری ہیں۔

الزام علیہ انہوں نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ امام حسین

کے مزار کی تصویر، گھر میں بہ طور تبرک رکھنا جائز ہے۔“ لہ

بے شک بے جان چیز کی تصویر اپنے پاس رکھنا اور بنانا جائز ہے اور ایسی چیزیں

الصواعق المحرقة (مکتبۃ القاہرہ) ص ۲۰۲

لہ احمد بن حجر المکی البیہمی

معظمانِ دین کی طرف منسوب ہو کر تقدس حاصل کر لیتی ہیں، کعبہ شریف اور روضہ مبارکہ کی تصویریں بطور تبرک اپنے پاس رکھنے کو کون سا مسلمان پسند نہیں کرے گا؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل مبارک کے نقشے صد ہا سال سے ائمہ دین بناتے رہے ہیں اور ان کے فوائد و برکات میں مستقل رسالے تحریر فرماتے رہے جسے شوق ہو علامہ تلمسانی کے رسالہ فتح المتعال اور امام احمد رضا بریلوی کا رسالہ شفا ر الوالہ کا مطالعہ کرے۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ مبارکہ کا ماڈل (تعزیہ) جو تیار کیا جاتا ہے، اس کے بارے میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”اول تو نفس تعزیہ میں روضہ مبارک کی نقل ملحوظ نہ رہی۔ ہر جگہ نئی تراش، نئی گڑھت جسے اس نقل سے کچھ علاقہ نہ نسبت، پھر کسی میں پرپیاں، کسی میں براق، کسی میں بیہودہ طمطراق، پھر کوچہ بکوچہ، دشت بدشت اشاعتِ غم کے لیے اُن کا گشت اور ان کے گرد سینہ زنی اور ماتم سازی کی شورا فگنی، کوئی ان تصویروں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے، کوئی مشغولِ طواف، کوئی سجدہ میں گرا ہوا ہے، کوئی ان مایہ بدعات کو معاذ اللہ معاذ اللہ اجلوۃ گاہ حضرت امام علیؑ و علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ کر اس ابرک پتی سے مرادیں مانگتا، منتیں مانتا ہے، حاجت روا جانتا ہے۔۔۔۔۔۔ اب کہ تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے، قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے۔۔۔۔۔۔ روضہ اقدس حضور سید الشہداء کی ایسی تصویر (ماڈل) بھی نہ بنائے، بلکہ صرف کاغذ کے صحیح نقشے (فوٹو) پر قناعت کرے۔“

کیا ہے کوئی شیعہ جو اس قسم کا فتویٰ دے؟

ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

لے احمد رضا بریلوی، امام، رسالہ تعزیہ داری (مکتبہ جامعہ، لاہور) ص ۲-۳

ويحرم صنع الضرائح منسوبة الى الحسين عليه و
 على آباءه السلام، التي يصنعها اهل الهند بالقرطاس
 ويسمونها "تعزية" له

"امام حسين عليه وعلى آباءه السلام کی طرف منسوب قبروں کے بنانے کو حرام
 قرار دیتے تھے جو اہل ہند کا مذہب سے بناتے ہیں اور جسے تعزیر کہتے ہیں۔"
 الزام عنہ؛ "ان کا سلسلہ بیعت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک
 ائمہ شیعہ کے ذریعے پہنچتا ہے جیسا کہ انہوں نے خود اپنی عربی عبارت میں
 ذکر کیا ہے؛

اللهم صل وبارك على سيدنا ومولانا محمد
 المصطفى رفيع المكان، المرتضى على الشان، الذي
 من جيل من امت خير من الرجال السابقين وحسين
 من ثم مرتة احسن من كذا وكذا احسن من السابقين
 السيد السجاد زين العابدين، باقر علوم الانبياء
 والمرسلين، ساقى الكوثر ومالك تسنيم وجعفر
 الذي يطلب موسى الكليم رضاه بالصلوة عليه

جن ائمہ اہل بیت کے ذریعے امام احمد رضا بریلوی کا سلسلہ بیعت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 تک پہنچتا ہے، ان ائمہ کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی معصوم مانتے ہیں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی انہیں اہل سنت
 کے پیشوا و مقتدی قرار دیتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ سید احمد بریلوی پیر و مرشد شاہ اسماعیل دہلوی
 کا سلسلہ طریقت بھی انہی ائمہ اہل بیت کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

ص ۲۳

البریلویہ

لہ ظہیر

مخزن احمدی و مطبع مفید عام، آگرہ، ص ۱۲-۱۱

لہ محمد علی ہسید

اگر اسی بنا پر کسی کو شیعہ قرار دیا جاسکتا ہے، تو ماننا پڑے گا کہ شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز اور سید صاحب بھی شیعہ تھے اور ان کے امین و وابستہ علماء۔ اہل حدیث بھی لازماً شیعہ ٹھہریں گے۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، پیشوائے اہل حدیث شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

مسند الوقت للشیخ الاجل

یز کہتے ہیں:

”علم حدیث، تفسیر، فقہ اور اصول اور ان سے متعلق علوم، صرف اسی خانوادے میں تھے۔ اس بارے میں کوئی موافق یا مخالف اختلاف نہیں کر سکتا سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ نے انصاف سے اندھا کر دیا ہو۔“

عربی شجرہ طریقت

ماربرہ شریف کے بزرگ سید شاہ اسماعیل حسن میاں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ برکت اللہ قدس سرہ کے عرس کے موقع پر مولانا شاہ احمد رضا ناں بریلوی تشریف فرما تھے۔ میں نے مولانا عبدالمجید بدایونی کا شجرہ عربی بصورتِ درود شریف دکھایا اور کہا کہ ہمارا شجرہ بھی عربی، درود شریف کی صورت میں لکھ دیجئے، وہ فرماتے ہیں:

”اُسی وقت میاں صاحب بھائی مرحوم کے قلمدان سے قلم لے کر قلم برداشتہ بغیر کوئی مسودہ کئے ہوئے ہمارے وظیفہ کی کتاب پر نہایت خوشخط اور اعلیٰ درجہ کے مرقع و مسجع صیغہ درود شریف میں شجرہ قادریہ برکاتیہ جدیدہ تحریر فرمایا۔“

۲۴۱ ص ۳ ج	ابجد العلوم،	لے صدیق حسن خاں، نواب،
۲۴۲ ص	”	لے ایضاً
۱۳۱ ص ۱ ج	حیات اعلیٰ حضرت	لے ظفر التین، ہاری مولانا،

امام احمد رضا کے قلم سے لکھے ہوئے اس شجرہ کا عکس انوارِ رضا (ص ۲۸ تا ۳۰) میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ شجرہ مارہرہ شریف میں ۲۱ محرم بروز جمعہ ۱۳۰۶ھ کو تحریر فرمایا۔ سنہ بلاشبہ عربی زبان پر امام احمد رضا کی دسترس کا بہترین گواہ اور عربی ادب کا شہ پارہ ہے۔ لسان عربی کا ماہر اسے دیکھے تو پھٹک اٹھے، لیکن جسے اس کا مطلب ہی سمجھ نہ آئے، وہ اعتراض کے سوا کیا کر سکتا ہے؟ اور اعتراض بھی ایسے کمزور کہ جنہیں دیکھ کر اہل علم مسکراتے بغیر نہ رہ سکیں، لکھتا ہے:

”اس عبارت سے عربی میں ان کا نابغہ اور ماہر ہونا ظاہر ہو جاتا ہے، وہ شخص جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تین سال کی عمر میں عربی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔“

جب کہ اُن کی اپنی حالت یہ ہے کہ عربی عبارت صحیح نقل بھی نہ کر سکے، اصل عبارت یہ تھی ”خَيْرٌ مِنْ رِجَالٍ مِنَ السَّالِفِينَ“ اسے یوں نقل کر دیا: ”خَيْرٌ مِنَ السَّالِفِينَ“ یعنی ”رِجَالٍ“ پر الف لام زیادہ کر دیا اور اس کے بعد ”مِنْ“ حذف کر دیا۔ ”رِجَالٍ“ پر تنوین تعظیم کے لیے تھی، اس کے حذف کرنے سے اصل مفہوم برقرار نہیں رہا۔ پھر کئی جگہ قومہ (۶) بے موقع اپنے پاس سے لگا دیا، مثلاً ”كَذَا وَكَذَا“ حسنًا کے درمیان اسی طرح تسنیم اور جعفر کے درمیان اور يُطَلَّبُ اور مُوسَى الْكَلِيمِ کے درمیان جعفر کے بعد قومہ ہونا چاہیے تھا، جو نہیں دیا گیا۔ اگر عبارت کا مطلب سمجھ میں آجاتا تو یہ تبدیلیاں روکنا ہوتیں۔

در اصل شجرہ طریقت میں جتنے بزرگوں کے نام تھے، اُن کو امام احمد رضا بریلوی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف بتا دیا ہے یا کسی طور پر آپ کے وصف میں فکر لے آئے ہیں اور اس درود شریف کا ترجمہ

ص ۳۰

انوارِ رضا

۱۔ شرکت حنفیہ، لاہور

ص ۲۳

البریلویہ

۱۔ نظیریہ

ملاحظہ ہو، ترقی و ترقی جاتا رہے گا۔

اے اللہ! سلوٰۃ و سلام اور برکت نازل فرما، ہمارے آقا و مولا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مستحب بلند مرتبے والے، پسندیدہ عالی شان والے پڑ جن کی امت کا ایک چھوٹا مرد پہلے بڑے بڑے مردوں سے بہتر ہے اور جن کے گروہ کا چھوٹا سا حسین گزشتہ بڑے بڑے حسینوں سے زیادہ حسن والا ہے، سر و اہمیت سجدے کرنے والے عابدوں کی زینت، انبیاء و مرسلین کے علوم کے کھولنے والے کوثر کے ساتھی، تسنیم اور جعفر (جنت کی نہر) کے مالک، وہ کہ موسیٰ کلیم علیہ السلام ان پر درود بھیج کر ان کے رب کی رضا طلب کرتے ہیں۔“

یہ تمام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف ہیں۔ شجرہ میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی تھا اور حسین تصغیر کا صیغہ ہے، جس کا استعمال حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بے ادبی تھا! اس لیے اسے انتہائی حسین اور لطیف طریقے پر لاتے ہیں!

”جن کے گروہ کا چھوٹا سا حسین، گزشتہ بڑے بڑے حسینوں سے زیادہ

حسن والا ہے۔“

سبحان اللہ! کیا پاس ادب ہے اور کیا حسن بیان! چونکہ یہیں عبارت کا مطلب نہیں سمجھے، اس لیے بڑے بھولپن سے کہتے ہیں،

”پتا نہیں یہ کونسی ترکیب ہے اور کیسی عبارت ہے؟“

مطلب سمجھ میں آجاتا، تو اس سوال کی نوبت ہی نہ آتی۔ پھر کہتے ہیں،

”باقر علوم الانبیاء کا کیا معنی ہے؟“

اتنی واضح عبارت کا معنی بھی سمجھ میں نہیں آتا، اس کے باوجود امام احمد رضا کی عربی دانی ہے۔

لکھتے ہیں، گزشتہ سطور پر ترجمہ دیا جا چکا ہے، اسے دیکھنے سے معنی سمجھ میں آجائے گا۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ امام محمد باقر کو باقر اس لیے کہتے ہیں،
لانہ بقرا العلم ای شقہ وفتحہ فعراف اصلہ و
تمکن فیہ لہ

”کہ انہوں نے علم کو کھول دیا، اس کی اصل کو پہچانا اور اس میں ماہر ہوئے۔“
”باقر علوم الانبیاء“ کا معنی ہوگا، انبیاء کے علم کو کھولنے والے اور بیان فرمانے والے
یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصف ہے۔ پھر کہتے ہیں:

وما معنی ”بالصلوة علیہ“؟

”بالصلوة علیہ“ کا معنی کیا ہے؟

پورے جملہ کا ترجمہ دیکھئے معنی سمجھ میں آجائے گا۔

”وہ کہ موسیٰ کلیم علیہ السلام ان پر درود بھیج کر ان کے رب کی رضا طلب کرتے ہیں“

الزام عا: انہوں نے پاک و ہند اور بیرونی ممالک کے اہل سنت کی

تکفیر کی اور تصریح کی کہ ان کی مسجدیں، مسجدیں نہیں، ان کی ہم نشینی اور ان

سے نکاح جائز نہیں، لیکن شیعہ کو اپنے فتوؤں کا ہدف نہیں بنایا، ان کے مراکز

اور امام باڑوں کے بارے میں گفتگو نہیں کی۔ اس کے برعکس کہتے ہیں کہ شیعہ نے

ایک امام باڑہ بنایا، پھر بریلوی کے پاس گئے، تو انہوں نے اس کا تاریخی نام

تجوینہ کر دیا۔“

یہ بالکل خلاف حقیقت ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے دنیا بھر کے اہل سنت کی

تکفیر کی۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ابواب میں بیان کیا جائے گا کہ انہوں نے خدا اور رسول کی بارگاہ

۱۔ ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی: شرح مسلم (نور محمد، کراچی) ج ۱، ص ۱۵

۲۔ ظہیر، البریلویہ، ص ۲۴

۳۔ ایضاً، ص ۲۴

میں گستاخی کرنے اور ضروریاتِ دین کا انکار کرنے والوں کے بارے میں حکمِ شریعت بیان کیا ہے۔
 رہا امام ہارڈ کا تاریخی نام تجویز کرنا، تو وہ بھی ایک خاص لطیفہ ہے جس سے قارئین کرام
 لطف اندوز ہوتے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ۱۲۸۶ھ میں جبکہ امام احمد رضا بریلوی کی عمر چودہ سال
 تھی، ایک صاحب نے درخواست کی کہ امام ہارڈ تعمیر کیا گیا ہے، اس کا تاریخی نام تجویز کر دیجئے۔
 آپ نے برجستہ فرمایا:

”بدرِ رضن“ (۱۲۸۶ھ) نام رکھ لیں، اُس نے کہا امام ہارڈ گزشتہ سال تیار ہو چکا
 ہے۔ مقصد یہ تھا کہ نام میں رضن نہ آئے۔ آپ نے فرمایا: ”دارِ رضن“ (۱۲۸۵ھ)
 رکھ لیں۔ اس نے پھر کہا اس کی ابتداء ۱۲۸۴ھ میں ہوئی تھی۔ فرمایا: ”درِ رضن“
 مناسب رہے گا۔“ لے

یہ واقعہ اس امر کی دلیل ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے اُن کی خواہش کے مطابق
 فرمائش پوری نہیں کی اور ایسا نام تجویز کیا جو شیعہ کے لیے قابلِ قبول نہ تھا۔ حیرت ہے کہ
 اسی واقعہ کو ان کے شیعہ ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔

گزشتہ صفحات میں اختصار کے پیش نظر امام احمد رضا بریلوی کے چند رسائل کے نام
 پیش کیے گئے ہیں جو ردِ شیعہ میں ہیں۔ احکامِ شریعت اور فتاویٰ رضویہ جلد ششم کے چند صفحات
 کی نشان دہی کی گئی ہے، جن کے دیکھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ امام احمد رضا نے شیعہ کے رد
 میں کیسے کیسے فتوے صادر فرمائے ہیں۔

۲۱ صفر ۱۳۳۹ھ کو قاضی فضل احمد لدھیانوی (مصنف انوار آفتابِ صداقت) نے ایک
 استفتاء بھیجا کہ ایک رافضی نے کہا ہے کہ آیت کریمہ: ”اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنتَقِمُونَ“
 کے اعداد (۱۲۰۲) ہیں اور یہی عدد ابوبکر، عمر، عثمان کے ہیں، یہ کیا بات ہے؟

اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

لے حضرت الدین بھائی مولانا، حیات اعلیٰ حضرت

ص ۱۱

”روافض لعنہم اللہ تعالیٰ کی بنائے مذہب ایسے ہی ادہام بے سرو پاؤ پاور ہوا
پر ہے؛

اولاً، ہر آیت عذاب کے عدد اسماء اخیار سے مطابقت کر سکتے ہیں اور
ہر آیت ثواب کے عدد اسماء کفار سے کہ اسماء میں وسعت وسیعہ ہے۔
ثانیاً، امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کے تین صاحبزادوں کے نام ابو بکر، عمر
عثمان ہیں، رافضی نے آیت کو ادھر پھیرا، نامی ادھر پھیرے گا اور دونوں
ملعون ہیں۔

ثالثاً، رافضی نے اعداد غلط بتائے۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام
پاک میں الف نہیں لکھا جاتا، تو عدد بارہ۔ ایک ہیں نہ کہ دو۔
ہاں اور رافضی! بارہ سو دو عدد ہیں کا ہے کے؟ ابن سبار افضہ (۱۲۰۲)
کے۔

ہاں اور رافضی! بارہ سو دو عدد ہیں ان کے۔

ابلیس یزید ابن زیاد شیطان الطاق کلینی

ابن بابویہ قمی طوسی حلی (۱۲۰۲)

ہاں اور رافضی اللہ عزوجل فرماتا ہے؛

ان الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعالست

منہم فی شیئ

”بیشک جنہوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور شیعہ ہو گئے، اے نبی!

تہیں ان سے کچھ علاقہ نہیں۔“

اس آیت کریمہ کے عدد ۲۸ ۲۸ ہیں اور یہی عدد ہیں۔

”روافض اثنا عشریہ شیطنیہ اسمعیلیہ کے (۲۸ ۲۸)

ہاں اور افضی! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لھم اللعنة ولھم سوء الدار
ان کے لئے لعنت ہے اور ان کے لیے ہے بُرا گھر

اس کے عدد ہیں ۶۴۴ اور یہی عدد ہیں:

”شیطان الطاق طوسی حلی“ کے (۶۴۴) ۱۰

اس کے بعد متعدد آیات بیان فرمائیں جن میں اجر و ثواب کا ذکر ہے اور ان کے اعداد صحابہ کرام کے اسماء مبارکہ کے اعداد کے برابر ہیں۔ کیا کوئی شیعہ ایسا جواب دے سکتا ہے؟ یقیناً نہیں، تو پھر یہ کہنے دیجئے کہ اہل سنت کے ایسے امام کو کوئی خارجی ہی الزام دے سکتا ہے۔ الزام ۱۲: انہوں نے بعض قصائد میں ائمہ شیعہ کی مدح و منقبت میں مبالغہ کیا ہے۔ ۱۰

اس کے لیے کسی صفحہ نمبر کا حوالہ نہیں دیا، صرف حدائق بخشش کا نام لکھ دیا ہے، کیونکہ اگر صفحہ نمبر لکھ دیا جاتا، تو معلوم ہو جاتا کہ جن حضرات کی منقبت ہے، وہ اہل سنت ہی کے مسلم پیشوا و مقتدا ہیں، جیسا کہ اس سے پہلے شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حوالہ سے بیان کیا جا چکا ہے۔

اہل حدیث کا خود شیعہ ہونے کا اقرار

امام احمد رضا بریلوی پر شیعہ ہونے کے الزامات بلکہ اتہامات کا تجزیہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے۔ الزام دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ان کا سلسلہ بیعت ائمہ شیعہ کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ انہوں نے ائمہ شیعہ کی تعریف کی ہے۔ ان

۱۰ نظر الدین بہاری، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۹-۱۲۸

۱۰ ظہیر، السبیلویہ ص ۲۴

الزامات کی حقیقت اس سے پہلے منکشف ہو چکی ہے۔ اس طرز استلال کے مطابق اہل حدیث کے مشہور پیشوا نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کو بھی شیعہ قرار دینا چاہیے کہ ان کا سلسلہ نسب ہی اُن ائمہ سے وابستہ ہے۔ جنہیں ائمہ شیعہ کہا گیا ہے۔

نواب صاحب اپنے والد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ونسبہ الاقصیٰ یدتھی الی سیدنا زین العابدین
علی اصغر بن حسین الشہید بکر بلا رضی اللہ
تعالیٰ عنہ

”ان کا بالائی سلسلہ نسب سیدنا زین العابدین علی اصغر ابن حسین
شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔“

میاں نذیر حسین دہلوی جو غیر مقلدین کے شیخ الکل ہیں اور جن کے بارے میں کہا جاتا ہے:
من سلالۃ الرسول الشریف نذیر حسین الدہلوی
”خاندان رسول میں سے سید نذیر حسین دہلوی۔“

ان کا شجرہ نسب حضرت حسن عسکری سے ملتا ہے اور ان کے سلسلہ نسب میں
وہ تمام حضرات موجود ہیں جنہیں شیعہ کے بارہ امام کہا گیا ہے۔^۳
اس سے بھی بڑھ کر نواب وحید الزمان کا اعتراف سینے، جو کتب حدیث کے مترجم
اور اہل حدیث ہیں، لکھتے ہیں:

اہل الحدیث ہم شیعۃ علی یحبون اہل بیت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ویتولونہم ویحفظون فیہم وصیتہ
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذکر کہ اللہ فی اہل بیتی

۱۔ صدیق حسن خاں، نواب، اجدالعلوم ج ۳، ص ۲۶۷
۲۔ ظہیر، البریلویہ ص ۱۶۳
۳۔ فضل حسین بہاری الحیاۃ بعد الممات (مکتبہ شعیب کراچی) ص ۱۱-۱۰

وإني تارك فيكم الثقلين كتاب الله وعترتي أهل بيتي
ويقدمون قول أهل البيت في المسائل القياسية على أقوال
الآخرين وأهل البيت علي والحسن والحسين وفاطمة
وأولاد فاطمة وأولاد أولادهم إلى يوم القيامة لـ
"أهل" حدیث شیعہ علی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت سے
محبت و موالات رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
اس وصیت کا پاس رکھتے ہیں کہ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ
کی یاد دلاتا ہوں اور میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں،
(۱) کتاب اللہ (۲) میری عترت اور اہل بیت — اور اہل حدیث قیاسی مسائل
میں اہل بیت کے اقوال کو دوسروں کے اقوال پر مقدم رکھتے ہیں۔ اہل بیت
یہ ہیں، حضرت علی، حسن و حسین، فاطمہ، اولاد فاطمہ اور قیامت تک ہونے
والی ان کی اولاد۔"

ان میں وہ تمام حضرات بھی شامل ہیں جنہیں شیعہ کے بارہ امام کہا گیا ہے۔ اب بتایا جائے
کہ اقراری شیعہ کون ہے؟ امام احمد رضا بریلوی اور ان کے ہم مسلک یا نواب و حید الزمان اور
ان کے ہم خیال غیر مقلدین؟

ع ندعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

خود ظہیر صاحب کو ان کے ایک غیر مقلد بھائی مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں،
"ہی طرح الشیعہ والسنۃ لکھنے کے باوجود، شیعہ علماء کے لیے عرب ممالک
کے ویزے کے لیے کوششیں کرنے کو بھی موضوع مباح بنا لیجیے۔"
شیعہ علماء کو ویزے دلانے کی کوشش ربط معنوی کے بغیر تو نہیں ہو سکتی۔

لے وحید الزمان، نواب،
لے حافظ عبدالرحمن منی،
ہدیۃ المہدی (مطبوعہ سیالکوٹ)، ص ۱۰۰
ہفت روزہ اہل حدیث لاہور (شمارہ سہراگست ۱۹۸۸ء ص ۱۰۰)

دنیا سے بے نیازی اور سخاوت

امام احمد رضا بریلوی خاندانی رئیس تھے، ان کے آباؤ اجداد نادرشاہ کے ساتھ قندھار سے آکر دہلی میں بلند مناصب پر فائز رہے۔

ڈاکٹر مختار الدین آرزو (علی گڑھ) لکھتے ہیں:

”آپ نے امور دنیا سے کبھی تعلق نہ رکھا، آپ کے آباؤ اجداد سلاطین دہلی کے دربار میں اچھے منصبوں پر فائز تھے۔ جب آپ نے آنکھ کھولی تو گروہ پیش امارت و ثروت کی فضا پائی۔ خود زمیندار تھے، لیکن ساری جائیداد کا کام دوسرے عزیزوں کے سپرد تھا، انہیں کتابوں کی خریداری، ساداسکی مہمان نوازی اور گھر کے اخراجات کے لیے ماہانہ ایک رقم مل جاتی تھی، چونکہ داد و ہش کے عادی تھے، اس لیے کبھی ایسا ہوا کہ قلمدان میں ۳۰ آنے سے زیادہ موجود نہیں رہے، لیکن انہوں نے کبھی نہیں پوچھا کہ گاؤں کی آمدنی کتنی آئی اور مجھے کتنی ملی۔“

ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں،

”کاشانہ اقدس سے کبھی کوئی سائل خالی نہ پھرتا۔ اس کے علاوہ بیوگان کی امداد، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، ناداروں کے توکل علی اللہ

ص ۱۲-۱۳

حیاتِ اعلیٰ حضرت

لے ظفر الدین بہاری، مولانا،

ص ۳۶۰

انوارِ رضا

لے مختار الدین آندو، ڈاکٹر،

میں نے مقرر تھے اور یہ اعانت فقط مقامی نہ تھی، بلکہ بیرون جات میں بذریعہ

منی آرڈر رقم امداد روانہ فرمایا کرتے تھے۔" لہ

استغناء نفس کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی سے طلب نہ فرماتے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"گاؤں سے رقم آتی نہیں تھی اور ضروریات کے لیے کسی سے طلب نہیں

کرتا ہوں۔" لہ

ان کی اسی ادا کو مخالف کس نظر سے دیکھتا ہے، آپ بھی دیکھیں اور داد دیں، لکھا ہے:

"بعض اوقات سالانہ ملنے والی رقم کافی نہ ہوتی اور وہ دوسروں سے

قرض لینے پر مجبور ہو جاتے، کیونکہ ان کے پاس ڈاک کے ٹکٹ خریدنے کے لیے

رقم موجود نہ ہوتی تھی۔" لہ (ترجمہ)

حالانکہ حیاتِ اعلیٰ حضرت کے اسی صفحہ پر امام احمد رضا بریلوی کے یہ الفاظ موجود ہیں

کہ "ضروریات کے لیے کسی سے طلب نہیں کرتا ہوں" قرض لینے کا کیا معنی؟ کسی دفعہ ایسا ہوتا

ہے کہ انسان کے پاس خرچ کے لیے کچھ نہیں ہوتا، اس کے باوجود کسی سے طلب نہیں کرتا۔

یہ اعتراض بھی دیدہ حیرت سے دیکھنے کے قابل ہے لکھتے ہیں:

"ایک طرف تو یہ تنگ دستی کہ ٹکٹ کے لیے پیسے نہیں، دوسری طرف

یہ کہ انہیں دستِ غیب سے بکثرت مال و دولت ملتا تھا۔ بہاری رضوی

(مولانا ظفر الدین بہاری) راوی ہیں کہ بریلوی کے پاس ایک متقل سندوچی

تھی جسے وہ بوقتِ ضرورت ہی کھولتے تھے اور جب اُسے کھولتے تو مکمل

طور پر نہیں کھولتے تھے، اس میں ہاتھ ڈالتے اور مال، زیور اور کپڑے جو چاہتے

نکال لیتے تھے۔"

وكان يخرج منها ما شاء من المال والمحلى والثياب
 یہ واقعہ مولانا نسیم بستوی کی کتاب اعلیٰ حضرت بریلوی کے حوالہ سے بیان کیا۔ پھر
 حیاتِ اعلیٰ حضرت ص ۵۷ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں،
 بریلوی کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت اپنے احباب اور
 دوسرے لوگوں میں کثیر زیورات تقسیم کیا کرتے تھے۔
 (كان يوزع على الناس) ۷
 اس جگہ چند امور لائق توجہ ہیں:

(۱) حیاتِ اعلیٰ حضرت اور اعلیٰ حضرت بریلوی دونوں کتابوں میں ایک ہی واقعہ جبل پور
 کا بیان کیا گیا ہے۔ نیز راوی بھی ایک ہیں سید ایوب علی رضوی، لیکن تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ
 یہ دو واقعے ہیں، بلکہ کان یخرج اور کان یوزع کے الفاظ سے تو یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ
 یہ واقعہ عام طور پر پیش آتا رہتا تھا حالانکہ دونوں کتابوں میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ہے۔
 (۲) حیاتِ اعلیٰ حضرت میں اسی واقعہ کے دوسرے راوی مولانا حسنین رضا خاں،
 امام احمد رضا خاں بریلوی کے مہتمم ہیں، انہیں بیٹا قرار دینا تسامح سے خالی نہیں
 (۳) ممکن ہے یہ چیزیں پہلے سے صندوقی میں رکھی ہوئی ہوں، بیان کرنے والے کا تاثر
 ہے کہ یہ کرامت تھی اور کرامت کا انکار معتزلہ کا شیوہ ہے۔
 حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں،

وخالفهم المعتزلة حيث لم يشاهدوا فيما
 بينهم هذا المنزلة ۸

۷	ظہیر	السريلوية	ص ۲۵-۲۴
۸	ایضاً	" "	ص ۲۵
۹	علی بن سلطان محمد الثاری علامہ	شرح فقہ اکبر (مصطفیٰ البانی، مصر)	ص ۷۹

”معتزلہ نے اس مسئلہ میں اہل سنت سے اختلاف کیا ہے، کیونکہ انہیں اپنے افراد میں یہ مرتبہ دکرامت دکھانی نہیں دیا۔“

(۴) اللہ تعالیٰ بہ طورِ کرامت کسی کے ہاتھ پر ظاہر فرما دے۔ یہ الگ چیز ہے اور دستِ غیب ایک الگ چیز ہے کہ مثلاً ہر روز تکیے کے نیچے سے مخصوص رقم ملتی رہے۔

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں؛

”دستِ غیب کے لیے دُعا کرنا محالِ عادی کے لیے دُعا کرنا ہے جو مثلِ محالِ عقلی و ذاتی کے حرام ہے۔“ لہ

ایک بے سرو پا الزام یہ بھی لگاتے ہیں؛

”اُن کے مخالفین یہ تہمت لگاتے ہیں کہ دستِ غیب کا صند و قچی وغیرہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ انگریزی استعمار کا ہاتھ تھا جو انہیں اپنے اغراض و مقاصد میں استعمال کرنے کے لیے لدا دیتا تھا۔“ لہ

یہ تو آئندہ کسی مقام پر تفصیل سے بیان کیا جائے گا کہ انگریزی امداد کسے ملتی تھی؛ اس مقام پر تو صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ اس الزام کو مخالفین کی تہمت تسلیم کیا گیا ہے اور البریلویہ کے ص ۲۶ پر خود اس الزام کی تردید کر دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کی آمدنی کا ذریعہ مریدین کے تحائف اور امامت کی تنخواہ تھی۔ باقی سب باتیں من گھڑت ہیں۔ اصل عبارت یہ ہے؛

ان ما ذکرناہ و اثبتناہ آخراہوالاصح فی دخلہ ومعاشہ

والباقی کلمات مختلفات۔ لہ

”ان کی آمدنی اور ذریعہ معاش کے سلسلے میں صحیح ترین بات وہی جو ہم نے آخر میں بیان کی، باقی سب ڈھکوسلے ہیں۔“

لہ احمد رضا بریلوی، امام؛ احکام شریعت (مدینہ پبلشنگ کراچی) ص ۲۳۰

ص ۲۵ السبریلویہ

ص ۲۶

لہ ظہیر
لہ ایضاً

قبارتین کرام خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسے الزام کی حقیقت ڈھکوسلے سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے؛ جو ایک صفحے پر مخالفین کی تہمت کے طور پر بیان کیا گیا ہو اور اگلے صفحہ پر خود ہی اس کی تردید کر دی گئی ہو۔

امام احمد رضا بریلوی کی آمدن اور ذریعہ معاش کے بارے میں اس طرح خیال آرائی کی گئی ہے:

”ان کی آمدنی کا بڑا حصہ مریدین کی نذروں اور مخالف پر مشتمل تنہایا پھر مسجد کی تنخواہ پر گزر بسر ہوتی تھی، کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ بریلوی کے والد یا دادا زراعت، صنعت یا تجارت و حرفت میں مصروف رہے ہوں، یہی حالت بریلوی کی اپنی تھی۔“ (ملخصاً) لے

علمی دنیا میں اس قسم کے استدلال کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؛ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی، خاندانی رئیس اور زمیندار تھے۔ زمینوں کی دیکھ بھال اور کاشت دوسرے لوگوں کے سپرد تھی۔ وہاں سے ہونے والی آمدنی بھی آپ کے عزیزوں کے سپرد تھی، جس میں سے وہ کتابوں کی خریداری، سادات کرام کی خدمت اور گھریلو اخراجات کے لیے رقم پیش کر دیا کرتے تھے۔

جناب سید الطاف علی بریلوی جنہوں نے بچپن میں امام احمد رضا بریلوی کی زیارت کی تھی فرماتے ہیں:

”مولانا مالی اعتبار سے بہت ذی حیثیت تھے، معقول زمینداری تھی جس کا تمام تر انتظام ان کے چھوٹے بھائی مولوی محمد رضا خاں صاحب کرتے تھے۔ مولانا اور ان کے اہل خاندان کے محلہ سوداگران میں بڑے بڑے مکانات تھے، بلکہ پورا محلہ ایک طرح سے ان کا تھا۔“ لے

جناب منور حسین سیف الاسلام جو نو عمری میں امام احمد رضا بریلوی کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے، ان کا بیان ہے :

”یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان اور اس خاندان کے جتنے بھی حضرات تھے سب پُرانے خاندانی زمیندار تھے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بہت بڑے باغات تھے۔ شہر بریلی میں بہت سی دکانیں اور محلوں میں بہت سے مکانات تھے جن کا کرایہ آتا تھا، مگر مجھ کو کرایہ وصول کرنے والوں سے معلوم ہوا کہ غریبوں، بیواؤں سے کرایہ نہیں لیتے تھے۔“ لہ

مولوی عبدالعزیز خاں بریلوی لکھتے ہیں :

”اس خاندان سے دکی، دیہات زمینداری سے امیرانہ بسر ہوتی تھی۔“ امام احمد رضا بریلوی کی ثلہیت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ہزاروں فتوے تحریر کیے، مگر کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ انہوں نے کسی فتوے پر فیس لی ہو، نماز وہ خود پڑھاتے تھے، لیکن یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے کبھی تنخواہ لی ہو، ان کے شب و روز دین متین اور اُمتِ مسلمہ کی فی سبیل اللہ خدمت اور راہنمائی میں صرف ہوتے تھے، باقی رہے تحفے تحائف تو ان کا احباب اور صالحین کو پیش کرنا اور قبول کرنا سنت سے ثابت ہے۔ بزرگوں کو پیش کیے جانے والے تحائف عرفی نذر ہیں جس کا معنی ہدیہ اور تحفہ ہے، شرعی نذر نہیں کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

ایک شخص نے امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں مٹھائی لاکر پیش کی۔ آپ نے فرمایا، یہ تکلیف کیوں کی؟ اُس نے کہا یہ تحفہ ہے اور بس! کچھ ہی دیر بعد اس نے ایک تعویذ طلب کیا۔ آپ نے فرمایا، میں عموماً خود تعویذ نہیں لکھا کرتا، البتہ میرے عزیزوں

لے مرید احمد ہشتی، جہانِ رضا، ص ۱۵۳

لے عبدالعزیز خاں بریلوی، تاریخ رد، پہل کھنڈ، مع تاریخ بریلی دکتہ علم و فکر کراچی، ۲۱، ۲۵

تعویذ لکھا کرتے ہیں، ان سے منگوائے دیتا ہوں۔ تعویذ منگو کر دے دیا اور ساتھ ہی خادم کو فرمایا کہ مسٹھانی واپس کر دی جائے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ یہ مسٹھانی تعویذ کے لیے نہیں، محض تحفے کے طور پر لایا تھا۔ آپ نے فرمایا: ہما۔ سے ہاں تعویذ کا نہیں کرتے اور مسٹھانی واپس کر دی۔ لے

ایسی سراپا خلوص شخصیت کے بارے میں یہ کہنے کا کیا جواز ہے کہ ان کی گزر بسر امامت کی تنخواہ پر ہوتی تھی؟ امام احمد رضا بریلوی کے خلوص اور لٹہریت کا اندازہ ان کی تحریرات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، فرماتے ہیں:

”یہاں بچمدہ تعالیٰ نہ کبھی خدمتِ دینی کو کسبِ معیشت کا ذریعہ بنایا گیا نہ اجنبی علمائے شریعت یا برادرانِ طریقت کو ایسی ہدایت کی گئی۔ بدتہ تاکید سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دستِ سوال دراز کرنا تو درکنار اشاعتِ دین و حمایتِ سنت میں جلدِ منفعتِ مالی کا خیال دل میں نہ لائیں کہ ان کی خدمتِ خالصاً لوجہ اللہ ہو، اگر بلا طلب اہل محبت سے کچھ نذر (تحفہ) پائیم ہارونہ و سرمایہ کہ اس کا قبول کرنا سنت ہے۔“ ۱

اہلِ مدینہ طیبہ کے لیے ہدیہ

ایک نیاز مند نے مدینہ طیبہ سے خط لکھ کر امام احمد رضا بریلوی سے سچاس روپے طلب فرماتے۔ آپ کی عادتِ کریمہ یہ تھی کہ سائل کا سوال رد نہیں کرتے تھے۔ اتوار کو یہ خط ملا، بدھ کو ڈاک جاتی تھی۔ پیر کا دن ایسے ہی گزر گیا، منگل کے خیال آیا، لیکن اتفاق کی بات کہ پاس کچھ نہ تھا، مغرب کے بعد تشویش ہوئی، خود فرماتے ہیں:

۱ لے تفضل الدین بہاری، مولانا؛ حیاتِ اعلیٰ حضرت ص ۲۹

۲ ریاست علی قادری، سید؛ معارفِ نناد مطبوعہ کراچی، ۱۰۶، ۱۰۷، ص ۳۲۳

"میں نے سرکار میں عرض کیا کہ حضور ہی میں بھیجنا ہیں، عطا فرماتے جاتیں کہ بابر سے حسنین رضا خاں، اعلیٰ حضرت کے مہتے، نے آواز دی کہ سیٹھ ابراہیم مہدی سے ملنے آئے ہیں۔ میں بابر آیا اور ملاقات کی چلتے وقت کیا ون روپے انہوں نے دیئے، حالانکہ ضرورت پچاس روپے کی تھی۔ یہ کیا ون یوں تھے کہ ایک روپیہ فیس منی آرڈر کا بھی دینا پڑتا، عرض صبح کو فوراً ہی منی آرڈر کرو دیا۔ یہ تھی اہل مدینہ کے ساتھ ان کی محبت اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے کی برکت۔"

پان اور حفتہ

روزہ مسنان کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ گیارہ مہینے بلا روک ٹوک کھانے پینے والا۔ کھانے پینے پر شہری پابندی کو قبول کرتے ہوتے دن میں کچھ کھانے پینے نہیں۔ افطاری کے بعد بھی اس قدر پیٹ بھر کر نہ کھاتے کہ دن بھر کی خوراک شام کو کھالے۔ امام احمد رضا کی قناعت پسندی اور روزے کے مقاصد کا اس قدر پاس منھا کہ

"افطار کے بعد صرف پان پر اکتفا فرماتے۔"

بعض لوگوں کو ان کی یہ فضیلت بھی کھٹکتی ہے اور پان کھانا بھی وجہ اعتراض نظر آتا ہے۔ حالانکہ کبھی دیکھنے سننے میں نہیں آیا کہ کسی عالم نے پان کھانے کو بھی قابل اعتراض قرار دیا ہو۔ اسی طرح امام احمد رضا بریلوی کے بعض اوقات حفتہ پینے پر بھی اعتراض کیا گیا ہے لکھا ہے،

عجیب ترین بات یہ ہے کہ جو شخص دوسروں کی تکفیر کرتا ہے اور معمولی اشیا

احکام شریعت (مطبوعہ کراچی) ص ۲۳۰-۱	امام احمد رضا بریلوی، امام
ص ۲۵۶	عبدالعباس نعمانی، مولانا
ص ۲۶	عقبیر
	الوار رضا
	البریلوی

کی بناء پر دوسروں پر فسق و فجور کا حکم لگاتا ہے، وہ حقہ کیسے پیتا ہے؟ حالانکہ بہت سے علماء متقدمین اور متاخرین نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے، کم از کم مکروہ تو ضرور قرار دیا ہے۔“ لہ

امام احمد رضا بریلوی حقہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

”حق یہ ہے کہ معمولی حقہ جس طرح تمام دنیا کے عامہ بلاد کے عوام و خواص یہاں تک کہ علماء و عظمائے حریم محترمین زاد بہا اللہ شرفاً و تکریماً میں رائج ہے، شرعاً مباح و جائز ہے جس کی ممانعت پر شرع مطہر سے اصل دلیل نہیں“

اس کے بعد علامہ سید احمد حموی، علامہ نابلسی، علامہ علاء الدین دمشقی، علامہ طحاوی اور شامی کے ارشادات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”الحاصل معمولی حقہ کے حق میں تحقیق یہی ہے کہ وہ جائز و مباح و نہ مکروہ تنزیہی ہے یعنی جو نہیں پیئے بہت اچھا کرتے ہیں جو پیتے ہیں کچھ برا نہیں کرتے.....“

البتہ وہ حقہ جو بعض جہاں بعض بلاد و بند، ماہ رمضان مبارک شریف میں وقت افطار پیتے اور دم لگاتے اور حواس و دماغ میں فتور لاتے اور دید و دل کی عجب حالت بناتے ہیں، بے شک، ممنوع و ناجائز و گناہ ہے اور وہ بھی معاذ اللہ ماہ مبارک میں۔ تہ

علامہ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں:

وہذا یظہر ان شرب التبن لیس بحرام کما یزعمہ

لہ ظہیر، البریلویہ (حاشیہ) ص ۲۶

لہ احمد رضا بریلوی، احکام شریعت (مطبوعہ کراچی)، ص ۲۵۶

تہ ایضاً، " " " " ص ۲۶۵

بعضهم بالقياس على اكل الثوم، بجامع الخبث وهو
 بعد تسليم الخبث فيه والقياس تبطل حرمة ببطلان
 حرمة اكل الثوم فان كانت رائحة التتن
 كريهة عند قوم مجتمعين في المسجد او غير ذلك تكون
 كرائحة الثوم والبصل وان لم تكن كريهة فلا وتد
 اجمع الناس اليوم على استعمال التتن في غالب
 المجالس بين العلماء والعوام من غير استكراه لرائحة
 وانما يستكرهه القليل الذين لا يشربونه فلا يكون
 كالبصل والثوم لان المعتبر في المقيس عليهما
 ما يستكرهه غالب الناس وهذا لا يستكرهه غالب
 الناس اليوم فليس هو من قبيل ذلك - ل

”اس تقریر کا ظاہر ہو گیا کہ تمباکو نوشی حرام نہیں ہے جیسا کہ بعض علمائے فہم
 کو عدت مشہور کے قرار دیتے ہوئے بسن پر قیاس کر کے کہا ہے (اول تو یہ نہت
 اور قیاس مسلم ہی نہیں ہے) اور اگر تسلیم بھی کر لیں تو جب کہ بسن کا کھانا حرام
 نہیں ہے، تو تمباکو نوشی بھی حرام نہ ہوگی۔ اگر مسجد وغیرہ میں مجتمع افراد کو تمباکو
 کی بو پسند نہ ہو، تو یہ بو، بسن اور پیاز کی بو کی طرح ہوگی اور اگر انہیں ناپسند
 ہو تو یہ بو، بسن اور پیاز کی بو کی طرح بھی نہ ہوگی۔ آج لوگوں کی اکثریت علماء
 و عوام کی مجالس میں عموماً تمباکو نوشی کرتی ہے اور اس کی بو کو ناپسند نہیں کیا جاتا
 ہاں بہت کم لوگ اس بو کو ناپسند کرتے ہیں، جو خود تمباکو استعمال نہیں کرتے لہذا
 تمباکو، پیاز اور بسن کی طرح نہ ہوگا، کیونکہ پیاز اور بسن کی بو کو اکثر لوگ ناپسند

”اور بفضلہ میں شیطان کو بھوکا ہی مارتا ہوں، یہاں تک کہ بیان کھاتے وقت بسم اللہ اور چھالیہ منہ میں ڈالی، تو بسم اللہ شریف — ہاں حقہ پیتے وقت نہیں پڑھتا۔ طحاوی میں اس سے ممانعت لکھتی ہے — وہ خبیث اگر اس میں شریک ہوتا ہو تو ضرر ہی پاتا ہوگا کہ عمر صحیحہ کا بھوکا پیاسا، اس پر دھوئیں سے کلیجہ جلنا — بھوک پیاس میں حقہ بہت بُرا معلوم ہوتا ہے“ لہٰذا

اس عبارت کا ایک ایک جملہ شیطان کی دشمنی اور عداوت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ تعجب ہے اسی واقعہ کو اس انداز میں بیان کیا جاتا ہے جیسے شیطان کے ساتھ دوستانہ ہو،

ملاحظہ ہو؛

”لطیفہ یہ ہے کہ وہ خود کہتے ہیں کہ حقہ پینے میں شیطان ان کا ساتھی ہوتا ہے، وہ اور شیطان باری باری پیتے ہیں۔“ لہٰذا (ترجمہ)

چونکہ شیطان کی دشمنی کو دوستی کے روپ میں پیش کرتے ہوئے دل میں چور چھپا ہوا تھا، اس لیے اس واقعے کا حوالہ دیتے ہوئے صرف ملفوظات بریلوی ”لکھنے پر اکتفا کیا گیا، صفحہ نمبر ۱ نہیں لکھا تاکہ اصل کی طرف رجوع کرنے سے حقیقت فوراً ہی نہ کھل جائے۔

ہاتھ اور پاؤں کا چومنا

کسی بزرگ شخصیت کی دینی عظمت و جدالت کے پیش نظر ہاتھ اور پاؤں کا چومنا جائز ہے، بشرطیکہ اس میں ریاکاری یا اور کوئی غرض فاسد شامل نہ ہو۔

حضرت زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہارگاہ رسالت میں حاضر ہونے والے وفد عبد القیس میں شامل تھے، وہ فرماتے ہیں،

لہٰذا محمد مصطفیٰ رضا بریلوی، مولانا، ملفوظات (مطبوعہ لاہور) ص ۲۲۱

لہٰذا ظہیر، البریلوی ص ۲۶

لما قدمنا المدينة فجعلنا نبتاد من رواحنا
فنقبل يد رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجله
رواه ابوداؤد له

”جب ہم مدینہ منورہ پہنچے، تو اپنی سوار بیل سے جلدی جلدی اتر کر رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ اقدس اور پائے مبارک کو بوسہ دینے لگے۔
یہ حدیث امام ابوداؤد نے روایت کی۔“

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ دو یہودی بارگاہ رسالت میں
حاضر ہوتے، انہوں نے آیاتِ بنیات کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے بیان فرمایا:
فقتلایدیہ ورجلیہ وقالانشهد انک نبی
رواه الترمذی و ابوداؤد والنسائی۔ ۲

”تو انہوں نے آپ کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے
ہیں کہ آپ نبی ہیں۔ اس حدیث کو امام ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے
روایت کیا۔“

امام حاکم راوی ہیں کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے ایسی چیز
دکھائیں جس سے میرا یقین زیادہ قوی ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اس درخت کو کہو کہ تمہیں
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یاد فرما رہے ہیں۔ اس شخص نے ایسا ہی کہا، درخت نے بارگاہ
اقدس میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور آپ کے فرمانے پر واپس چلا گیا۔

علامہ ابن عابدین شامی نے یہ روایت نقل فرمائی ہے اور اس کے آخر میں ہے،
ثم اذن له فقبل رأسه ورجلیه ۳

۱۔ ولی الدین الخطیب، شیخ؛ مشکوٰۃ شریف، باب المعانقۃ والمصافحۃ، فصل ثانی، ص ۴۰۲

۲۔ ایضاً؛ مشکوٰۃ، باب الکبار وعلامات النفاق (ایچ ایم سعید کراچی) ص ۱۷

۳۔ ابن عابدین شامی، علامہ؛ رد المحتار (احیاء التراث العربی، بیروت) ج ۵، ص ۴۵

”آپ کی اجازت سے اس نے آپ کے سرِ اقدس اور پاؤں نور کو بوسہ دیا۔“
تنویر الابصار اور اس کی شرح ورمختار میں ہے :

طلب من عالم او زاهد ان يدفع اليه قدمه ويمكنه
من قدمه ليقبله اجاب وقيل لا۔ لہ
”کوئی شخص کسی عالم یا زاہد سے درخواست کرے کہ وہ اپنا پاؤں آگے بڑھائیں
تاکہ اسے بوسہ دے سکے تو اس کی درخواست پوری کر دے، بعض حضرات نے
کہا نہیں۔“

امام احمد رضا بریلوی کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت کا
اعتراف اپنوں بیگانوں سب ہی کو ہے، اسی تعلق خاطر کی بنا پر وہ ہر اس شخص اور ہر اس چیز
کا احترام کرتے تھے، جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہو چنانچہ
سادات کرام اور خصوصاً اہل علم و تقویٰ حضرات کی تعظیم و تکریم دل و جان سے کرتے تھے اور
صحیح العقیدہ حجاج کرام کی پذیرائی جس انداز میں کرتے، وہ انہی کا حصہ تھی۔

حضرت شاہ علی حسین اشرفی

آپ ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۰ء کو کچھوچھو شریف (ضلع فیض آباد، انڈیا) میں
پیدا ہوئے اور ۱۱ رجب المرجب ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء میں آپ کا وصال ہوا۔ علم و فضل، تقویٰ
و طہارت اور تبلیغ اسلام میں اپنی مثال آپ تھے۔ خاندانی اعتبار سے سید تھے اور شکل و صورت
کے لحاظ سے شبیہ سیدنا غوث اعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ہزاروں علماء آپ کے
علقہ امداد سے وابستہ تھے۔ امام احمد رضا بریلوی آپ کا بہت ہی احترام کرتے تھے۔
یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ آپ کے پاؤں کو بوسہ دیکھتے تھے۔

علامہ علاء الدین الحسینی، علامہ
علامہ عارف اللہ شاد قادری، مولانا،
در مختار بر جاشیہ شامی ج ۵، ص ۲۲۵
اذکار حبیب رضا مجلس رشتہ الازہر، ص ۲۲

اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے :

”جب کوئی حج بیت اللہ شریف سے واپس آتا، آپ اس سے دریافت فرماتے کہ حضور سرور کائنات (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں ماضی دی؟ وہ ہاں کہہ دیتا تو فوراً اس کے قدم چوم لیتے۔“

یہ محبت رسول کی معراج تھی، کیونکہ علم و فضل کا بہالہ، عبقری فقیہ اور سبزاروں افراد کا مشہد طریقت ہونے کے باوجود حج کعبہ اور زیارت روضہ رسول کا شرف حاصل کرنے والے کے پاؤں چوم لینا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کامل محبت کے بغیر عادتاً ناممکن ہے۔ مدینہ طیبہ کی حاضری کے بارے میں سوال اس لیے کرتے کہ جو شخص حج کر کے مدینہ طیبہ جاسی دیتے بغیر واپس آجاتے، اُس کا عقیدہ اور اُس کی محبت، شک و شبہ سے خالی نہیں اور ایسا شخص کسی عاشق رسول کے نزدیک تعظیم و تکریم کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

شدت کا الزام

امام احمد رضا بریلوی کی بڑی خوبی جو مخالفین کی نظر میں خامی کہلاتی ہے یہ تھی کہ وہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کے لیے رحمت و شفقت اور بے دینوں و بد مذہبوں کے لیے مشیر بنیام تھے، جس شخص کو صراطِ مستقیم اور مسلکِ اہل سنت سے منحرف پاتے، اُسے محبت سے نرمی سے سمجھاتے، وہ سمجھ جائے تو فہما، ورنہ اس کی کج روی اور بے راہ روی کے مطابق زجر و توبیخ فرماتے جس کی بے اعتدالی جتنی شدید ہوتی، اتنی ہی شدت کے ساتھ اسے ڈانٹ ڈپٹ فرماتے۔ کسی بھی صحیح ڈاکٹر اور سرجن کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مریض تندرست ہو جائے اور اس کا مرض جاتا رہے، لیکن جب کوئی چارہ کار نہیں رہتا، تو وہ مریض کا جسم چیر بھاڑ کر رکھ دیتا ہے تاکہ اور نقصان وہ اعضا کو کاٹ کر پھینک دیتا ہے تاکہ مرض اور نہ پھیلے۔ امام احمد رضا بریلوی

نے بھی ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک سہمہ روا اور مخلص ڈاکٹر اور سرجن کا کردار ادا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ ان کے نشتر کی زد میں آئے، وہ انہیں سخت دل، رحمت و رأفت سے نا آشنا، اخلاقی حدود سے تجاوز کرنے والا اور نہ جانے کیا کیا القاب دیتے رہیں گے۔

۲۵ اگست ۱۸۸۹ء کو مولوی محمود حسن نے اخبار نظام الملک میں ایک بیان دیا:

”چوری، شراب خوری، جہل، ظلم سے معارفہ کم فہمی، یہ کلیہ ہے کہ جو مقدور العبد

ہے، مقدور اللہ ہے۔“

نظامیہ مختصر سی بات ہے، لیکن اس کا احاطہ اتنا ہی وسیع ہے، جتنا کہ انسانی عیوب

کا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی نے اس بیان پر رد کرتے ہوئے متعدد انسانی عیوب گنوائے کہ ہمارے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ ان تمام عیوب سے متصف ہو سکتا ہے، ان میں سے ایک عیب یہ بیان کرنا، امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا:

”عورت قادر ہے کہ زنا کرے، تو تمہارے امام اور تمہارے پدر تعلیم کے کلیہ

سے قطعاً واجب کہ تمہارا خدا بھی زنا کر سکے، ورنہ دیوبند میں چکلہ والی فاحشات

اس پر قہقہے اڑائیں گی کہ نکھٹو تو تمہارے برابر بھی نہ ہو سکا، پھر کلبے پر خدائی کا دم

مارتا ہے، اب آپ کے خدا میں فرج بھی ہوتی، ورنہ زنا کا ہے میں کر سکے گا۔“

امام احمد رضا بریلوی نے تقدیس الوہیت کے تحفظ کی خاطر مخالفین کو یہ الزام دیا ہے کہ

تم جو کہتے ہو کہ جو چیز بندے کی قدرت میں ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت میں بھی ہے، تو اس سے لازم

آئے گا کہ جو بڑا کام بندہ کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی کر سکے، صرف یہی نہیں، بلکہ بڑے کاموں کے

لوازم بھی اس کے لیے ثابت کرنے پڑیں گے۔ ذرا غور تو کرو کہ ایک چھوٹی سی بات پر کتنے بڑے

بڑے مفاسد لازم آ رہے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی کی یہ ساری تقریر عظیمتِ الہی کی حفاظت کے لیے تھی۔ لیکن مخالفین کو ان کی یہ ادا بھی پسند نہیں آئی اور اس طرح اپنے نقطہ نظر کا اظہار کیا:

”وہ تمام اخلاقی حدود سے تجاوز کر گئے، یہاں تک جرات کی کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے اوصاف سے موصوف کیا کہ کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو ان اوصاف موصوف نہیں کر سکتا، اگرچہ وہ کہتے ہیں کہ وہ دیوبندیوں کا خدا ہے۔“ لہ

قارئین خود انصاف کر سکتے ہیں کہ کیا امام احمد رضا بریلوی نے اللہ تعالیٰ کو ناشائستہ اوصاف سے موصوف کیا ہے؟ ہرگز نہیں، وہ تو ان لوگوں پر گرفت فرما رہے ہیں جو کہتے ہیں کہ جو بڑا کام بندہ کر سکتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ بھی کر سکتا ہے اور انہیں متنبہ کر رہے ہیں کہ تمہارے اس قول پر کیا کیا قباحتیں لازم آئیں گی۔ امام احمد رضا بریلوی کی عبارت پر نکتہ چینی کا مطلب یہ ہوا کہ عظیمتِ الہی کو داغدار کرنے والے سچے ہیں اور مجرم ہیں، تو امام احمد رضا، جو تقدیسِ الوہیت کے پاسبان ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی کی شدت کے حوالے سے یہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے:

”بریلوی ہندوستان کے ایک مشہور عالم کے پاس پڑھنے کے لیے گئے، انہوں نے پوچھا آپ کی مصروفیات کیا ہیں؟ آپ نے جواب دیا میں وہاں بیہ کار و کرتا ہوں اور ان کی گمراہی اور ان کا کفر بیان کرتا ہوں۔ اس پر شیخ نے کہا ایسا نہیں چاہیے، چنانچہ وہ وہاں سے لوٹ آئے اور ایسے شخص سے پڑھنے سے انکار کر دیا جو موحدین کی تفسیق اور تکفیر سے منع کرتا ہو۔“ (ترجمہ ملخصاً)

یہ واقعہ علامہ عبدالحق خیرآبادی کی ملاقات کا ہے، جس کا تذکرہ مولانا طغرالدین بہاری نے حیاتِ اعلیٰ حضرت کے صفحہ ۳۳ - ۱۳۶ - ۱۷۶ پر کیا ہے، اس واقعہ کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے، اس جگہ چند اشارے کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ بیان حقیقت سے

کس قدر دُور ہے۔

۱۔ امام احمد رضا، نواب رامپور کے طلب کرنے پر ان سے ملاقات کے لیے گئے تھے، علامہ خیر آبادی سے پڑھنے نہیں گئے تھے۔

۲۔ اتفاقاً علامہ خیر آبادی بھی وہیں آگئے۔ دورانِ گفتگو انہوں نے مشاغل کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا: تدریس، افتاء اور تصنیف، انہوں نے پوچھا: کس فن میں؟ فرمایا: مسائل دینیہ اور ردِ وہابیہ۔ لیکن یہ صاحب اپنے پاس سے تکفیر کی پچتر لگا رہے ہیں:

و ابین ضلالتهم و کفرهم

جبکہ اس جگہ کفر کا ذکر نہیں ہے، اسی طرح یہ بھی اپنی طرف سے اضافہ ہے کہ ایسے شخص سے پڑھنے سے انکار کر دیا جو موحّدین کی تفسیق اور تکفیر سے منع کرتا ہو، حالانکہ اس جگہ بھی تکفیر کا ذکر نہیں ہے۔

۳۔ لطیفہ یہ کہ اس سے پہلے خود کہہ چکے ہیں کہ علامہ خیر آبادی انہیں پڑھانے پر رضی ہوئے:

ولکنہ لم یرض بتعلیمہ ایاداً

اور اس جگہ یہ کہا جا رہا ہے کہ بریلوی نے ایسے شخص سے پڑھنے سے انکار کر دیا۔

وابی ان یتعلم من مثل هذا الشخص

اصل بات یہ ہے کہ زیبِ داستان کے لیے غلط بیانی کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اور یہ گمان کیا جاتا ہے کہ حقائق میں حُسن اور دلکشی کہاں؟

ج ۱، ص ۳۴

حیاتِ اعلیٰ حضرت

لغظرتین بہاری، مولانا،

ص ۲۸

البریلویہ

۱۔ ظہیر

ص ۲۰

۲۔ ایضاً

ص ۲۸

۳۔ ایضاً

علمی شکوہ اور قدرتِ کلام

امام احمد رضا بریلوی چودھویں صدی کی وہ عظیم ترین شخصیت ہیں، جن کے علمی جلال و وسعتِ نظر، قوتِ استدلال اور قدرتِ کلام کا ایک جہان معترف ہے، ان کے نظریات و معتقدات سے کئی لوگوں کو اختلاف ہوگا، لیکن ان کے جذبہٴ عشقِ رسول اور ان کے کلام کے سوز و گداز سے کوئی صاحبِ علم اختلاف نہیں کر سکتا۔ ذیل میں چند معروف اصحابِ علم و فکر کے تاثرات پیش کیے جاتے ہیں، جن سے امام احمد رضا بریلوی کے مقام کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے:

علامہ اقبال کی رائے یہ تھی،

”وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم تھے، فقہی بصیرت میں ان کا مقام بلند تھا، ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور پاک و سہند کے کیسے تابعہ روزگار فقیہ تھے، ہندوستان کے اس دورِ متاخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ بمشکل ملے گا۔“

ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں،

”مولانا احمد رضا خاں کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے فی الواقع وہ علومِ دینی پر بڑی وسیع نظر رکھتے تھے اور ان کی فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔“

ڈاکٹر محی الدین الوائلی اہل حدیث جامعہ ازہر، مصر لکھتے ہیں،

”پرانا مقولہ ہے کہ فرد واحد میں دو چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں، تحقیقاتِ علمیہ اور نازک خیالی۔ لیکن مولانا احمد رضا خاں نے اس تقلیدی نظریہ کے عکس

حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی (مطبوعہ سیالکوٹ) ص ۱۸

لے محمد مسعود احمد، ڈاکٹر،

” ” ” ” ”

لے ایضاً،

ثابت کر کے دکھا دیا۔ آپ عالم محقق ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین نازک خیال شاعر بھی تھے۔ لے ترجمہ عربی

ڈاکٹر حامد علی خاں، ایم اے پی۔ ایچ، ڈی، ریڈر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (انڈیا) لکھتے ہیں:

”امام احمد رضا نہایت بلند مرتبہ صاحبِ قلم تھے اور بے شک و شبہ اپنے عہد کے لاثانی صاحبِ تصنیف و تالیف تھے۔ آپ کی زود نویسی، برہنہ تحریر اور تصنیفی استعداد کی اعلیٰ صلاحیت یہ تھی کہ آپ نے برسوں کا کام دنوں میں اور مہینوں کا کام گھنٹوں میں بہ اسلوبِ احسن انجام دے کر فضلاء وقت کو انگشت بندھا کر دیا۔“ لے

جناب شفیق بریلوی (کراچی) لکھتے ہیں:

”وہ ایک جید عالم دین اور بڑے نکتہ رس فقیہ ہونے کے علاوہ ایک بلند پایہ نعت گو شاعر بھی تھے۔ ان کو فن اور زبان پر پوری قدرت حاصل تھی۔ وہ عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیں قرآن و حدیث کی تفسیر و ترجمہ ہیں۔۔۔۔۔ ان کا قرآن مجید کا ترجمہ بھی بہت مشہور و مقبول ہے۔ قرآن مجید کے اس ترجمہ میں زبان و بیان کی شکستگی موجود ہے اور عام فہم بھی ہے۔ اس میں اعلیٰ حضرت کے شاعرانہ ذوق، عالمانہ بصیرت، ایمان کی نچستی، محبتِ رسول اور ادب کے جوہر نمایاں ہیں۔“ لے

پروفیسر علی عباس جلالپوری، ایم اے فلسفہ (کولڈ میڈلسٹ) لکھتے ہیں:

۲۰ ص	حیات مولانا احمد رضا خاں	لے محمد مسعود احمد، ڈاکٹر،
۲۱ ص	”	لے ایضاً،
۱۷۲ ص	جہانِ رضا (مجلسِ رضا، لاہور)	لے مرید احمد ہشتی؛

”حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی نے فارسی اور اردو میں بیٹھال
نعتیں لکھی ہیں جن کے بغیر درود و سلام کی کوئی محفل گرمانی نہیں جاسکتی۔ ان کا
ایک ایک لفظ عشق رسول میں بسا ہوا ہے اور انہیں سن کر سامعین کے دل
عشق رسول سے سرشار ہو جاتے ہیں۔“

ادبی لحاظ سے بھی یہ نعتیں حسن بیان کے اچھوتے نمونے ہیں۔ ایک دن داغ
دہلوی کے سامنے کسی شخص نے حضرت شاہ احمد رضا خاں کی ایک نعت کا شعر پڑھا۔

وہ سوتے لالہ زار پھرتے ہیں

تیرے دن لے بہار پھرتے ہیں

مرزا داغ پھڑک اٹھے اور کہا:

ہیں! ایک مولوی اور ایسا شعر! واہ! وا!

آپ کی اکثر نعتیں ہماری علمی و ادبی میراث کا بیش قیمت حصہ بن چکی ہیں۔

جناب اسفند حسین خاں نظیہ لدھیانوی فرماتے ہیں:

”مولانا کو شیریں زبانی کے اعتبار سے اہل زبان پر سبقت حاصل ہے اور بیان

میں ندرت ہے۔ اس دور میں داغ، تیر، حالی، اکبر و داغ و تیر کے تلامذہ کی زبان

سلاست، سادگی اور محاورہ کے اعتبار سے مسلم تھی، مولانا کی زبان، شگفتگی اور

روانی میں ان اساتذہ کی زبان سے کسی طرح بھی کم نہیں۔“

جناب رئیس امر و ہوی (کراچی) رقمطراز ہیں:

”ان کی تصانیف نثر اور ان کی شاعری کیفیت و سرور سے لبریز ہے جس سے

عجب طرح کا انشراح صدر ہوتا ہے، رُوح پر اہترازی کیفیت طاری ہوجاتی ہے

وہ اک صوفی باصفا اور عالمِ جلیل تھے۔ ایسی کمیاب شخصیتیں تاریخ ساز بھی ہوتی ہیں
عہد آفریں بھی!

ستیدشان الحق حقی لکھتے ہیں:

”بہترین تخلیقات وہی ہیں، جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے روحانی سرور اور
اخلاقی بصیرت کا ذریعہ ہوں، میرے نزدیک مولانا کا نعتیہ کلام ادبی تنقید سے مبرا
ہے۔ اس پر کسی ادبی تنقید کی ضرورت نہیں، اس کی مقبولیت اور دل پذیر ہی
اس کا سب سے بڑا ادبی کمال ہے اور مولانا کے شاعرانہ مرتبے پر دال ہے۔“

حُسنِ تاثیر کو صورت سے نہ معنی سے غرض

شعر وہ ہے کہ لگے جھوم کے گانے، کوئی!

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، سابق صدر شعبہ اُردو، سندھ یونیورسٹی لکھتے ہیں:

”میرا خیال یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب غالباً واحد عالمِ دین ہیں
جنہوں نے اُردو نظم و نثر دونوں میں اُردو کے بے شمار محاورات استعمال کیے ہیں
اور اپنی علمیت سے اُردو شاعری میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔“

یہ تاثرات مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے اربابِ علم و دانش کے ہیں، جنہوں نے دل کھول کر

امام احمد رضا کی مختلف ضیاءِ بارِ حقیقتوں پر اظہارِ خیال کیا ہے، لیکن اگر میں نہ مانتوں، کی یا ایسی پیش نظر
ہو تو اس قسم کے تبصرے بھی کیے جاسکتے ہیں!

”ان کی زبان مغلوق اور مبہم ہے، بہت کم ان کا کلام سمجھا جاتا ہے، کیونکہ ان کی

عبارات گنجلک اور اندازِ بیان مبہم ہے اور بعض اوقات وہ قصداً ایسا کرتے

تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ زبردست عالم اور گہری تحریر کے مالک ہیں۔“

۶۹	ص	خیابانِ رضا، عظیم پبلکیشنز، لاہور	۱۷	مرید احمد حشتی
۷۷	ص	” ” ” ”	۱۷	ایضاً
۲۸	ص	البرطانیہ	۱۷	تعبیر

مذکورہ بالا تاثرات ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں، آپ کو خود احساس ہو جائے گا کہ تعصب بے جا حقائق سے کس قدر دور لے جاتا ہے۔ یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ جب گفتگو عام سطحی معیار سے گزر کر تحقیق و تدقیق اور علمی و فنی اصطلاحات تک پہنچ جائے، تو پھر اس کا سمجھنا عام آدمی کے بس میں نہیں رہتا، جب تک ان اصطلاحات سے واقفیت اور اس کی گہرائی تک پہنچنے کی اہلیت نہ ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصنیفات فیوض الحرمین، سمعات اور تفسیحات البیہ کا ایک نظر مطالعہ کیجئے، یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتے گی۔

تقریر و خطابت

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی بھی عالم کو تحریر و تقریر میں سے کسی ایک فن میں ہی کمال حاصل ہوتا ہے، لیکن امام احمد رضا بریلوی، دونوں میدانوں کے بے مثال شہسوار تھے، اگرچہ آپ تحریر کو تقریر پر ترجیح دیتے تھے، کیونکہ تقریر ایک وقتی چیز ہے، جبکہ تحریر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو دیر تک رہ سکتی ہے اور دور تک پہنچ سکتی ہے۔

ایک دفعہ بدایوں کی جامع مسجد شمسی میں مولانا عبدالقیوم بدایونی (والد ماجد مولانا عبدالحمید بدایونی) نے اعلان کر دیا کہ جمعہ کے بعد مولانا احمد رضا خاں کی تقریر ہوگی آپ نے بہت معذرت کی کہ میں وعظ نہیں کیا کرتا۔ نیز یہ فرمایا کہ مجھے پہلے سے اطلاع نہیں دی، مگر وہ نہیں مانے۔ آپ نے مسلسل دو گھنٹے تقریر فرمائی۔ تقریر کے بعد مولانا عبدالقیوم بدایونی نے جو خود بھی بلند پایہ عالم اور خطیب تھے، فرمایا:

”کوئی عالم، کتب دیکھ کر آنے کے بعد بھی ایسے پراز معلومات، پراثر بیان سے حاضرین کو محظوظ نہیں کر سکتا، یہ وسعت معلومات جناب ہی کا حصہ ہے۔“

۱۳۱۸ھ کا واقعہ ہے کہ پٹنہ میں ندوہ کے رو میں ایک جلسہ کیا گیا جس میں علمائے اہل سنت

بکثرت موجود تھے۔ رات کو جب امام احمد رضا بریلوی کی تقریر شروع ہوئی، تو مولانا عبدالقادر بدایونی نے سید اسماعیل حسن میاں مارہروی کو نیند سے بیدار کیا اور فرمایا:

مولانا احمد رضا خاں صاحب کا بیان ہو رہا ہے اور سنا ہے کہ ندویوں کے سرغنہ بھی آئے ہوتے ہیں۔ اس وقت ہمارے پٹھان کے وار دیکھنے کے قابل ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بڑے بڑے اصحاب فضل و کمال کس شوق سے امام احمد رضا کی تقریر سنا کرتے تھے۔

ایک دفعہ بدایوں میں حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی کے عرس مبارک کے موقع پر بجے صبح سے تین بجے تک چھ گھنٹے تقریر فرمائی اور سورۃ والضحیٰ کی تفسیر بیان کی اور آخر میں فرمایا کہ اسی سورۃ مبارکہ کی چند آیات مبارکہ کی تفسیر میں اسی جُز لکھے تھے، پھر آگے نہ لکھ سکا اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ پورے کلام پاک کی تفسیر لکھوں۔ ۱۷

جناب سید ایوب علی رضوی فرماتے ہیں:

ذکر میلاد مبارک میں ابتداء سے انتہا تک اودادوزانور پا کرتے، یونہی صوغا

فرماتے، چار پانچ گھنٹے کامل دوزانوی منبر شریف پر رہتے۔ ۱۸

ماہِ رجب ۱۳۱۸ھ میں مجلس علماء اہل سنت و جماعت، پٹنہ کے سالانہ اجلاس میں چار گھنٹے تقریر فرمائی۔ ۱۹

ڈاکٹر سید عبداللہ ایم۔ اے۔ ڈی لٹ، چیئر مین شعبہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور لکھتے ہیں:

۱ ج، ص ۹۵	حیاتِ اعلیٰ حضرت	۱۰ تظرف الدین بہاری، مولانا؛
۲ ص ۹۷	" "	۱۱ ایضاً
۳ ص ۲۸	" "	۱۲ ایضاً
۴ ص ۱۸۶-۷	" "	۱۳ ایضاً

عالم اپنی قوم کا ذہن اور اس کی زبان ہوتا ہے اور وہ عالم جس کی فکر و نظر کا محور، قرآن حکیم اور حدیث نبوی ہو، وہ ترجمان علم و حکمت، نقیب حق و صداقت، اور محسن انسانیت ہوتا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خاں بریلوی بھی ایسے ہی عالم دین تھے، تو یہ مبالغہ نہ ہوگا، بلکہ حقیقت کا اعتراف ہوگا، وہ بلاشبہ جید عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہ، صاحب نظر مفسر قرآن، عظیم محدث اور سحر بیان خطیب تھے۔^۱

لیکن جو لوگ حقائق سے واقف نہیں یا واقف نہیں ہونا چاہتے، ان کا تاثر یہ ہے،
 ”وہ کلام میں فصیح نہ تھے، نہ تحریر میں نہ تقریر میں، انہیں خود بھی اس کا احساس تھا، اسی لیے وہ جمعہ اور عیدین کے موقع پر تقریر نہیں کرتے تھے البتہ تیسری عید جوان کی اور ان کے ہمناؤں کی خود ساختہ بدعت ہے جسے وہ عید میلاد النبی کہتے ہیں اور اپنے شیخ شاہ آل رسول کے یوم وفات پر جسے وہ عرس کہتے ہیں، تقریر کرتے تھے۔“^۲

اس جگہ چند امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں:

(۱) جس شخصیت کو اپنے غیر فصیح ہونے کا احساس تھا اور اسی احساس کے پیش نظر وہ (بقول کسے) جمعہ اور عیدین کے مواقع پر تقریر نہیں کرتے تھے، تو وہ مذکورہ بالا دو موقعوں پر کس طرح تقریر کر لیتے تھے۔ جو تقریر کر ہی نہ سکتا ہو، اُسے تو کسی موقع پر بھی یہ جرأت نہ کرنی چاہیے، خصوصاً دو اہم مواقع پر۔

(۲) اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ جمعہ و عیدین کے مواقع پر تقریر نہیں کرتے تھے؟

جناب ڈاکٹر عابد احمد علی، سابق مہتمم بیت القرآن، پنجاب پبلک لائبریری لاہور اپنے چشم دید واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ص ۱۴

حیات مولانا احمد رضا خاں

۱۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر

ص ۲۸

البریلویہ

۲۔ ظہیر

”اعلیٰ حضرت کا معمول تھا کہ سال میں تین وعظ بہت زبردست فرمایا کرتے تھے۔ ایک سالانہ جلسہ دستار بندی طلبائے فارغ التحصیل مدرس اہل سنت و جماعت مسجد بی بی جی محلہ بہاری پور میں، دوسرا بیع الاول شریف کو دونوں وقت صبح آٹھ بجے اور شب کو بعد نماز عشا جس میں شہر بھر کے عمائد و معززین مطبوعہ دعوت نامے کے ذریعے مدعو ہوتے اور اس مجلس کا اہتمام اور وعظ کی اہمیت شہر میں ایسی تھی کہ اس تاریخ کو کسی دوسری جگہ اہتمام و انتظام کے ساتھ مجلس نہیں ہوتی تھی تیسرا وعظ ۱۸ ذی الحجۃ الحرام عرس سراپا قدس جناب سید شاہ آل رسول صاحب مارہڑی قدس سرہ کے موقع پر ان کے علاوہ کبھی کبھی اہل شہر کی دعوت اور عرض و تمنا پر بھی شہر کی بعض مجلس میلاد میں بیان فرمادیا کرتے تھے۔“ لے

تصانیف امام احمد رضا

امام احمد رضا بریلوی ۱۲ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ کو پونے چودہ سال کی عمر میں علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور سند و دستار فضیلت سے سرفراز ہوئے۔ اسی دن رضاعت کے ایک مسئلہ کا جواب لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا جو بالکل صحیح تھا، اسی دن سے فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ اس دن سے آخر عمر تک آپ مسلسل لکھتے رہے اور اپنی تصنیفات کا عظیم انبار اور گراں قدر سرمایہ امت مسلمہ کو دے گئے۔ آج جب کہ آپ کے وصال کو ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، ابھی تک آپ کی تمام تصانیف چھپ کر منظر عام پر آسکیں ان کے قلم کی برق رفتاری اور اہل سنت کی غفلت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اہل سنت و جماعت اپنی تمام تر کثرت کے باوجود فرد واحد کی نگارشات کو شائع کرنے سے قاصر رہے، جس نے پوری انجمن کا کام سمرانجام دیا تھا۔

پھر یہ بھی نہیں ہے کہ ان کی تصانیف کی قدر و منزلت نہیں کی جاتی، بلکہ جس صاحب علم کے پاس ان کی تصانیف موجود ہوں، وہ انہیں قیمتی متاع سمجھ کر اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے۔ اس جگہ اس امر کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جمعہ کے روز انارکلی، لاہور میں جہاں پرانی کتابوں کے سٹال لگائے جاتے ہیں، بہت سی کتابیں بالکل نئی حالت میں، نصف یا اس سے بھی کم قیمت پر مل جاتی ہیں۔ البریلویہ نامی کتاب بھی چار پانچ روپے میں مل جاتی ہے لیکن امام احمد رضا کی اخباری کاغذ پر لپیٹھو کی چھپی ہوئی تصانیف میں سے کوئی رسالہ یا کتاب شاید ہی وہاں مل سکے۔ اللہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت کو توفیق دے کہ وہ ایسا ادارہ قائم کریں جو امام احمد رضا بریلوی

کی تمام تصانیف کو جدید انداز میں ایڈٹ کر کے شائع کرے۔ اس سلسلہ میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں کام کا آغاز ہو چکا ہے، جس کے شعبہ تصنیف و تالیف و تحقیق کے رکن مولانا اظہار اللہ ہزاروی، امام احمد رضا کے متعدد رسائل پر تحقیقی کام کر چکے ہیں۔ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور (انڈیا) اور مرکزی مجلس رضا، لاہور میں اس سلسلے کا قابل قدر کام ہو رہا ہے۔

تعداد تصانیف

الدولة المکیة، تالیف ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۶ء میں خود امام احمد رضا نے اپنی تصانیف کی تعداد دو سو سے زائد بیان کی ہے آپ کے صاحبزادے حجت الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی نے حاشیہ میں وضاحت فرمائی:

”یعنی وہاں بیہ کے رد میں، ورنہ بحمد اللہ تعالیٰ چار سو سے زائد ہیں۔“

۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء میں مولانا ظفر الدین بہاری نے ایک فہرست الجمل المعدلتالیفات المجدد ترتیب دی جس میں ۳۵۰ تصانیف کا اجمالی تذکرہ کیا اور ساتھ ہی یہ تصریح فرمادی:

”میں نہیں کہتا کہ سب اسی قدر ہیں، بلکہ یہ صرف وہ ہیں جو اس وقت کے استقراء میں میرے پیش نظر ہیں۔ فضل خدا سے امید واثق کہ اگر تفحص تام اور تمام قدیم و جدید کتابوں پر نظر عام کی جائے، تو کم و بیش پچاس رسالے اور نکلیں۔“

۱۹۳۸ء میں مولانا ظفر الدین بہاری نے حیات اعلیٰ حضرت لکھی جس میں وہ فرماتے ہیں:

”اعلیٰ حضرت کی تصانیف چھ سو سے زائد ہیں۔“

۱۱ ص	الدولة المکیة (مکتبہ رضویہ، کراچی)	۱۱ ص	۱۱ ص
۱۱ ص	” ” ” ”	۱۱ ص	۱۱ ص
۴ ص	الجمل المعدد (مجلس رضا، لاہور)	۴ ص	۴ ص
ج ۱، ص ۱۳	حیات اعلیٰ حضرت	ج ۱، ص ۱۳	ج ۱، ص ۱۳

بعد میں تیار کی جانے والی فہرست کے مطابق ۵۴۸ تصانیف ہیں۔ لہ
 مفتی اعجاز ولی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام احمد رضا بریلوی کے قریبی رشتہ دار اور متبحر عالم
 تھے، انہوں نے یہ تعداد ایک ہزار بیان کی۔ لہ
 حقیقتِ حال سے ناواقف ان بیانات سے الجھن میں مبتلا ہو سکتا ہے، اسی لیے
 لکھا گیا ہے:

”بالغہ اور غلو ان لوگوں کے رگ و پے میں رچا ہوا ہے، یہ سچی بات سے
 سیر نہیں پھرتے، مجبوراً جھوٹ بولتے ہیں، اسی لیے اس موضوع پر ان کے اقوال
 مختلف ہیں، چنانچہ تصانیف کی تعداد، دوسو، تین سو پچاس، چار سو، پانچ سو
 سے زیادہ، چھ سو سے زیادہ اور ایک ہزار بلکہ اس سے زیادہ بیان کی ہے“ (ترجمہ)
 یہ ایک ایسا اشکال ہے جسے ایک دفعہ بیان کرنے سے تسلی نہیں ہوتی، بلکہ ص ۲۹-۳۱-
 ۳۳ پر تکرار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

حالانکہ یہ کوئی لاینحل اشکال نہیں ہے۔ ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۶ء میں امام احمد رضا بریلوی
 نے فرمایا کہ اس وقت تک تصانیف دوسو سے زائد ہیں جس کا ترجمہ البریلویہ میں دوسو
 کے قریب کیا گیا ہے۔ اصل اور ترجمہ میں کتنا فرق ہے؟ اسی جگہ مولانا حامد رضا خاں نے
 ماثبہ لکھا کہ یہ ان تصانیف کی تعداد ہے جو رد و باہیہ میں ہیں، ورنہ کل تصانیف چار سو سے
 زائد ہیں۔ ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء میں مولانا ظفر الدین بہاری نے فہرست تیار کی اور ان کی تعداد
 تین سو پچاس بیان کی اور ساتھ ہی تصریح کر دی کہ یہ تعداد حتمی نہیں ہے، مزید جستجو کی جائے
 تو چالیس پچاس رسائل مزید مل جائیں گے۔ مفتی اعجاز ولی خاں نے تعداد ایک ہزار بیان

۱۔ شرکتِ حنفیہ، لاہور، انوارِ رضا ص ۳۲۸-۳۲۶

۲۔ مفتی اعجاز ولی خاں، مولانا، ضمیمہ المعتمد المنقذ (مکتبہ اشراق، ترکی) ص ۲۶۶

۳۔ ظہیر، البریلویہ ص ۲۸-۹

کی، یہ ان کا اندازہ اور ان کی رائے تھی، جو کچھ زیادہ بعید نہیں ہے۔

بمبئی سے ماہنامہ المیزان نے چھ سو صفحات پر مشتمل وقیع اور خوبصورت امام احمد رضا نمبر نکالا، تو اس میں جن کتب و رسائل کی فہرست دی گئی، ان کی تعداد پانچ سو اڑتالیس ہے۔ یہ بھی آخری فہرست نہیں ہے، مولانا یسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

”فاضل بریلوی کی تصانیف کی تفصیلی فہرست پوری تحقیق اور تلاش و جستجو کے بعد مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب نے مرتب فرمائی ہے جو عنقریب الجمع الرضوی کے زیر اہتمام منظر عام پر آئے گی۔“ ۱۷

جناب سید ریاست علی قادری لکھتے ہیں:

”پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب، پرنسپل گورنمنٹ ڈگری سائنس کالج

ٹھٹھہ (سندھ) نے اپنی تصنیف حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی“ میں ۸۴۴

کتب و حواشی کا تذکرہ کیا ہے، موصوف ”بلوگر افیکل انسائیکلو پیڈیا آف امام

احمد رضا خاں“ ترتیب دے رہے ہیں، جو تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔“ ۱۸

مجھے یہ کہنے میں باک نہیں ہے کہ اہل سنت و جماعت نے تصنیف و اشاعت کے بارے

میں جس قدر بے اعتنائی سے کام لیا ہے، کسی فرقے نے نہیں لیا۔ اس غفلت شعار قوم سے آج

تک نہ تو امام احمد رضا کی تصانیف کی اشاعت کا اہتمام ہو سکا اور نہ ہی وہ گراں قدر

ذخیرہ کتب پوری طرح محفوظ رہ سکا، اس لیے کوئی محقق کتنی ہی محنت کیوں نہ کرے، جامع اور

مکمل فہرست تیار نہیں کر سکتا۔

ان حالات میں ہم دعوے سے یہی کہہ سکتے ہیں کہ امام احمد رضا کی تصانیف و رسائل کی

تعداد آٹھ سو چالیس ہے، تا وقتیکہ اس سے زیادہ نگارشات کی فہرست سامنے نہ آجائے

۱۷ یسین اختر مصباحی، مولانا، امام احمد رضا، ارباب علم و دانش کی نظریں (رضنا ایڈیٹیو، مبارکپور) ص ۴۷

۱۸ ریاست علی قادری، سید، امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری (مطبوعہ کراچی) ص ۷

بعض حضرات نے جو تعداد ایک ہزار بتائی ہے، تو ممکن ہے وہ ظن و تخمین پر مبنی ہو۔

فتاویٰ رضویہ

امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف میں سرفہرست فتاویٰ رضویہ ہے۔ اس کا پورا نام العطا یا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ ہے۔ اس فتاویٰ کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لیے درج ذیل چند تاثرات کافی ہیں۔

ڈاکٹر عابد احمد علی، سابق مہتمم بیت القرآن، پنجاب پبلک لائبریری، لاہور، علی گڑھ کی ایک مجلس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک بار استاذ محترم مولانا سلیمان اشرف نے اقبال کو کھانے پر مدعو کیا اور وہاں محفل میں حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ذکر چھڑ گیا۔ اقبال نے مولانا کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی کہ وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور پاک و ہند کے کیسے نابغہ روزگار فقیہ تھے۔ ہندوستان کے اس دورِ متاخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ بمشکل ملے گا۔ اس کے ساتھ ہی اقبال مرحوم نے مولانا کی طبیعت کی شدت اور بعض علماء کے بارے میں ان کی طرف منسوب سخت گیر رویے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ الجھن درمیان میں نہ آ پڑتی، تو ان کا وقت اور علم و فضل، ملت کے دیگر مسائل کے لیے زیادہ مفید طریقے سے صرف ہوتا اور یقیناً وہ اس دور کے ابوحنیفہ کہلا سکتے تھے، لے

ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

یہ تاثرات امام احمد رضا بریلوی کے حلقہ معتقدین کے نہیں، بلکہ علامہ اقبال کے علاوہ باقی اہل علم مسلک ان سے متفق نہیں ہیں، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ان تاثرات کو علو اور مبالغہ پر محمول کیا جائے۔

اس وقت (۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء) تک فتاویٰ کی بارہ جلدوں میں سے ساڑھے سات جلدیں شائع ہوئی ہیں۔ ہندوستان سے شائع ہونے والی زیادہ تر جلدیں بڑے سائز میں چھپی ہیں جبکہ پہلی پانچ جلدیں پاکستان میں شائع ہوئی ہیں۔ پاکستانی ایڈیشن میں سائز چھوٹا کر دیا گیا ہے، لیکن اس میں قباحت یہ پیدا ہو گئی کہ خط اتنا باریک کر دیا گیا کہ پڑھنا مشکل ہے۔ ہندوستانی ایڈیشن میں سائز اور خط مناسب ہے، اگر فتاویٰ کو جدید انداز میں مرتب کیا جائے، پیرا بندی کی جائے، عربی عبارات کا اردو ترجمہ شامل کر دیا جائے اور حواشی میں حوالوں کی تخریج کر دی جائے، تو اس کی کم از کم تیس جلدیں تیار ہو جائیں گی۔

ذیل میں فتاویٰ رضویہ کی آٹھ جلدوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

جلد اول: مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ جہازی سائز (تقطیع $9\frac{1}{4} \times 12$) صفحات ۸۸۰

اس جلد میں ایک سو چودہ فتوے اور اٹھائیس رسائل ہیں۔

جلد دوم: مطبوعہ کتب خانہ سمنانی، میرٹھ (انڈیا) سال طباعت (۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء) تقطیع $9\frac{1}{4} \times 12$ صفحات ۵۱۲

اس جلد میں ۳۸۸ فتوے اور سات رسائل ہیں؛

جلد سوم: مطبوعہ سنی دارالاشاعت، مبارکپور، اعظم گڑھ (انڈیا)

سال طباعت ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء تقطیع $8\frac{3}{4} \times 11$ صفحات ۸۱۵

اس جلد میں چار سو بیالیس رسائل ہیں اور پندرہ رسائل ہیں۔

جلد چہارم: مطبوعہ سنی دارالاشاعت، مبارکپور، اعظم گڑھ (انڈیا)

سالِ طباعت (۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء) تقطیع (۸ × ۱۱) صفحات ۷۲۲

اس جلد میں چار سو بیالیس مسائل اور ستائیس رسائل ہیں۔

جلد پنجم: سنی دارالاشاعت، مبارکپور، اعظم گڑھ (انڈیا)

سالِ طباعت (۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء) تقطیع (۸ × ۱۱) صفحات ۷۹۹

اس جلد میں نو سو چوہن فتاویٰ اور نو رسالے ہیں۔

جلد ششم: سنی دارالاشاعت، مبارکپور، اعظم گڑھ (انڈیا)

سالِ طباعت (۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء) تقطیع (۸ × ۱۱) صفحات ۵۲۶

اس جلد میں چار سو ستانوے مسائل اور آٹھ رسائل ہیں۔

جلد دہم: (نصف) مطبوعہ مکتبہ رضا، بیسپور، پیلی بھیت (انڈیا) صفحات ۲۶۴

سالِ طباعت (ندارد) تقطیع (۹ × ۱۲)

جلد یازدہم: مطبوعہ ادارہ اشاعت تصنیفات رضا، بریلی (انڈیا)

سالِ طباعت (۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء) تقطیع (۹ × ۱۲) صفحات ۲۲۵

اس جلد میں ایک سو ستاون مسائل اور چار رسائل ہیں۔

یہ آٹھ جلدیں چار ہزار آٹھ سو پچپن صفحات پر مشتمل ہیں اور اگر جدید انداز میں مرتب کر کے

شائع کی جائیں، تو دو تین گنا زائد ہو جائیں۔

اعتراضات

امام احمد رضا کی تصانیف کے بارے میں چند شکوک و شبہات اٹھائے گئے ہیں، درج ذیل

سطور میں ان کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ تصانیف کی تعداد کے بیان میں اختلاف شدید پایا جاتا ہے اور اپنے امام کی عظمت

کو جھوٹا سہارا دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ لہ

یہ اعتراض مختلف صفحات میں تین بار ذکر کیا گیا ہے، گویا ایک بار ذکر کرنے سے تسلی نہیں

ہوتی، اس کا جواب گزشتہ صفحات میں دیا جا چکا ہے۔

۲۔ بریلوی نے کوئی کتاب نہیں لکھی، صرف استفسارات کے جواب میں فتوے لکھے ہیں اس

کے لیے بھی متعدد تنخواہ دار ملازم رکھے ہوئے تھے۔ بعض استفتاء دوسرے شہروں میں بھیج

دیئے جاتے تھے، ان کے معاونین جواب تحریر کرتے۔ یہ جوابات، سوال کرنے والوں کو ارسال

کر دیئے جاتے۔ بعض معاونین مختلف کتابوں سے عبارات نقل کر کے بھیج دیتے، جنہیں تحقیق

و تفتیح کے بعد اپنی عبارت میں درج کر دیتے، یہی وجہ ہے کہ ان کے فتووں میں شدید ابہام

پایا جاتا ہے (ترجمہ ملخصاً)

دلائل کے بغیر آدمی جو چاہے کہہ سکتا ہے، لیکن اہل علم کے ہاں اس کی کچھ قدر و قیمت نہ

ہوگی۔ امام احمد رضا کے پاس علماء کا جگمگٹا لگا رہتا تھا۔ کچھ حضرات دارالعلوم منظر اسلام

کے مدرس ہوتے تھے۔ ملاقات کے لیے آنے والوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ ان میں سے چند حضرات

کو تربیت کے لیے مختلف کتابوں سے حوالے تلاش کرنے پر مامور فرما دیتے، تو اس سے کہاں

ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے فتویٰ نویسی کے لیے ملازم رکھے ہوئے تھے۔ ایک طرف تو یہ کہا

جاتا ہے کہ ان کی گزربسر امامت کی تنخواہ اور نذرانوں پر تھی۔ دوسری طرف یہ کہ متعدد ملازم

فتویٰ نویسی کے لیے رکھے ہوئے تھے، ان میں سے کس بات میں صداقت ہے؟ ہمارے

نزدیک کسی میں بھی نہیں۔ بعض اوقات علامہ نضر الدین بہاری کو کسی موضوع پر عبارات تلاش

کرنے پر مامور فرما دیتے، یہ بھی ان کی تربیت کا حصہ تھا۔

اس جگہ حافظ عبدالرحمن مدنی (اہل حدیث) کا بیان دلچسپی سے غالی نہ ہوگا، وہ لکھتے ہیں،

میرے گواہ میرے اپنے شاگرد ہیں، جو خود احسان الہی ظہیر کے لیے عربی اُردو

میں کتابیں لکھتے ہیں اور پھر احسان الہی ظہیر ان کا نام دیتے بغیر اپنے نام سے

یہ کتابیں شائع کر کے اپنی شہرت کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے۔ کیا دنیا اس پر تعجب نہ کرے گی کہ جو شخص انگریزی زبان نہ بول سکتا ہو، نہ پڑھ اور سمجھ سکتا ہو، اُس کی مستقل کتابیں انگریزی زبان میں اُس کے نام سے شائع ہوں؟

امام احمد رضا بریلوی کی فقہی بصیرت، ثروت نگاہی اور وسعتِ معلومات کے بیگانے بھی قائل ہیں۔ ابوالحسن علی ندوی اور شاہ معین الدین کے اقتباسات اس سے پہلے پیش کیے جا چکے ہیں۔ امام احمد رضا اس بات سے مستغنی تھے کہ کسی سے کتاب لکھوا کر اپنے نام سے شائع کر دیں۔

یہ تو اہل علم ہی جان سکتے ہیں کہ امام احمد رضا جو فتوے دیتے ہیں، وہ فیصلہ کن انداز میں دیتے ہیں، اس میں نہ تو ابہام ہوتا ہے، نہ تعقید، بلکہ قدرت نے انہیں ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ وہ مختلف اقوال و عبارات کو ان کے صحیح محمل پر محمول فرماتے اور احادیث مختلفہ میں اس طرح تطبیق دیتے کہ کوئی اشکال ہی باقی نہ رہتا۔

۳۔ ”بریلویوں کا یہ کہنا کہ ان کی تصانیف ایک ہزار سے زائد ہیں، دلیل سے ثابت نہیں، کیونکہ کتاب صرف فتاویٰ رضویہ کو کہا جاسکتا ہے جو چھوٹے بڑے حجم میں آٹھ جلدوں میں چھپا ہے۔ باقی چھوٹے چھوٹے رسائل میں جنہیں کتاب نہیں کہا جاسکتا۔“

گویا کتاب اسی تصنیف کو کہا جاسکتا ہے جو بارہ ضخیم جلدوں میں اور ہزاروں صفحات پر مشتمل ہو، ذیل میں چند کتابوں کے نام دیئے جاتے ہیں جو صرف چند صفحات پر مشتمل ہیں،
الفقہ الاکبر، امام اعظم ابوحنیفہ کی اہم تصنیف ہمارے سامنے ہے۔ مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ کا مطبوعہ نسخہ ہے جس میں عربی عبارت چھوٹے سائز کے پچیس صفحات سے زائد نہیں ہے

ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور (۳ اگست ۱۹۸۲ء) ص ۶

لے عبدالرحمن مدنی، حافظ

ص ۳۰

البریلویہ

لے ظہیر

اربعین، پالیس امدیث کا مجموعہ مختلف حضرات نے جمع کیا ہے۔ ایسا ہی ایک مجموعہ امام نووی کی تصنیفات میں شمار کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ مجموعہ بمشکل پندرہ صفحات پر مشتمل ہوگا۔ ایک روزہ، مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی تصانیف میں شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ چھوٹے سائز کے صرف بتیس صفحات پر مشتمل ہے۔

فتاویٰ شاہ رفیع الدین، مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی، صرف نو رسائل پالیس صفحات پر مشتمل ہیں حساب لگائیجئے کہ فی رسالہ اوسطاً کتنے صفحات پر مشتمل ہوگا۔

الفتح الخبیر: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا چند صفحات پر مشتمل رسالہ ہے جو الفوز الکبیر میں شامل کر دیا گیا ہے، اس کے باوجود تصانیف میں الگ شمار کیا گیا ہے۔

رسالہ اشارۃ المسجد، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ساڑھے تین صفحات پر مشتمل رسالہ

جو فتاویٰ عزیزی میں مندرج ہے۔

اصل میں کسی موضوع پر لکھی جانے والی علمی اور تحقیقی تحریر، رسائل اور تصانیف میں شمار کی جاتی ہے، اگرچہ چند صفحات پر مشتمل ہو، اس کے لیے متعدد جلدوں اور ہزاروں صفحات پر مشتمل ہونا ضروری نہیں۔

۴۔ فتاویٰ رضویہ چھوٹے بڑے رسائل پر مشتمل ہے، اس کے باوجود ان رسائل

کو تصانیف کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔ لہ

فتاویٰ رضویہ میں شامل رسائل کو الگ کر دیا جائے تو بھی اُس کی ضخامت غیر معمولی ہوگی، رسائل کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر انہیں الگ کیا جاتا ہے۔ ابھی رسالہ الفتح الخبیر کا ذکر ہوا ہے جو چند صفحات پر مشتمل ہے اور الفوز الکبیر میں شامل کر دیا گیا ہے، اس کے باوجود الگ شمار کیا جاتا ہے۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی تصانیف شمار کرتے ہوئے سب سے پہلے بجد العلوم کو شمار کیا گیا ہے جو تین جلدوں میں ہے، پھر اس کی پہلی جلد الوثنی المرقوم، دوسری جلد السحاب

المکرم کو الگ بھی شمار کیا گیا ہے۔ ۱۷

۵۔ بعض رسائل چھ صفحات پر مشتمل ہیں، مثلاً تنویر القندیل بعض سات صفحات پر
مثلاً بیان الوضوء اور بعض آٹھ صفحات پر مثلاً لمع الاحکام۔ یہ رسائل بھی ان کی تالیفات میں
شمار کیے گئے ہیں۔ ۱۸

غالباً یہ خیال نہیں رہا کہ یہ صفحات جہازی سائز کے ہیں۔ یہ رسائل عام کتابی سائز پر شائع
کیے جائیں، تو صفحات تین چار گنا بڑھ جائیں گے، اس سے قبل متعدد رسائل کی نشان دہی کی جا چکی
ہے جو صرف چند صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس کے باوجود تصانیف میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۶۔ "لطیفہ یہ ہے کہ صحیح بخاری، نسائی، التقریب وغیرہ کتب جو بریلوی کے کتب خانہ

میں موجود تھیں اور وہ ان کا مطالعہ کرتے رہتے تھے اور ایک دو صفحات پر

کہیں حاشیہ بھی لکھ دیا۔ ان تمام حواشی کو بھی اپنے مجدد کی تصنیف میں شمار کر دیا

حالانکہ ان حواشی میں سے بڑی کتاب تو کجا، چھوٹی کتاب بھی نہیں چھپی (ترجمہ ملخصاً)

یہ درست ہے کہ ان کتابوں پر امام احمد رضا بریلوی نے مستقل حواشی نہیں لکھے، لیکن اکثر و

بیشتر کتابوں پر لکھے ہوئے علمی اور تحقیقی نوٹس اتنی مقدار میں ہیں کہ انہیں الگ کتاب اور کتابچے

کی صورت میں شائع کیا جاسکتا ہے۔

۲۰۲-۱۴ھ / ۱۹۸۲ء میں طحطاوی علی الدر المختار پر امام احمد رضا کے حواشی تعلیقات رضا

کے نام سے مرکزی مجلس رضا، لاہور نے شائع کیے تھے۔ تحقیق و ترجمہ کا کام مولانا محمد صدیق

ہزاروی نے انجام دیا۔ یہ تعلیقات ۲۷۲ پر مشتمل ہیں، جن میں صرف عربی حواشی جیسا سی صفحات پر

پھیلے ہوئے ہیں۔

ج ۳، ص ۹-۲۷۵

ایجدالعلوم

لے صدیق حسن خاں بھوپالی،

ص ۳۱

البریلویہ

طے ظہیر،

ص ۲-۲۲

البریلویہ

طے ظہیر،

اسی طرح اسی سال میں معالم التنزیل پر امام احمد رضا کے حواشی، مولانا محمد صدیق بزاروی کے ترجمہ کے ساتھ چھپے ہیں، جو چوالیس صفحات پر مشتمل ہیں۔

البرلویتہ نامی کتاب ۲۲ مارچ ۱۹۸۳ء کے بعد چھپی، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ تعلیقات رضا کے دونوں حصے ان کی نظر سے نہ گزرے ہوں۔

جدالمستار، حاشیہ شامی

نُطقت یہ کہ ۱۹۸۲ء ہی میں شامی پر امام احمد رضا بریلوی کے مبسوط حاشیہ کی پہلی جلد حیدرآباد دکن سے چھپ گئی تھی جو ۲۲۲ صفحات پر مشتمل اور نفیس عربی ٹائپ پر چھپی بنے غالباً یہ جلد بھی نظر سے نہیں گزری ہوگی۔ یہ حاشیہ پانچ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

۷۔ اس گروہ کا صریح جھوٹ یہ کہنا ہے کہ فتاویٰ رضویہ بارہ جلدوں پر مشتمل ہے، حالانکہ اب تک اس کی صرف آٹھ جلدیں ہی چھپی ہیں۔ نیز ان آٹھ جلدوں میں سے صرف ایک جلد بڑے سائز پر چھپی ہے۔ باقی تمام جلدیں چھوٹے سائز پر چھپی ہیں۔ لے

ایک طفلِ مکتب بھی جانتا ہے کہ ہر کتاب کا چھپا ہوا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بے شمار کتابیں ایسی ہیں کہ جن کی ایک جلد بھی نہیں چھپی، تو کیا یہ کہا جائے گا کہ اس کتاب کی ایک جلد بھی نہیں ہے کیونکہ کوئی جلد چھپی جو نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدیں لکھی گئی تھیں، جن میں سے سات جلدیں مکمل اور دسویں جلد نصف چھپ چکی ہے۔

اسی طرح اگر آپ نے تاج محل نہیں دیکھا، تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ موجود ہی نہیں ہے، ہمارے پاس فتاویٰ رضویہ کی دوسری جلد کے علاوہ باقی تمام جلدیں بڑے سائز پر انڈیا کی چھپی ہوئی موجود ہیں، جو چاہے دیکھ سکتا ہے۔

لے ظہیر:

البرلویتہ

ص ۳۴

۸۔ بڑے سائز پر چھپی ہوئی جلد اول ۲۶۱ صفحات پر مشتمل ہے۔
 ممکن ہے یہ طباعت کی غلطی ہو، ورنہ پاکستانی ایڈیشن میں پہلی جلد آٹھ سو اسی صفحات پر
 مشتمل اور جہازی سائز پر چھپی ہوئی ہے۔

حاشیہ فوائح الرحموت

مسلم الثبوت تصنیف علامہ محب اللہ بہاری اصول فقہ کی دقیق ترین کتاب ہے۔
 حضرت علامہ بحر العلوم لکھنوی نے اس پر فوائح الرحموت کے نام سے شرح لکھی۔ بحر العلوم
 کا دقیق انداز تحریر کسی صاحب علم پر مخفی نہیں ہے۔ امام احمد رضا بریلوی نے اس پر حاشیہ تحریر
 فرمایا جو چار سو اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے اور راقم کے پاس محفوظ ہے۔

اسلامی سیاست

متحدہ پاک و ہند کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسلمانوں کا وجود ہندوؤں کے لیے کبھی قابل برداشت نہیں رہا ان کی سوچ ہمیشہ یہ رہی ہے کہ اسلام سرزمین عرب سے آیا ہوا غیر ملکی مذہب ہے، لہذا یہاں کے باشندوں کو پھر سے اپنے آبائی مذہب کو اختیار کر لینا چاہیے، کبھی یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ ہندوستان کے تمام باشندے ایک قوم ہیں، سلاطین مغلیہ میں سے اکبر کے دربار میں ان لوگوں کا اثر و نفوذ حد سے زیادہ بڑھ گیا، یہاں تک کہ اس نے ایک نئے دین، دین الہی کی داغ بیل ڈالنا چاہی جو ہندومت ہی کا چربہ تھا، اس سے ہندوؤں کو تو کیا نقصان پہنچتا، مسلمان اپنے دین و ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔

ایسے میں امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا۔ آپ کے ملفوظات اور مکتوبات نے وہ کام کیا کہ بڑے بڑے بادشاہ اور ان کے لشکر بھی نہ کر سکے۔ آپ کی مساعی جمیلہ لادینیت اور الحاد کے سامنے سد سکندری ثابت ہوئیں اور ملت، اسلامیہ کی کشتی گنگا اور جہنما کے منجدھار میں غرق ہونے سے محفوظ رہ گئی۔

اسی دور میں شیخ محسن شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے اپنی تصانیف کے ذریعے دین متین کی تعلیمات کو فروغ دیا اور کفر کے منہ زور سیلاب کا رخ موڑ دیا۔

ان کے بعد علمی و فکری قیادت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ہاتھ آئی اور ان حضرات نے کمال حسن و خوبی سے اہمیت مسلمہ کی اہتمام فرمایا۔ ان کے بعد علامہ فضل حق خیر آبادی، شاہ فضل رسول بدایونی

شاہ احمد سعید مجددی اور مولانا ارشاد حسین رامپوری وغیرہم اسلامی عقائد اور روایات کی حفاظت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

انیسویں صدی عیسوی میں اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں ایک ایسی شخصیت کو پیدا فرمایا جو غیرتِ اسلامی اور ملتِ اسلامیہ کی ہمدردی اور خیر خواہی کا پیکر اور ان حضرات کی صحیح جانشین تھی جسے دنیا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے نام سے جانتی ہے۔

تحریک ترک موالات

پہلی جنگِ عظیم کے بعد تقریباً ۱۹۱۹ء میں ترکوں پر انگریزوں کے مظالم کے خلاف، ہندوستان میں تحریکِ خلافت کا آغاز ہوا۔ یہ تحریک طوفان کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی اور پچھ بچھ انگریز حکمرانوں کے خلاف نفرت و عداوت کا شعلہ جوالہ بن گیا اس ہمہ گیر نفرت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسٹر گاندھی نے ۱۹۲۰ء میں کانگریس کی طرف سے نان کو آپریشن یعنی ترکِ موالات کا اعلان کر دیا۔

موالات کا معنی ہے دوستی اور محبت، ترکِ موالات کا معنی ہوا کہ محبت اور دوستی چھوڑ دی جائے، کس سے؟ اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک مسلمان کے دل میں کسی کافر کی محبت نہیں سما سکتی، خواہ وہ انگریز ہو یا ہندو، البتہ معاملہ یعنی لین دین، خرید و فروخت، مرتد کے علاوہ کسی بھی کافر سے کیا جاسکتا ہے۔ قرآن و حدیث اور ائمہ فقہاء کے ارشادات کی روشنی میں دیکھا جائے، تو موالات اور معاملہ دو الگ الگ چیزیں دکھائی دیں گی۔ کسی تحریک کی روجب چل نکلتی ہے، تو عوام و خواص، بوش و خروش اور نعروں کی گونج میں جذبات کی اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ عقل و دانائی کی باتیں سننے کے بھی روادار نہیں رہتے اور جو انہیں بھلائی اور خیر خواہی کا مشورہ دے، اُسے بھی شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، یہی کچھ اس تحریک میں بھی ہوا۔

اسلامی تشخص تک قربان

کسی قوم کے زندہ رہنے کے لیے اس کے قومی تشخص کا باقی رہنا از بس ضروری ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے لیڈر مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو ایسا چکڑ دیا کہ عوام تو عوام تعلیم یافتہ لوگ بھی اس کے گردیدہ ہو گئے یہاں تک کہ اسلامی تشخص بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

امام احمد رضا بریلوی اس قومی خودکشی کی لرزہ خیز صورت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(آیت کریمہ) "لَا يَنْفَكُمُ نَعْمَ نِيكَ بَرْتَاؤُ" مالی مواسات ہی کی تو رخصت دی

یایہ فرمایا کہ انہیں اپنا انصار بناؤ۔۔۔۔۔ ان کے گھر سے پار غار ہو جاؤ۔

ان کے طاغوت (گاندھی) کو اپنے دین کا امام ٹھہراؤ۔۔۔۔۔ ان کی بجے

پکارو۔۔۔۔۔ ان کی حمد کے نعرے مارو۔۔۔۔۔ انہیں مساجدِ مسلمین میں

بادب و تعظیم پہنچا کر۔۔۔۔۔ مسندِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لے جا کر۔۔۔

مسلمانوں سے اونچا اٹھا کر و اعظ و ہادیِ مسلمین بناؤ۔۔۔۔۔ ان کا مردارِ جبینہ

اٹھاؤ۔۔۔۔۔ کندھے پر ٹھکی (میت) زبان پر بجے یوں مر گھٹ میں پہنچاؤ۔

مساجد کو ان کا ماتم گاہ بناؤ۔۔۔۔۔ ان کے لیے دعائے مغفرت و

نمازِ جنازہ کے اعلان کراؤ۔۔۔۔۔ ان کی موت پر بازار بند کرو، سوگ

مناؤ۔۔۔۔۔ ان سے اپنے ماتھے پر قشقے (تہک) لگواؤ۔۔۔۔۔ ان کی

خوشی کو شعراِ اسلام (گائے کی قربانی) بند کراؤ۔۔۔۔۔ گائے کا گوشت

کھانا گناہ ٹھہراؤ۔۔۔۔۔ کھانے والوں کو کینہ بتاؤ۔۔۔۔۔ اسے مثل سور

کے گناؤ۔۔۔۔۔ خدا کی قسم کی جگہ رام دوہائی گاؤ۔۔۔۔۔ واحد قہار کے

اسما میں الحاد رچاؤ۔۔۔۔۔ اسے معاذ اللہ! رام یعنی ہر چیز میں رما ہوا،

ہر شے میں حلول کیے ہوئے ٹھہراؤ۔۔۔۔۔ قرآن مجید کو راماتن کے ساتھ

ایک ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جاؤ۔ دو ٹوں کی پوجا کرو۔

ان کے سر غنہ (گاندھی) کو کہو کہ خدا نے ان کو تمہارے پاس مذکر بنا کر بھیجا ہے۔

یوں معنی نبوت جماؤ۔ اللہ عزوجل نے سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہی تو فرمایا: اِنَّمَا اَنْتَ مَذْكُوْرٌ تم تو نہیں، مگر مذکر۔ اور

خدا نے مذکر بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے معنی رسالت کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔

ہاں لفظ بجایا، اُسے یوں دکھایا: نبوت ختم نہ ہوتی، تو گاندھی جی نبی ہوتے۔

اور امام و پیشوا و بجائے مہدی موعود تو صاف کہہ دیا۔ بلکہ اس کی

مد میں یہاں تک اونچے اڑے کہ ”خاموشی از شنائے تو حد شنائے تست۔“

صاف کہہ دیا کہ ”آج اگر تم نے بند و بجاتیوں کو راضی کر لیا، تو اپنے خدا کو راضی کر لیا۔“

صاف کہہ دیا کہ ہم ایسا فکر بنانے کی فکر میں ہیں جو بند و

مسلم کا امتیاز اٹھا دے گا۔“ صاف کہہ دیا کہ ”ایسا مذہب چاہتے

ہیں جو سنم و پریاگ کو مقدس علامت ٹھہرائے گا۔“ صاف کہہ دیا کہ

”ہم قرآن و حدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کر دی۔“ کیا کریمہ

لَا يَنْهٰكُمْ فِيْ اَنْ تَلْعَنُوْا و كُفْرِيَّاتٍ كِيْ اِجَازَتٍ دِي تَحِيّ؟“ لہ

تحریریک ترک موالات اگر کامیابی سے ہمکنار ہو جاتی تو سیدھے سادے مسلمانوں

کا دین و ایمان تباہ ہو جاتا اور وہ ہندوؤں میں مدغم ہو کر رہ جاتے، اس کے علاوہ علمی اور

معاشی طور پر مسلمانوں کا دیوالہ نکل جاتا۔ اس وقت ہندوؤں کی تعداد ۲۳ کروڑ اور

مسلمانوں کی تعداد سات کروڑ تھی، اس لیے ضروری تھا کہ ایک مسلمان کے مقابل تین

ہندو ملازمت چھوڑتے، جبکہ وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔ پھر ہندوؤں کے مقابل مسلمان

گورنمنٹ کے عہدوں پر پانچ فیصد تھے، مسلمانوں کے ملازمت چھوڑنے کی صورت میں ان

عہدوں پر بھی بندو آجاتے اور مسلمان اقتصادی لحاظ سے مزید کمزور پڑ جاتے۔^۱
 گاندھی اور اس کے ہم خیال علماء نے اسلامیہ کالج لاہور اور علی گڑھ کالج کو تباہ کرنے
 میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ جبکہ ڈی۔ اے۔ وی کالج لاہور اور بنارس ہندو یونیورسٹی پر کچھ اثر
 نہ ہوا۔ دراصل کچھ ہندو لیڈر خود اس تحریک کے خلاف تھے، ان کی چال یہ تھی کہ مسلمانوں کے
 کالج تباہ ہو جائیں، ان کے عہدے ختم ہو جائیں، ہمارے کالج بھی بدستور چلتے رہیں اور عہدے
 بھی بحال رہیں۔ ان کی کامیابی کی صورت میں مسلمانوں کا معاشی اور علمی لحاظ سے جو نقصان ہوتا
 اس کی کبھی تلافی نہ ہو سکتی۔

پینڈت مدن مالوی اس بات کے سخت خلاف تھے کہ طالب علم حکومت کی امداد سے
 چلنے والے کالجوں کا بائیکاٹ کریں جبکہ مسٹر گاندھی اس بائیکاٹ کے زبردست موید اور محرک
 تھے۔ اس کے باوجود بنارس ہندو یونیورسٹی کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے مسٹر گاندھی نے کہا
 ”میں پینڈت مالوی کا ہم خیال ہوں کہ طالب علموں کو اپنے ضمیر کے مطابق
 کارروائی کرنی چاہیے۔ میں آپ لوگوں سے بڑے زور کے ساتھ کہتا ہوں
 کہ اگر آپ میری ویلوں سے قائل نہ ہوں تو ہرگز ہرگز قطع تعلق کی پالیسی اختیار
 نہ کریں۔“^۲

مقام غور ہے کہ گاندھی نے اس قدر ڈھیلا ڈھالا انداز اختیار کیوں کیا؟ اس لیے کہ مخاطب
 ہندو طلبہ تھے اور اگر مسلمان طلبہ مخاطب ہوتے تو انہیں پُر زور انداز میں بائیکاٹ کی تلقین کی جاتی،
 تاکہ مسلمان بچوں کا علمی مستقبل تباہ ہو جائے اور ہندو طلبہ بدستور علمی لحاظ سے ترقی کرتے رہیں۔

قائدِ اعظم اور ترکِ موالات

یہ ایک حقیقت ہے کہ تحریکِ ترکِ موالات طوفان کی طرح پورے ملک پر چھا گئی تھی۔

۱۔ ہندوؤں سے ترکِ موالات (مطبوعہ لاہور ۱۹۲۰ء) ص ۲۰

۲۔ تاج الدین احمد تاج، منشی،
 لکھنؤ، ایضاً

اڑانی گئی ان کی باتوں کو مجذوب کی بڑ کہا گیا، لیکن علامہ نہ صرف اپنے نظریے پر قائم رہے، بلکہ دوسروں کو بھی اس کے لیے ہموار کرتے رہے۔ ۲۱ جون ۱۹۳۷ء کو قائدِ اعظم کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

کانگریس کے صدر نے غیر مبہم الفاظ میں مسلمانوں کے (جداگانہ) سیاسی وجود ہی سے انکار کر دیا ہے۔ ہندوؤں کی دوسری سیاسی جماعت یعنی مہاسمانہ جسے میں ہندو عوام کی حقیقی نمائندہ سمجھتا ہوں بارہا اعلان کیا ہے کہ ہندوستان میں ایک متحدہ ہندو مسلم قوم کا وجود ناممکن ہے ان حالات کے پیش نظر بدیہی حل یہ ہے کہ ہندوستان میں قیام امن کیلئے ملک کی از سر نو تقسیم کی جائے جس کی بنیاد نسل، مذہب اور سانی اشتراک پر ہو۔ بہت سے برطانوی مدیرین بھی ایسا ہی محسوس کرتے ہیں.... مجھے یاد ہے کہ انگلستان سے روانگی سے قبل لارڈ لوٹھیان نے مجھ سے کہا تھا کہ میری اسکیم میں ہندوستان کے معائب کا واحد حل ممکن ہے یہ

مسلمان اور ہندو، دو الگ الگ قومیں ہیں۔ یہ اعلان امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے دور میں پوری قوت سے کیا۔ یہی نعرہ حق امام احمد رضا بریلوی نے ۱۹۲۰ء میں اتنی قوت سے بلند کیا کہ ہندو مسلم اتحاد کا پردہ چاک ہو گیا۔ یہی وہ دو قومی نظریہ تھا جو ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد کی بنیاد بنا اور جسے ۱۹۳۸ء میں قائدِ اعظم نے قبول کیا۔ قائدِ اعظم کی طرح علامہ اقبال بھی تحریکِ خلافت کے حق میں نہیں تھے۔

میاں عبدالرشید، کالم نگار نورِ بصیرت، "نوائے وقت لکھتے ہیں:

"علامہ اقبال تحریکِ خلافت کے مخالف تھے، چنانچہ انہوں نے یہ اشعار لکھے:

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟
 خلافت کی کرنے لگانو گدائی
 خریدیں نہ وہ جس کو اپنے لہو سے
 مسلمان کو بے ننگ وہ پادشائی

لے خواجہ رضی حیدر: قائدِ اعظم خطبہ کے آئینہ میں دہلیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۵ء، ص ۳۱۱

مرا از شکستن چنساں عار ناید

کہ از دیگراں خواستن مومیا نی (بانگِ در)

قائدِ اعظم بھی اس تحریک اور اس کی ضمنی تحریکوں کو مسلمانوں کے لیے سخت نقصان دہ سمجھتے تھے، مگر ان دنوں کسی نے ان کی ایک نہ سنی۔ چنانچہ وہ اس آندھی کے

دوران، میدانِ سیاست سے ہٹ آئے اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ جن

لوگوں نے میدان میں آکر خلافت، ہجرت اور ترکِ موالات جیسی نقصان دہ تحریکوں

کی مخالفت کی اور ان کے حامیوں اور لیڈروں کا زور توڑا۔ وہ حضرت احمد رضا خاں

اور ان کے احباء، رفقاء اور عقیدت مند ہی تھے۔

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار

مسٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں،

اقبال مسئلہ تحفظِ خلافت پر مسلمانوں کے بندوں کے ساتھ مل کر عدم تعاون

کی تحریک میں شرکت کے خلاف تھے، کیونکہ کسی قابل قبول بند و مسلم معاہدے کے

بغیر محض انگریز دشمنی کی بنا پر قومیتِ متحدہ کی تعمیر ممکن نہ تھی، علاوہ اس کے نہیں

خدا شہ تھا کہ کہیں ایسے اشتراک اور مسلمانوں کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر قومیتِ

متحدہ کے داعی ان کی علیحدہ ملی حیثیت کو ختم نہ کر دیں جس کے سبب بعد میں نہیں

پشیمان ہونا پڑے، انہی اختلافات کی بنا پر اقبال نے صوبائی خلافت کمیٹی سے

استعفا دے دیا۔

خود علامہ اقبال کا بیان ہے،

”خلافت کمیٹیوں کے بعض ممبر ہر جگہ قابل اعتماد نہیں ہوتے، وہ بظاہر جو شیلے

پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر (ادارہ تحقیقات پاکستان لاہور) ص ۱۱۶

زند رود (شیخ غلام علی، لاہور) ج ۲ ص ۲۴۸

لہ میاں عبدالرشید

لہ جاوید اقبال

مسلمان معلوم ہوتے ہیں، لیکن در باطن انخوان الشیاطین ہیں، اسی وجہ سے میں نے خلافت کمیٹی کی سیکرٹری شپ سے استعفا دے دیا تھا۔^۱ لہٰذا ابتداءً علامہ اقبال بھی متحدہ قومیت کے قائل تھے، لیکن گہرے غور و فکر نے ان کی رائے تبدیل کر دی۔ ۱۴ نومبر ۱۹۲۳ء کو سید محمد سعید الدین جعفری کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”ابتداءً میں میں بھی قومیت پر اعتقاد رکھتا تھا اور ہندوستان کی متحدہ قومیت کا خواب شاید سب سے پہلے میں نے دیکھا تھا، لیکن تجربہ اور خیالات کی وسعت نے میرے خیال میں تبدیلی کر دی اور اب قومیت میرے نزدیک محض ایک عارضی نظام ہے جس کو ہم ایک ناگزیر زشتی سمجھ کر گوارا کرتے ہیں۔“^۲ لہٰذا سید سلیمان ندوی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”اسلام کا بندوؤں کے ہاتھ بک جانا گوارا نہیں ہو سکتا، افسوس اہل خلافت اپنی اصلی راہ سے بہت دُور جا پڑے، وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں جس کو کوئی مخلص ایک منٹ کے لیے بھی قبول نہیں کر سکتا۔“^۳

اسی لیے یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ

”تحریک ترک موالات میں بریلویوں کے علاوہ مسلمانوں کے تمام گروہ،

ان کے زعماء، قائدین اور علماء شامل تھے۔“^۴

اگر مسلمانوں کے تمام گروہ ترک موالات کے دور میں ہندو مسلم اتحاد کا شکار ہو گئے ہوتے،

تو پاکستان کی حمایت میں مسلمانوں کی غالب ترین اکثریت کبھی ووٹ نہ دیتی اور پاکستان بھی معرض

۱ زندہ رود (شیخ غلام علی لاہور)، ج ۲، ص ۲۴۹

۲ لے جاوید اقبال، ڈاکٹر،

۳ ص ۲۴۳

۴ ایضاً:

۵ ص ۲۶۳

۶ ایضاً:

۷ البریلویہ ص ۴۲

۸ ظہیر:

وجود میں نہ آتا۔ یہ امر باعث حیرت ہے کہ ایک طبقہ پاکستان میں رہتے ہوئے بھی پاکستان کی بنیادوں کو محفوظ کرنے والوں کے خلاف زبان طعن و راز کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔

امام احمد رضا بریلوی اور ترک موالات

تحریک ترک موالات ایک طوفان کی طرح پورے متحدہ پاک و ہند پر چھا چکی تھی، اس کے خلاف آواز اٹھانا، اپنے آپ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنانے کے مترادف تھا بلکہ اسلامیہ کا دشمن اور انگریز کا ایجنٹ قرار دینا عام سی بات تھی۔

رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں:

”اس تحریک کی جس نے مخالفت کی، اس کا رخ جس نے موڑنا چاہا، اس کی پیگڑی سلامت نہ رہ سکی۔۔۔۔۔ اکابر علماء، صلحاء، اختیار، ابرار میں سے جس نے بھی اس تحریک کی مخالفت کی، اسے مسلمانوں کے قومی پلیٹ فارم سے ہٹ جانا پڑا۔“

ایسے عالم میں امام احمد رضا بریلوی نے کسی مخالفت اور الزام کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بصیرت ایمانی کا فیصلہ صادر فرمایا اور طوفانوں کی زد پر دین و ایمان کا چراغ فروزاں رکھا۔ تاریخ شاہد ہے اور مورخین اس اعتراف پر مجبور ہیں کہ زمانے کا بڑے سے بڑا طوفان ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ لاسکا، بلکہ ان کی ایمانی جرات و استقامت نے طوفانوں کا رخ موڑ دیا۔ اس وقت ان پر طرح طرح کے الزامات عائد کیے گئے، لیکن طوفانی دور گزر جانے کے بعد دیانت دار مورخین ان کی ایمانی بصیرت کی داد دیتے بغیر نہیں رو سکتے

گائے کی قربانی

مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد ہی ہندوؤں کی کوشش تھی کہ مسلمانوں سے گائے کی

قربانی رکوا دی جائے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ہر حربہ استعمال کیا۔ کہیں توجہ و تشدد سے اس اسلامی شعار کو بند کرنے کی کوشش کی اور کہیں دجل و فریب سے۔

”علاقہ بہار میں ہندوؤں نے محض قربانی گاؤں کو روکنے، یعنی مسلمانوں کے ایک مذہبی اور دینی شعار کو قطعاً بند کرنے کے لیے ہزار ہا کی تعداد میں اور لشکروں کی صورت میں مجتمع ہو کر اور ہر طرح کے اسلحہ جات سے مسلح ہو کر اور گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سوار ہو کر ہزار ہا مسلمانوں کو زخمی اور قتل کیا۔ ایک نہیں، دو نہیں، مسلمانوں کے ایک سو چالیس گاؤں اور دو ہزار سات سو مکانا اس بے دردی کے ساتھ لوٹے کہ جن کی تفصیل سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ مسلمانوں کے مکانات کا لوٹا ہوا مال ظالم ہندو ہاتھیوں پر لاد کر لے گئے۔ آپ کے ہندو دوستوں نے لا تعداد مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کی عصمت دری کی۔ آپ کے ہندو دوستوں نے مسلمانوں کی پانچ عالی شان مسجدیں شہید کر دیں۔ آپ کے ہندو دوستوں نے مسلمانوں کے قرآن مجید پھاڑ پھاڑ کر ایسے پڑے اڑائے کہ مسلمانوں کے پاس پڑھنے کے لیے قرآن مجید کا ایک نسخہ بھی نہ رہا۔“

کبھی اس مقصد کے لیے فریب کا سہارا لیا اور زید و عمر کے نام سے علماء کے پاس استفتاء بھیجے کہ گائے کی قربانی اسلام میں واجب نہیں ہے، البتہ اس سے فتنہ و فساد کا خطرہ ہوتا ہے۔ اگر مسلمان گائے کی قربانی نہ کریں، تو اس میں کیا حرج ہے؟ بعض جید علماء کی اس طرف توجہ نہ ہو سکی، انہوں نے فتویٰ دے دیا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء میں اسی قسم کا ایک استفتاء امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے پہلی نظر میں ہی سوال کا چھپا ہوا مقصد معلوم کر لیا اور جواباً تحریر فرمایا کہ

لے مکج الدین احمد تاج، منشی، ہندوؤں سے ترک موالات، ص ۶

شریعت مبارکہ میں بعض چیزیں نفس ذات کے لحاظ سے واجب یا حرام ہوتی ہیں اور بعض اشیاء امور خارجہ اور عوارض کی بنا پر واجب یا حرام ہوتی ہیں۔ گائے کی قربانی اپنی ذات کے اعتبار سے واجب نہیں ہے، لیکن اگر اسے جبراً بند کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو تو اس کا جاری رکھنا واجب ہوگا۔

”ہم ہر مذہب و ملت کے عقلاء سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر کسی شہر میں بزورِ مخالفین گاؤ کشتی قطعاً بند کر دی جائے اور بلحاظ ناراضی ہنود اس فعل کو کہ ہماری شرع مطہرہ ہرگز اس سے باز رہنے کا حکم نہیں دیتی، ایک قلم موقوف کیا جائے، تو کیا اس میں ذلتِ اسلام متصوّر نہ ہوگی؟

_____ کیا اس میں خواری و مغلوبی مسلمین نہ سمجھی جائے گی؟

_____ کیا اس وجہ سے ہنود کو ہم پر گردنیں دراز کرنے اور اپنی چیرہ دستی پر اعلیٰ درجہ کی خوشی ظاہر کر کے ہمارے مذہب اور اہل مذہب کے ساتھ شہادت کا موقع ہاتھ نہ آئے گا؟

_____ کیا بلاوجہ وجہ اپنے لیے ایسی ذنات و ذلت اختیار کرنا اور

دوسروں کو دین کی مغلوبی سے اپنے اوپر سنسوانا ہماری شرع مطہرہ جائز فرماتی ہے؟

_____ حاشا وکلا ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ _____ ہماری شرع مطہرہ

ہرگز ہماری ذلت نہیں چاہتی، نہ یہ متوقع کہ حکام وقت صرف ایک جانب

کی پاسداری کریں اور دوسری طرف کی توہین و تذلیل روار کھیں۔“ لہ

۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء کو مسلم لیگ ضلع بریلی کے جوائنٹ سیکرٹری سید عبدالودود

نے ایک استفتاء پیش کیا کہ آج کل ہندو، گائے کی قربانی موقوف کرانے کے لیے زبردست

کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے حکومت کو پیش کرنے کے لیے ایک درخواست تیار کی ہے

جس پر کروڑوں افراد کے دستخط ہیں ایسے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ امام احمد رضا بریلوی نے اس کا جواب تحریر فرمایا،

فی الواقع گاتو کشی ہم مسلمانوں کا مذہبی کام ہے جس کا حکم ہماری پاک مبارک کتاب کلام مجید رب الارباب میں متعدد جگہ موجود ہے اس میں بندوؤں کی امداد اور اپنی مذہبی مضرت میں کوشش اور قانونی آزادی کی بندش نہ کرے گا گروہ جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقیر احمد رضا قادری غفرلہ

امام احمد رضا بریلوی اور دیگر علماء سہیل سنت کے فتاویٰ کا یہ اثر ہے کہ بجز تعالیٰ آج بھی ہندوستان کے سبھی مسلمان تمام تر دہشت گردی کو برداشت کر کے گلے کی قربانی ایسے شعائر اسلام کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اگر علماء اسلام بروقت اس سازش کا سدباب نہ کرتے، تو آج ہندوستان میں اس شعائر اسلام کا نام و نشان تک مٹ چکا ہوتا۔

اسلامیہ کالج لاہور

ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں تھے اور تعلیمی لحاظ سے پسماندہ، اسی لیے وہ ملازمتوں اور عہدوں میں بھی بندوؤں سے خطرناک حد تک پیچھے تھے۔ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری اپنی مشہور کتاب "التور" میں اعداد و شمار کی روشنی میں مسلمانوں کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں،

"اس وقت ہندوستان میں مجموعی تعداد کالجوں کی ایک سو پچیس ہے۔ تین مسلمانوں کے (علی گڑھ، لاہور، اور پشاور) اور ایک سو بائیس ہندوؤں کے۔ سارے کالجوں میں مجموعی تعداد ہندوستانی طلبہ کی

۲۳۴ ج ۰۲ ص ۲۳۴ رسالہ رضویہ امام، احمد رضا بریلوی،

”آپ میں سے بہت سے آدمی ہوں گے، جن کے کالجوں اور مدرسوں میں لڑکے پڑھتے ہیں۔ مولانا آزاد نے کہا ہے کہ ان کی تعلیم حرام ہے۔ اگر آپ چاہیں تو صبح ہی سے لڑکوں کو مدرسوں میں نہ بھیجیو۔“

علامہ اقبال، انجمن حمایت اسلام لاہور کے جنرل سیکرٹری تھے جس کے ماتحت اسلامیہ کالج چل رہا تھا اور مولانا حاکمی و انس پرنسپل کالج ہنگامے کی تدریس ہوا، تو مولانا حاکم علی نے ایک استفتاء امام احمد رضا خاں بریلوی کے پاس بھیجا اور دریافت کیا کہ یونیورسٹی کے ساتھ کالج کے الحاق کے برقرار رکھنے اور حکومت سے امداد لینے کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟ امام احمد رضا بریلوی نے تحریر فرمایا:

”وہ الحاق و اخذ امداد اگر نہ کسی امر خلاف اسلام و مخالف شریعت سے مشروط نہ اس کی طرف منجز تو اس کے جواز میں کلام نہیں، ورنہ ضرور ناجائز اور حرام ہوگا۔ پھر مخالفین کے غلط رویے کی نشان دہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”خود مانعین کا طرز عمل ان کے کذب دعویٰ پر شاہد، ریل، ڈاک، تار سے تمتع کیا معاملت نہیں؟ فرق یہ ہے کہ اخذ امداد میں مال لینا ہے اور ان کے استعمال میں دینا، عجب کہ مقاطعت میں مال دینا حلال ہو اور لینا حرام، اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ریل، تار، ڈاک ہمارے ہی ملک میں۔ ہمارے ہی روپے سے بنے ہیں۔ سبحان اللہ! تعلیم کا روپیہ کیا انگلستان سے آتا ہے؟ وہ بھی یہیں کا ہے، تو حاصل وہی ٹھہرا کہ مقاطعت میں اپنے مال سے نفع پہنچانا مشروع اور خود نفع لینا ممنوع، اس اُلٹی عقل کا کیا علاج؟“

پروفیسر حاکم علی، ص ۶۸ (بحوالہ روزنامہ زمیندار لاہور)

رسائل رضویہ (مکتبہ حامدیہ لاہور) ج ۲، ص ۸۵

ج ۲، ص ۶-۸۵

۱۔ محمد صدیق، پروفیسر،

۲۔ امام احمد رضا بریلوی،

۳۔ ایضاً،

۱۲ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء کو چودھری عزیز الرحمن نے لاہور سے ایک استفتاء ارسال کیا، جس کے لمبے میں تلخی تھی، انہوں نے لکھا:

”کیا ایسے وقت میں اسلامی حمیت و غیرت یہ چاہتی ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ نکل آئے جس سے انگریز افسر خوش ہو جائیں اور مسلمان تباہ ہو جائیں؟“

امام احمد رضا بریلوی نے بستر مرگ سے ڈیڑھ سو صفحات پر پھیلا ہوا تفصیلی جواب دیا جس کی ایک سطر سے ملت اسلامیہ کا درد چھوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہ جواب الحجۃ المومنین فی آیۃ الممتحنہ کے نام سے پہلے بریلی اور پھر لاہور سے چھپ چکا ہے۔ یہ کتاب دو قومی نظریہ کے سمجھنے کے لیے اہم ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جناب پروفیسر محمد مسعود احمد پرنسپل گورنمنٹ کالج کھٹک، سندھ نے ایک مقالہ فاضل بریلوی اور ترک موالا میں اس کتاب کا تفصیلی اور جامع تعارف پیش کیا ہے، جولا لقی مطالعہ ہے۔

سر سید کے دور میں جب نہ صرف انگریزی وضع قطع اور تعلیم بلکہ انگریزی فکر کو بھی بہ طور فیشن اپنایا جا رہا تھا۔ امام احمد رضا بریلوی اور دیگر علماء اہل سنت نے ان پر سخت تنقید کی تھی۔ پھر جب رٹ بدلا اور انگریز کی بجائے ہندو کو اپنا ملجا و ماویٰ اور امام بنا یا جانے لگا، تو علماء اہل سنت نے اس کا بھی سختی سے نوٹس لیا۔ دونوں زمانوں میں ان کا مقصد و مدعا رضائے الہی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

”مسلمان کو خدا لگتی کہنی چاہیے، ہندوؤں کی غلامی سے چھڑانے کو جو فتاویٰ اہل سنت نے دیئے کلام الہی و احکام الہی بیان کیے، تو یہ ان (لیڈروں) کے دھرم میں انگریزوں کو خوش کرنے کو ہوتے وہ جو ہیر نیچر کے دور میں نصرانیت کی غلامی ابھی تھی جسے اب آدھی صدی کے بعد لیڈروں نے بیٹھے ہیں کیا اس کا

لے احمد رضا بریلوی، امام، رسالہ رضویہ، ۱۹۲۰ء، ص ۸۸

رد علمائے اہل سنت نے نہ کیا، وہ کس کے خوش کرنے کو تھا؟ لہ
پھر انگریز نوازی کے الزام کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
”بات یہ ہے کہ

عَلَى نَفْسِهِ

(آدمی اپنے ہی احوال پر کرتا ہے قیاس)

لیڈروں اور ان کی پارٹی نے آج تک نصرانیت کی تقلید و غلامی، خوشنودی نصاریٰ
کو کی، اب کہ ان سے بگڑی ان سے بدرجہا بڑھ کر خوشنودی ہنوکو ان کی غلامی لی۔
سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ! خادمانِ شرع بھی ایسا ہی کرتے ہوں گے، حالانکہ
اللہ و رسول جانتے ہیں کہ اطہارِ مسائل سے خادمانِ شرع کا مقصود کسی مخلوق کی خوشی
نہیں ہوتا، صرف اللہ عزوجل کی رضا اور اس کے بندوں کو اس کے احکام
پہنچانا، واللہ الحمد!

سنیے! ہم کہیں واحدِ قہار اور اس کے رسولوں اور آدمیوں سب کی ہزار
در ہزار لعنتیں، جس نے انگریزوں کے خوش کرنے کو تباہیِ مسلمین کا مسئلہ نکالا ہو
نہیں نہیں، بلکہ اس پر بھی جس نے (کوئی) حق مسئلہ نہ رضائے خدا و رسول نہ تنبیہ
آگاہیِ مسلمین کے لیے بتایا، بلکہ اس سے خوشنودی نصاریٰ اس کا مقصد و عیا ہوتے
اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ لیجئے کہ اللہ واحدِ قہار اور اس کے رسولوں اور ملائکہ اور
آدمیوں، سب کی ہزار در ہزار لعنتیں ان پر جنہوں نے خوشنودی مشرکین (ہنود)
کے لیے تباہیِ اسلام کے مسائل دل سے نکالے، اللہ عزوجل کے کلام و احکام،
تحریف و تغیر سے کایا پلٹ کر ڈالے، شعائرِ اسلام بند کیے، شعائرِ کفر پسند کیے،
مشرکوں کو امام و ہادی بنایا، ان سے وادو اتحاد منایا اور اس پر سب لیڈر مل کر کہیں آمین

لہ احمد رضا بریلوی، امام، رسائل رضویہ ج ۲، ص ۱۲۲
تہ ایضاً، " " " " ص ۱۲۳-۱۲۴

بالآخر ۱۱ دسمبر ۱۹۲۰ء کو علامہ اقبال کی ذاتی کوششوں سے اسلامیہ کالج دوبارہ کھل گیا۔
اور اس طرح طلبہ بہت بڑے تعلیمی نقصان سے بچ گئے۔

تحریکِ ہجرت

تحریکِ ترکِ موالات کے زمانے میں ایک تحریک یہ بھی اٹھی کہ مسلمانوں کو ہندوستان سے ہجرت کر جانا چاہیے۔ علمائے اہل سنت نے اس کی سختی سے مخالفت کی جو لوگ ہندوؤں کی چال کو نہ سمجھ سکے، ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا:

”بادارالاسلام، اس سے ہجرتِ عامہ حرام ہے کہ اس میں مساجد کی دیرانی،
و بے حرمتی، قبورِ مسلمین کی بربادی، عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کی تباہی ہوگی۔“

ہندوؤں کی مہلک سازشوں کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”دشمن اپنے دشمن کے لیے تین باتیں چاہتا ہے:

اول، اُس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو۔

دوم، یہ نہ ہو تو اس کی جلا وطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔

سوم، یہ بھی نہ ہو سکے تو اخیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے۔

مخالف ہندو، نے یہ تینوں درجے ملنے پر طے کر دیئے اور اُن کی آنکھیں نہیں

کھلتیں، خیر خواہی سمجھے جاتے ہیں۔

اول، جہاد کے اشارے ہوتے، اس کا کھلا نتیجہ ہندوستان کے مسلمانوں

کا فنا ہونا تھا۔ کیونکہ ان میں طاقت نہ تھی ۱۲ قادری

ثانیاً، جب یہ نہ بنی ہجرت کا بھڑا (فریب) دیا کہ کسی طرح یہ دفع ہوں، ملک ہماری کبڑیاں کھیلنے کو رہ جائے، یہ اپنی جائیدادیں کوڑیوں کے مول بیچیں یا یوں ہی چھوڑ جائیں، بہر حال ہمارے ہاتھ آئیں، ان کی مساجد و مزارات اولیاء ہماری پامالی کو رہ جائیں۔

ثالثاً، جب یہ بھی نہ بھیجی، تو ترکِ موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترکِ معاملات پر اُبھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑ دو، کسی کو نسل کمیٹی میں داخل نہ ہو، مال گزاری، ٹیکس کچھ نہ دو، خطابات واپس کر دو۔ امر اخیر تو صرف اس لیے ہے کہ ظاہری نام کا دنیوی اعزاز بھی کسی مسلمان کے لیے نہ رہے اور پہلے تین اس لیے کہ ہر صیغہ، ہر محکمہ میں صرف ہنود رہ جائیں۔ جہاں ہنود کا غلبہ ہوتا ہے۔ حقوقِ اسلام پر جو گزرتی ہے ظاہر ہے، جب تنہا وہی رہ جائیں گے، تو اس وقت کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے۔“ لہ

ہجرت کر کے جانے والوں کا جو حشر ہوا، اس کا ہلکا سا نقشہ رئیس احمد جعفری کی تحریر میں دیکھا جاسکتا ہے،

”پھر ہجرت کی تحریک اٹھی، ۱۸ ہزار مسلمان اپنا گھر بار، جائیداد، اسباب غیر منقولہ اونے پونے بیچ کر۔۔۔ خریدنے والے زیادہ تر ہندو ہی تھے۔ افغانستان ہجرت کر گئے، وہاں جگہ نہ ملی، واپس کئے گئے، کچھ مر کھپ گئے، جو واپس آتے تباہ حال، خستہ، درماندہ، مفلس، قلاش، تہی دست، بے نوا، بے یار و مددگار، اگر اسے ہلاکت نہیں کہتے ہیں، تو کیا کہتے ہیں؟ اور اگر جناح نے اسے ہلاکت خیز کہا تھا، تو کیا غلط کہا تھا؟“ لہ

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی دُور رس نگاہوں نے جو کچھ محسوس کیا تھا، وہ کس قدر صحیح اور بروقت تھا۔

جہاد

اسلامی فرائض میں جہاد اہم ترین فریضہ ہے، لیکن یہ اُسی وقت فرض ہوگا، جب اس کی شرائط پائی جائیں، اس کی اہم شرائط میں سے سلطانِ اسلام اور قوت کا موجود ہونا ہے، اسی لیے امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا تھا:

”مفلس پر اعانت مال نہیں، بے دست و پا پر اعانت اعمال نہیں، و لہذا مسلمانانِ ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں۔“ لہ

ایک دوسری جگہ قوت و طاقت کے شرط ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں،
 ”سلطانِ اسلام جس پر قیامتِ جہاد فرض ہے، اُسے بھی کافروں سے پہلے حرام ہے جبکہ ان کے مقابلہ کے قابل نہ ہو۔“ مجتبیٰ و شرح نقایہ ورود المختار کی عبارت گزشتہ:

هَذَا إِذَا غَلَبَ عَلَى ظَهْرِهِمْ وَالْأَفْلَاحُ قَتَالَهُمْ
 (یہ اس وقت ہے جب گمان غالب ہو کہ ان کے مقابلہ کے قابل ہے، ورنہ ان سے لڑنا حلال نہیں) لہ

ظاہر ہے کہ اس وقت ہندوستان میں نہ تو سلطانِ اسلام موجود تھا اور نہ ہی طاقت، پھر صا و کس بتے پر کیا جاتا؟

امام احمد رضا بریلوی کے ان فتاویٰ کی بنا پر کہا جاتا ہے:

لہ احمد رضا بریلوی، امام؛ دوام العیش (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۱۰۸
 لہ ایضاً؛ رسائل رضویہ ج ۲، ص ۲۱۰

”اسی لیے مسلمانوں میں مشہور ہو گیا کہ وہ انگریز کے ایجنٹ ہیں اور ان کے

لیے کام کر رہے ہیں“ (ترجمہ) لے

امام احمد رضا بریلوی نے ایک حکم شرعی بیان کیا تھا، جس میں نہ تو انگریز کی طرف ذاری مقصود تھی اور نہ ہی چالپوسی اور خوشامد، جبکہ علماء اہل حدیث نے نہ صرف حرمت جہاد کا فتویٰ دیا، بلکہ خوشامد اور تملق کے تمام درجے طے کر گئے، تفصیل کے لیے اسی کتاب کا دوسرا باب ملاحظہ کیا جائے، سر دست صرف ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی، اہل حدیث کے وکیل اور صف اول کے راہنما تھے۔ انہوں نے ۱۸۷۶ء میں ایک رسالہ الاقتصاد لکھا، جس کا مقصد ایک طرف تو مسلمانوں سے جہاد کے جذبے کو ختم کرنا تھا اور دوسری طرف برٹش گورنمنٹ کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا تھا، یہ ان کی انفرادی رائے نہ تھی، بلکہ لاہور سے عظیم آباد، پٹنہ تک سفر کر کے بڑے بڑے علماء کو یہ رسالہ حرف بحرف سنایا اور ان کی تائید حاصل کی۔ ہندوستان اور پنجاب کے جن شہروں تک وہ نہ پہنچ سکے، وہاں اس رسالہ کی کاپیاں بھجوا کر علماء کی تصدیق حاصل کی۔ پھر ۱۸۷۹ء میں اس رسالہ کے اصل اصول مسائل کو اپنے رسالہ اشاعت السنۃ کی جلد ۲، نمبر ۱۱ کے ضمیمہ میں شائع کیا، جس پر صد ہا عوام و خواص (اہل حدیث) نے ان مسائل پر اتفاق کا اظہار کیا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ رسالہ علماء اہل حدیث کا متفقہ فیصلہ تھا۔

اس رسالہ میں بٹالوی صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ اس وقت دنیا بھر میں شرعی جہاد کی کوئی صورت ہی نہیں ہے، وہ لکھتے ہیں:

”ان دو نتیجوں سے ایک اور نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی شرعی جہاد کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ہم جب کبھی اجنس اخبارات میں یہ خبر

لے ظہیر، السبریلویہ ص ۳۳
 لے محمد حسین بٹالوی، الاقتصاد فی مسائل الجہاد و کلمہ پرپریس، لاہور، ۲-۳

دیکھتے ہیں کہ سلطنتِ روم یا ریاستِ افغانستان وغیرہ بلادِ اسلام سے جہاد کا
 اشتہار دیا گیا ہے، تو ہم کو سخت تعجب ہوتا ہے اور اس خبر کا یقین نہیں آتا کہ اس
 وقت روئے زمین پر امام کہاں ہیں، جس کی پناہ میں اور اس کے امر و اجازت
 سے مسلمان جہاد کر سکیں..... یہ خوف فریقین کا اس وقت بجا تھا،
 جبکہ جہادِ اسلام کا اصلی فرض ہوتا اور تقررِ امام کے سوا مسلمانوں کا اسلام صحیح
 یا کامل نہ ہوتا۔“ لے

اس عبارت سے صراحتاً چند امور سامنے آتے ہیں:

- ۱- امام کا تقرر ضروری نہیں، اس کے بغیر کمالِ ایمان میں بھی فرق نہیں آتا۔
- ۲- چونکہ امام کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا، اس لیے ہندوستان میں نہ تو جہاد شرعی ضروری
 ہے اور نہ ہی اس کا جواز ہے۔

۳- نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے کسی خطے پر بھی جہاد نہیں ہو سکتا۔

۴- جہادِ اسلام کا فرض اصلی نہیں ہے۔

اب اگر کوئی شخص مولوی محمد حسین بٹالوی اور ان کے ہم نوا علماء اہل حدیث کو انگریز
 کے ساختہ پرواختہ قرار دے، تو اسے قوی دلائل میسر آجائیں گے۔ امام احمد رضا بریلوی کا موقف
 یہ تھا کہ مسلمانانِ ہند کے پاس قوتِ جہاد نہیں ہے، اس لیے ان پر جہاد واجب نہیں ہے
 یہ موقف ہرگز نہیں تھا کہ طاقت ہوتے ہوئے بھی جہاد فرض نہیں ہے اور نہ ہی ان کا یہ موقف
 تھا کہ جہاد فرض اصلی نہیں ہے۔

تحریکِ خلافت و ترکِ موالات

”امام احمد رضا پر الزام لگایا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک کافر اور فاسق

انگریزی استعمار سے ترکِ موالات حرام ہے؛ لہٰذا
اس بے بنیاد الزام کا حقیقت سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ موالات
ہر کافر سے حرام ہے، خواہ وہ انگریز ہو یا ہندو، انہیں لیڈروں کے اس رویے سے اختلاف تھا
کہ وہ انگریزوں سے نہ صرف موالات بلکہ معاملات بھی حرام قرار دیتے تھے اور ہندوؤں سے
موالات چھوڑا تھا تک جائز قرار دیتے تھے۔

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”موالات ہر کافر سے حرام ہے، اوپر واضح ہو چکا ہے کہ رب عزوجل نے عام کفار
کے نسبت یہ احکام فرمائے، تو بزورِ زبان ان میں سے کسی کافر کا استثناء ماننا
اللہ عزوجل پر افتراء ہے اور قرآن کریم کی تحریف شدید ہے۔“ لہٰذا
اس سے زیادہ صراحت سے فرماتے ہیں:

”قرآنِ عظیم نے بکثرت آیتوں میں تمام کفار سے موالات قطعاً حرام فرمائی، جو
ہوں، خواہ یہود و نصاریٰ ہوں، خواہ ہنود اور سب سے بدتر مرتدان عنود، اور یہ
مدعیانِ ترکِ موالات، مشرکین مرتدین سے یہ کچھ موالات برت رہے ہیں۔ پھر
ترکِ موالات کا دعویٰ“ لہٰذا

مشہور ماہرِ تعلیم اور بین الاقوامی سکالر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں،
”انہوں نے اپنے پیروکاروں پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ تبصغیر کا ان کا کوئی سہم عصر ماہر
الہیات اپنے پیروکاروں پر مرتب نہ کر سکا۔ تحریکِ خلافت کے آغاز میں
عدم تعاون کے فتوے پر دستخط لینے کے لیے علی برادران ان کی خدمت میں حاضر

۲۲ ص	المبرہۃ	لہٰ ظہیر؛
۱۲ ص	فتاویٰ رضویہ (مبارک پور) ج ۶، ص ۱۲	لہٰ احمد رضا بریلوی، امام؛
۱۹۲ ص	” ” ” ”	لہٰ ایضاً؛

ہوتے، انہوں نے جواب دیا،

مولانا! آپ کی اور میری سیاست میں فرق ہے، آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اور میں مخالف۔

جب مولانا نے دیکھا کہ علی برادران رنجیدہ ہو گئے ہیں، تو انہوں نے کہا،
مولانا! میں (مسلمانوں کی) سیاسی آزادی کا مخالف نہیں، میں تو ہندو
مسلم اتحاد کا مخالف ہوں۔“ لے

محمد جعفر شاہ پھلواری ترک موالات کے زبردست حامی تھے، اسی حمایت کے
سبب انگریزی تعلیم چھوڑ کر عربی شروع کر دی تھی۔ وہ لکھتے ہیں،

”ترک موالات کی تحریک جب تک زوروں پر رہی، مجھے فاضل بریلوی سے
کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ترک موالاتیوں نے ان کے متعلق یہ مشہور کر رکھا تھا کہ نعوذ باللہ
وہ سرکارِ برطانیہ کے وظیفہ یاب ایجنٹ ہیں اور تحریک ترک موالات کی مخالفت
پر مامور ہیں۔ تحریک ترک موالات کے جوش میں تحقیق کا ہوش نہ تھا
اس لیے ایسی افواہوں کو غلط سمجھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی، لیکن جیسے جیسے
شعور آتا گیا، مذہبی تعصب اور تنگ دلی کارنگ ہلکے سے ہلکا ہوتا چلا گیا۔“ لے
مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں،

”مولانا احمد رضا خاں کو اگرچہ انگریزوں سے شدید نفرت تھی، لیکن ان کی
دور رس نگاہیں مستقبل میں اس تحریک کے انجام کو دیکھ رہی تھیں، وہ جانتے
تھے کہ اس بڑھتی ہوئی مسلمان اقلیت میں ہیں اور وقتی طور پر یہ ایک فریب ہے“

معارفِ رضا (مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء) ص ۲۳۷

جہانِ رضا (مجلسِ رضا، لاہور)، ص ۱۲۵

لے سید محمد ریاست علی قادری،

لے محمد مرید احمد چشتی،

جو اکثریت اقلیت کو دے رہی ہے۔ نتیجتاً اگر یہ تحریک کامیاب بھی ہو جائے تو ہندوؤں کی اکثریت ہر شعبہ زندگی میں اقلیت پر اثر انداز ہوگی اور عجب نہیں کہ یہ تحریک اکثریت میں ادغام کی صورت اختیار کر لے، لے

دارالاسلام

ہندوستان پر سات سو سال تک مسلمانوں کا اقتدار رہا۔ انگریز تاجربن کر آئے اور اپنی فطری عیاری سے حکمران بن بیٹھے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں پنجاب، کشمیر، سرحد اور ملتان کے علاوہ تمام ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت قائم ہو گئی۔ اب علماء میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فقہائے احناف کے تین اقوال بیان فرماتے ہیں کہ دارالاسلام دارالحرب کب ہوتا ہے؟ پھر تیسرے قول کو ترجیح دیتے ہوئے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا۔ فرماتے ہیں:

”وہمیں قول ثالث را محققین ترجیح دادہ اند و بریں تقدیر معمولہ انگریزاں

دانشباہ ایشان لاشبہ دارالحرب است۔“

اور جب ہندوستان دارالحرب قرار پایا تو ان سے سُو دینا بھی جائز ٹھہرا، البتہ جبراً

مال نہیں چھین سکتا۔

وانما حرم تعرضہ لاموالہم لما فیہ من نقض

العہد واذا بذلوها بالرضا فلا وجہ للحرمة۔“

مسلمان کے لیے حرمیوں کے مال سے تعرض کرنا حرام ہے کہ اس میں عہد

کی خلاف ورزی ہے اور اگر بخوشی دیں، تو اس میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔“

لے اعجاز الحق قدوسی؛ اقبال اور علمائے پاک و ہند (اقبال کلامی لاہور) ص ۲۰۸

۱۵۲ ص ۱۱۰ ج ۱، ص ۱۰۹

ہے کہ یہ دارالاسلام ہے اور جب یہ ملک دارالاسلام ہو تو پھر یہاں جہاد کرنا
 کیا معنی؟ بلکہ عزمِ جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔^۱
 نواب صاحب کارجمانِ طبع بھی دارالاسلام کی طرف سے، وہ لکھتے ہیں،
 "اس مقام میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہندوستان دارالحرب ہی ہو (یعنی
 ہے تو دارالاسلام ۱۲ قادری) تو بھی حکام انگلشیہ کے ساتھ جو یہاں کے
 رئیسوں کا عہد اور صلح ہے اس کا توڑنا بڑا گناہ ہے۔"^۲
 اہل حدیث کے وکیل محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں،

"جس شہر یا ملک میں مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی ہو وہ شہر یا
 ملک دارالحرب نہیں کہلاتا۔ پھر اگر وہ دراصل مسلمانوں کا ملک یا شہر ہو
 اقوام غیر نے اس پر تغلب سے تسلط پایا ہو (جیسا کہ ملک ہندوستان ہے)
 تو جب تک اس میں ادائے شعائرِ اسلام کی آزادی ہے وہ بحکمِ حالتِ
 قدیم دارالاسلام کہلاتا ہے۔"^۳

میاں نذیر حسین دہلوی کے سوانح نگار لکھتے ہیں،

"ہندوستان کو ہمیشہ میاں صاحب دارالامان فرماتے تھے، دارالحرب
 کبھی نہ کہا۔"^۴

ڈپٹی نذیر احمد، اہل حدیث لکھتے ہیں،

"خدا کا شکر ہے کہ ہمارا ہندوستان باوجودیکہ نصاریٰ کی عملداری ہے،

۱	۱۵	ص	ترجمان و ماہیہ (مطبع محمدی، لاہور)	۱۵	۱
۲	۲۶	ص	" " " "	۲۶	۲
۳	۱۹	ص	الاقتصاد	۱۹	۳
۴	۱۳۲	ص	الحیاء بعد الہمامة (مکتبہ شعیب کراچی)	۱۳۲	۴

دارالحرب نہیں ہے (حاشیہ سورۃ نساء رکوع ۱۲) لے

امام احمد رضا پر بے اصل الزام لگایا جاتا ہے،

وہ ہر تحریک آزادی کے مخالف تھے، انہوں نے حرمتِ جہاد کا فتویٰ دیا۔

دلیل یہ دی کہ ہند دارالحرب نہیں ہے اور اعلانِ جہاد دارالحرب ہی میں ہوتا

ہے، صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ دوسروں کو راضی کرنے کے لیے کہا کہ

ہند دارالاسلام ہے اور اس موضوع پر مستقل رسالہ لکھا۔ (ترجمہ ملخصاً) لے

مخالفت کا یہ انداز اور اتہام پروازی کا یہ اسلوب قطعاً محمود نہیں ہے۔ مولانا

کرامت علی جوہر پوری خلیفہ سید صاحب، نواب بھوبالی، بٹالوی صاحب، میاں نذیر حسین صاحب

ڈپٹی نذیر احمد، تھانوی صاحب اور مولانا عبدالحی لکھنوی سب ہی تو دارالحرب کی نفی کر رہے

ہیں۔ کیا ان سب ہی کو دشمنِ آزادی قرار دیا جائے گا؟ نواب صاحب، بٹالوی صاحب اور

مولانا جوہر پوری تو دارالاسلام قرار دے رہے ہیں، کیا ان پر بھی انگریزوں کو خوش کرنے کا الزام لگایا

جائے گا؟ اور اگر نہیں تو ترجمانِ ہابہ اور اشاعت السنۃ کی فائلوں کو دیکھ لیجئے، انگریزوں

کو راضی کرنے کے ایسے ایسے منظر سامنے آئیں گے کہ چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔ پیش نظر

کتاب کے دوسرے باب کا مطالعہ بھی سودمند رہے گا۔

ہندوؤں کا تعصب

ہندوؤں کی تنگ نظری کا عالم آشکار ہے، مسلمانوں کی دشمنی تو ان کی گھٹی میں پڑی

ہوتی تھی،

”ہندوؤں کے باورچی خانہ میں اگر کتا چلا جائے، تو باورچی خانہ ناپاک نہیں

لے سعید احمد اکبر آبادی؛ ہندوستان کی شرعی حیثیت ص ۵۲

لے ظہیر السبریلویہ ص ۴۰

موتا۔ لیکن اگر مسلمان کا سایہ بھی پر جھائے تو بدورچی خانہ ناپاک ہو جاتا ہے۔
کیونکہ مسلمان میچ جو بھڑے۔ ایک ہندو صلوائی کی دوکان پر جا کر مسلمان ایک
ذہن بھنی کی طرح سودا کرتا ہے اور کسی مسلمان کی مجال نہیں کہ بندو کی کسی
پیز کو ہاتھ لگاسکے۔ ۱۷

امام احمد رضا، تحریک ترک موالات کے لیڈروں کی ہندو دوستی (موالات) پر تنقید
کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”بندوؤں کی غلامی، پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خودداری؟
وہ ہمیں ملیچے جانیں، بھنی مانیں۔۔۔۔۔ تمہارا پاک ہاتھ جس چیز کو لگ جائے
گندی ہو جائے۔۔۔۔۔ سودا بچیں تو دوسرے ہاتھ میں ڈال دیں۔۔۔۔۔
پیسے لیں تو دوسرے ہاتھ کو غیر پیش کر کے اُس پر رکھو الیں۔۔۔۔۔ حالانکہ
بحکم قرآنی خودداری نجس ہیں اور تم ان نجسوں کو مقدس مطہر بیت اللہ (مسجد) میں لے
جاؤ جو تمہارے ہاتھ رکھنے کی جگہ ہے۔۔۔۔۔ وہاں ان کے گندے پاؤں
رکھو او۔۔۔۔۔ مگر تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا، محبت مشرکین نے
اندھا کر دیا۔“ ۱۸

گانڈھی کی ملاقات سے انکار

تحریک کا وہ دور، طوفان بلاخیز تھا، ہند کے سامری، گانڈھی نے ایسا جادو بھونکا
کہ بڑے بڑے لیڈر، دست بستہ اس کے پیچھے چلتے تھے اور اس کی ملاقات کو وجہ سعادت جانتے
تھے۔ امام احمد رضا غیرتِ اسلامی کا وہ پیکر مجسم تھے کہ کسی بھی کافر کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔

۱۸ لے تاج الدین ماجد تاج، منشی، ہندوؤں سے ترک موالات ص ۱۸

۱۹ لے احمد رضا بریلوی، امام، رسالہ رضویہ ج ۲، ص ۱۹۳

تحریکِ خلافت کے دور میں انہیں اپنا ہم خیال بنانے کے لیے گاندھی نے ملاقات کا پروگرام بنایا، لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا۔

ڈاکٹر مختار الدین آرزو، علی گڑھ لکھتے ہیں،

”ایک سماج ایک دن بہت خوش خوش آئے اور گاندھی جی کا پیغام حضرت کے پاس لائے کہ وہ بریلی آکر آپ سے ملنا چاہتے ہیں حضرت نے بہت مختصر جواب دیا، فرمایا:

گاندھی جی کسی دینی مسئلے کے متعلق مجھ سے باتیں کریں گے یا دنیوی معاملات پر گفتگو کریں گے؟ اور دنیاوی معاملہ میں میں کیا حصہ لوں گا، جبکہ میں نے اپنی دنیا چھوڑ رکھی ہے اور دنیوی معاملات سے کبھی غرض نہیں رکھی“

یاد رہے کہ امام احمد رضا، بریلی کے جس محلے میں رہتے تھے، وہاں سب ہندو رہتے تھے، مسلمانوں میں سے آپ کا خاندان رہتا تھا۔ اس کے باوجود آپ کے جذبہ ایمانی کا یہ عالم تھا کہ بے خوف و خطر اسلامی تعلیمات کا پرچار کرتے تھے اور ان کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتے تھے۔

تحریکِ خلافت

اس سے پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ترکی پر انگریزوں کے مظالم کے خلاف ہندوستان کے مسلمانوں نے غم و غصہ کا اظہار اور احتجاج کرنے کے لیے تحریک چلائی تھی مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی، مجلسِ خلافت کی رُوح رواں تھے۔ امن اور صلح تشدد کے حامی مسٹر گاندھی نے اس اشتعال سے فائدہ اٹھایا، وہ اپنی فسوں کاری سے اس تحریک کا لیڈر اور امام بن گیا۔ مسلم لیڈروں نے اس کے فریب میں آکر وہ وہ ناکردنی کام

لے مختار الدین آرزو، ڈاکٹر؛ انوار رضا (شرکتِ حنفیہ، لاہور) ص ۳۶۱

کہتے کہ اسلامی سوچ اور فکر رکھنے والے علماء تڑپ اٹھے۔ گاندھی جو کٹر مندو تھا، وہ اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے مسلمانوں کے جذبات سے کھیل رہا تھا۔ ورنہ اسے مسلمانوں کے مصائب اور مقاصد سے کیا بہد روی ہو سکتی تھی؟

”وہ جو آج تمام ہندوؤں اور نہ صرف ہندوؤں، تم سب ہندو پرستوں کا امام ظاہر و بادشاہ باطن ہے، یعنی گاندھی صاف نہ کہہ چکا؟ کہ مسلمان اگر قربانی گاؤ نہ چھوڑیں گے، تو ہم تلوار سے چھڑا دیں گے“ لہ

علماء اہل سنت نے گاندھی کا پس رو بننے سے انکار کر دیا، اگرچہ وہ خلافت اور اماکن مقدسہ کی حفاظت کا نام ہی کیوں نہ لیتا ہو، وہ کسی صورت میں بھی اسے امام بنانے پر تیار نہ ہوئے۔

ماہ شوال ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء کو صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے السواد الاعظم، مراد آباد میں ”خلافت کمیٹی کی فتنہ سامانیاں اور علماء اہل سنت کی کارگزاریاں“ کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا جس میں انہوں نے مسلمانوں کی عالمی زبوں حالی ہندوستانی مسلمانوں کے جوش اور جذبے کو بیان کرتے ہوئے ان مفاسد کی نشان دہی کی ہے جن کا ارتکاب لیڈر کر رہے تھے۔ نیز وہ طریقے بھی تجویز کیے، جن سے ترک بھائیوں کی امداد کی جا سکتی تھی، نیز وہ فرماتے ہیں:

”قیامت نما نوازل (مصائب) بلا دِ اسلامیہ کو تہ وبال کر ڈالتے ہیں۔ مقامات مقدسہ کی وہ خاک پاک جو اہل اسلام کی چشم عقیدت کے لیے طوطیا سے بڑھ کر ہے، کفار کے قدموں سے روندی جاتی ہے۔ حریم محترمین اور بلادِ طاہرہ کی حرمت ظاہری طور پر خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ مسلمانوں کے دل کیوں پاشش نہ ہو جائیں؟ ان کی آنکھیں کیا وجہ ہے کہ خون کے دریا نہ بہائیں؟ سلطنتِ اسلامیہ کی

اعانت و حمایت خادم الحوین کی مدد و نصرت مسلمانوں پر فرض ہے۔ نہ
پچھ مسلمانوں کی جدوجہد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”بندوستان میں مسلمان برابر ملے کر کے پڑے اور تقویوں میں جوش کا اظہار
کر رہے ہیں۔ سلطنتِ بریتانیہ سے ترکی اقتدار کے برقرار رکھنے کی درخواستیں کی
جاتی ہیں، ترکی مقبوضات واپس دینے کے مطالبے کیے جاتے ہیں، اسی
مقصد کے لیے رزولوشن پاس ہوتے ہیں۔ وفد بھیجے جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ
جاسکتا کہ یہ تدبیریں کہاں تک کامیاب ہو سکتی ہیں؟“

اس تحریک میں بندوؤں کو ساتھ ملا لیا گیا، علمائے اہل سنت اس تحریک میں شامل
نہ ہوئے اور علمائے اہل سنت کے اس تحریک میں شامل نہ ہونے پر روشنی ڈالتے ہوئے
تحریر فرماتے ہیں:

”اگرچہ یہ مسلمانوں کی شان کے خلاف ہے۔“

حقاً کہ باعقوبت دوزخ برابر است

رفتن بیائے مردی ہم سایہ در بہشت

لیکن مذہب کا فتویٰ اس (بندوؤں کے شامل کرنے) کو ممنوع اور ناجائز قرار

نہیں دیتا..... لیکن صورتِ حالات کچھ اور ہے۔ اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان

مطالبہ کرتے اور بندوان کے ساتھ متفق ہو کر بجا ہے اور درست ہے پکارنے

مسلمان آگے ہوتے اور بندوان کے ساتھ ہو کر ان کی موافقت کرتے تو

بے جا نہ تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ بندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں اور

مسلمان آئین کہنے والے کی طرح ان کی ہر صدا کے ساتھ موافقت کر رہے ہیں۔

حیات المسلمانیہ (ادارہ ماہنامہ نعیمیہ رضویہ لاہور) ص ۹۹

لے غلام معین الدین نعیمی، سید

ص ۳۰

لے ایضاً،

پہلے مہاتما گاندھی کا حکم ہوتا ہے، اس کے پیچھے مولوی عبدالباری کا فتویٰ منقلد کی طرح سر نیاز خم کرنا چلا جاتا ہے۔ بند و آگے بڑھتے ہیں اور مسلمان ان کے پیچھے پیچھے اپنا دین و مذہب ان پر نثار کرتے چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا

دین و مذہب کے نثار کرنے کی کیفیت گزشتہ صفحات میں کسی قدر پیش کی جا چکی ہے۔

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ نے فرمایا تھا اور بالکل بجا فرمایا تھا،

”مسلمانوں کا حقیقی نصب العین، دین و مذہب، اللہ تعالیٰ نے قرار دیا ہے، دنیا ان کے پاس دین کی رونق اور مذہب کی خدمت کے لیے ہے۔ جب دین و مذہب ہی نہ رہا تو ملعون ہے، وہ سلطنت جو ایمان کے عوض ملے اور صد ہا لعنت ہے اس حکومت پر جو اسلام بیچ کر خریدی جاتے“ لہٰذا

الاکمۃ من قریش

تحریک خلافت سے اس کی فتنہ سامانیوں کے سبب، علماء اہل سنت کی بے تعلقی کا اجمالی پس منظر گزشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے، اس لیے یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے، ٹبریلوی نے ایک اور رسالہ دوام العیش لکھا جس میں انہوں نے خلافت ترکیہ کی امداد کرنے والوں کے دعویٰ کو رد کیا اور دلیل یہ پیش کی کہ خلیفہ قریشی ہی ہو سکتا ہے۔ چونکہ ترکی کے عثمانی حکمران قریشی نہیں ہیں، اس لیے ان کی خلافت ثابت نہیں، اسی بنا پر ہندوستان کے مسلمانوں پر ان کی نصرت و امداد لازم اور خدمت کے لیے انگریزوں سے جنگ جائز نہیں ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ

۱۔ غلام حسین الدین نعیمی، سید، نیات صدر الافاضل، ص ۱-۱۰۰
 ۲۔ سلیمان اشرف بہاری، سید، اہل سنت و جماعت، ص ۲۰

تصریح کی کہ:

ترکوں کی حمایت، محض دھوکہ ہے، ورنہ خلافت کا نام لینے سے مقصد

ہندوستان کی اراضی کی آزادی ہے۔

ایک سوال کے جواب میں کہ سلطنت ترکیہ کی اعانت مسلمانوں پر لازم ہے یا نہیں؟

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”سلطنتِ علیہ عثمانیہ ایدھا اللہ تعالیٰ نہ صرف عثمانیہ سلطنتِ اسلام،

نہ صرف سلطنتِ ہر جماعتِ اسلام، نہ صرف جماعتِ ہر فردِ اسلام کی خیر خواہی

ہر مسلمان پر فرض ہے، اس میں قرشیت شرط ہونا کیا معنی؛ دل سے خیر خواہی

مطلقاً فرض عین ہے اور وقتِ حاجت و دعا سے امداد و اعانت بھی ہر مسلمان کو

پہنچے کہ اس سے کوئی عاجز نہیں اور مال یا اعمال سے اعانت فرض کفایہ ہے۔

کیا اب بھی یہ کہنے کا جواز رہ جاتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی سلاطینِ ترکیہ کی

امداد کو اس بنا پر غیر ضروری قرار دیتے تھے۔

پھر غلط ترجمہ کے ذریعے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کے نزدیک تحریک کا

مقصد آزادی بند تھا، جس کی انہوں نے مخالفت کی۔ اصل عبارت دیکھنے سے غلط بیانی کا

پردہ چاک ہو جائے گا۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”ترکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اصل مقصود بغلامی ہنود

سوراج کی چمکتی ہے، بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کر دی ہے،

بھاری بھری خلافت کا نام لو، عوام پھریں، چندہ خوب ملے اور گنگا و جمناکا

مقدس زمینیں آزاد کرنے کا کام چلے۔

ص ۲-۴۱

بریلویہ

لے نبیرا

دوامِ اعیش (مکتبہ رضویہ لاہور) ص ۲۶

لے احمد رضا بریلوی امام

اسے پس رو مشرکاں بز مزم نہ رسی!
کیں رہ کہ تومی روی بہ گنگ و جمن است!

اس عبارت کا مطلب سوائے اس کے کیا ہے کہ لیڈر، خلافت کا نام محض مطلب آری کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ اصل مقصد تو یہ ہے کہ آزادی حاصل کر کے سیکولر (لا دینی) سٹیٹ قائم کی جائے جس میں قوت و اقتدار کا سرچشمہ ہندوؤں کے پاس ہو، کیونکہ وہ اکثریت میں ہیں اور مسلمان ان کے محکوم اور تابع محض ہوں۔ یہ وہ مقصد تھا جسے قبول کرنے سے امام احمد رضا نے انکار کیا تھا اور ہر صاحب بصیرت مومن کو اس سے انکار کرنا چاہیے۔

تحریک خلافت کے لیڈر، عامۃ المسلمین پر امام احمد رضا کے گہرے اثرات سے بخوبی واقف تھے، اسی لیے ہر قیمت پر انہیں اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے تھے۔ گاندھی نے ملاقات کا پیغام بھیجا تھا جو اب آپ نے صاف انکار کر دیا۔ گزشتہ صفحات میں ان دونوں واقعات کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ فرنگی محل سے مولانا عبدالباری کے بار بار تقاضے آئے کہ آپ کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے؟ دارالافتا بریلی سے جواب دیا گیا کہ ایسے مسائل دارالافتا کے موضوع سے خارج ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ شاید خلافت کے نام سے ترک جماعتیوں کو کوئی فائدہ پہنچ جائے، لیکن وہ نہ مانے، بلکہ انہوں نے شائع کر دیا کہ دارالافتا نے بریلی خلافت کا منکر ہے اور کئی مواقع پر انہوں نے کہا کہ منکر خلافت کافر ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ خلیفہ بر شرعی کے لیے تو قریشی ہونا ضروری ہے اور سلطان ترکی قریشی نہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ خلافت شرعیہ کے لیے قریشی ہونا شرط نہیں ہے۔ یہی بات ابوالکلام آزاد نے ایک رسالہ "مسئلہ خلافت و جزیرہ عرب" میں لکھی۔

کسی شخص نے مولانا فرنگی محلی کے خطبہ صدارت اور ابوالکلام آزاد کے رسالہ کا حوالہ دے کر

۱۷ احمد رضا بریلوی، امام؛ دوام العیش (مکتبہ رضویہ، لاہور) س ۶۵

۱۸ مسطفیٰ رضا خاں قادری، مفتی اعظم ہند؛ تمہید دوام العیش س ۱-۲۰

استفتار بھیجی کہ کیا خلافتِ شرعیہ کے لیے قریشی ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا نے رسالہ دوام العیش تحریر فرمایا جو ایک مقدمہ اور تین فصول پر مشتمل تھا۔ تیسری فصل شروع کی تھی کہ دیگر ضروری کاموں کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس خیال سے اس کی تکمیل نہ کی کہ ابھی اس کا وقت نہیں۔ وقت آتے گا، تو تکمیل کر کے طبع کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ وصال کے ایک سال بعد آپ کے صاحبزادے مولانا مصطفیٰ رضا خاں مفتی اعظم ہند نے یہ رسالہ شائع فرمایا۔ لے

بعض لوگ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ امام احمد رضا نے دو رسالے اعلام الاعلام اور دوام العیش انگریزوں کی حمایت میں لکھے تھے، یہ تاثر ہرگز منصفانہ نہیں ہے۔ یہ دونوں رسالے آپ کے وصال کے بعد چھپے ہیں اور معمولی عقل والا انسان بھی سوچ سکتا ہے کہ اگر انگریزوں کو خوش کرنا مقصود ہوتا، تو یہ دونوں رسالے اپنی زندگی ہی میں شائع کر دیتے جبکہ ایسا نہیں ہوا، اس لیے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ الزام لگانے والے دیانت دارانہ بصیرت سے محروم ہیں۔

اس رسالہ میں امام احمد رضا نے حدیث، فقہ اور عقائد کی کتابوں سے تقریباً پچاس احادیث اور اجتہاد علماء و ائمہ کی بانوسے عبارات پیش کی ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ خلافت کے لیے قریشیت کے شرط ہونے پر احادیث حد تو اتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ نیز اس مسئلہ پر صحابہ تابعین اور اہل سنت کا اجماع ہے۔ یہ اور اس مسئلہ میں صرف خوارج یا بعض معتزلہ مخالف ہیں۔ لے

س ۳-۴۱

تمہید دوام العیش

۱۔ مصطفیٰ رضا قادری، مفتی اعظم ہند؛

س ۷۵

دوام العیش

۲۔ احمد رضا بریلوی، امام؛

س ۴۶

۳۔ ایضاً،

۱۰ رجب ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء کو جماعت رضائے مصطفیٰ کے مقاصد علمیہ کے صدر مولانا محمد علی اعظمی نے اتمام حجتِ تامہ کے عنوان سے ستر سوالات پر مشتمل ایک اشتہار چھاپ کر مولانا عبدالجبار بدایونی ناظم جمعیتہ العلماء کے پاس بھیج دیا تاکہ ان پر خوب اچھی طرح غور و خوض کر لیا جائے اور اجلاس میں ان کا جواب دے کر تصفیہ کی راہ ہموار کی جائے۔

تبادلہ خیال اور مناظرہ کے لیے جماعت رضائے مصطفیٰ کے چار علماء کے نام پیش کیے گئے:

- | | |
|--|------------|
| ۱۔ مولانا محمد امجد علی اعظمی | صدر |
| ۲۔ مولانا حسنین رضا خاں | ناظم اعلیٰ |
| ۳۔ مولانا ظفر الدین بہاری | رکن |
| ۴۔ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی | رکن |

بعد میں علی گڑھ سے مولانا سید سلیمان اشرف بہاری بھی تشریف لے آئے اور ان کا نام بھی مناظرین کی فہرست میں شامل کر دیا گیا۔

ابوالکلام آزاد صدر جمعیتہ العلماء بریلی پہنچے اور جماعت رضائے مصطفیٰ کے ستر سوالات اور مناظرہ کے مقام اور وقت کے تعین کے مطالبہ پر مشتمل اشتہارات دیکھے اور مذکورہ بالا علماء کے ساتھ مناظرہ سے پہلو تہی کرتے ہوئے امام احمد رضا کو مخاطب کیا۔ یہ رویت کسی طور بھی مناسبت نہ تھا۔ اول تو امام احمد رضا اس وقت علیل تھے، دوسرا یہ کہ اشتہارات میں علمائے اہل سنت کو منکرین اور منافقین کے القاب دے کر ان پر اتمام حجت کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ اب جب کہ امام احمد رضا بریلوی کے خلفاء اور اہل سنت کے ذمہ دار علماء اس چیلنج کو قبول کر چکے تھے، تو گریز کا کیا معنی؟

علماء اہل سنت کا تقاضا برہما، تو مولوی عبدالودود ناظم استقبالیہ جمعیتہ العلماء ہند نے جواباً تحریر کیا:

”ہر کس و ناکس سے نزاع و مخاصمہ کرنا خدام ملت کے نزدیک بے نتیجہ

اور بے سود ہے۔“ لہ

۱۴ رجب کو مولانا سید سلیمان اشرف بہاری صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

اس کا جواب دیا،

”جلسہ جمعیتہ العلماء منعقدہ بریلی کا رقعہ دعوت فقیر کے پاس بھیجا، فقیر نے شرکت سے امرابہ النزاع کا تصفیہ پایا، آنجناب اس بے بضاعت کو ناکس“ قرار دے کر گفتگو سے اعراض فرماتے ہیں۔ امام اہل سنت مجدد مائتہ حاضر سے طالب مناظرہ ہوتے ہیں۔ انصاف شرط ہے کہ رقعہ دعوت فقیر کے پاس بلا واسطہ بھیجا جائے اور گفتگو کی جب نوبت آئے، تو اسے کس ناکس کہا جائے، اُس کے احتقاق حق کو نزاع و مخاصمہ قرار دیا جائے، کیا یہی شیوۂ خدام ملت ہے؟

آخر میں نہایت ادب سے گزارش ہے کہ براہ کرم قبل نماز جمعہ فقیر کو اپنے جلسے میں بحیثیت سائل حاضر ہونے کی اجازت عطا فرمائیں۔“ لہ

بالآخر ۱۴ رجب ۲۴ مارچ ۱۳۲۹ھ / ۱۹۲۱ء کو شام کے بعد مولانا سید سلیمان اشرف بہاری

اور دیگر علماء اہل سنت نہایت شان و شوکت کے ساتھ سٹیج پر پہنچ گئے۔ صدر جلسہ ابوالکلام آزاد نے صرف سید صاحب کو خطاب کے لیے ۲۵ منٹ کا وقت دیا۔

علامہ سید سلیمان اشرف نے مختصر وقت میں واشتگاف الفاظ میں بیان کیا کہ ہمیں ترکی کی اسلامی سلطنت کی مہمدوی اور امداد سے انکار نہیں۔ یہ امداد و اعانت تمام مسلمانان عالم پر فرض ہے نہ ہی ہم انگریزوں کی دوستی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ موالانہ نصرانی و یہودی سے ہر حال میں حرام اور حرام قطعی ہے۔ ہمیں تو ہندو مسلم اتحاد اور اس اتحاد کی بنا پر کیے جانے والے غیر اسلامی

لہ امامین جماعت رضائے مصطفیٰ، رد ادب مناظرہ دنادری پریس، بریلی، ص ۳

لہ امامین جماعت رضائے مصطفیٰ، رد ادب مناظرہ دنادری پریس، بریلی، ص ۳-۱

۲۵۲
افعال اور اقوال سے اختلاف ہے۔ لے

علامہ عبدالماجد دریا آبادی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کی ذمہ دار تقریر کا منظر

ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”مخالفین کی طرف سے میدانِ خطابت کا ایک پہلو ان، شہ زور اور پلین تن، اکھاڑے میں اتارا گیا، کشتی پر کشتی مارے ہوئے، داؤں بیج کی استاد میں نام پاتے ہوئے، اور اس نے تقریر یہ مارا، وہ مارا کے انداز میں شروع کی، جلسہ پر ایک نشہ کی سی کیفیت طاری اور خلافت والوں کی زبان پر و طیفیے یا حفیظ کے جاری“ لے

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ارکانِ خلافت جس کترو فر سے بریلی آنے تھے، وہ قائم نہیں رہ سکتا تھا۔

سید صاحب کی تقریر کے بعد ابوالکلام آزاد نے تقریر کی اور جماعت رضائے مصطفیٰ کے پیش کردہ سوالات کا بالکل جواب نہ دیا، روتے سخن صرف سید صاحب کی طرف کھتا اور کہا کہ مجھ پر افسوس ہے کہ میں نے ناگپور کے خطبہ جمعہ میں گاندھی کو ستودہ صفات نجستہ ذات وغیرہ الفاظ کہے تھے۔ کس نے تشقے کی اجازت دی؟ کس نے ہانما گاندھی کی جے پکارنے کو کہا؟۔۔۔۔۔ بلکہ میں تو خود مساتما کے معنی تک نہیں بانٹا کہ وہ کوئی تعظیم کا لفظ ہے (صلوات) ہاں کا معنی عظیم، آتما، معنی ’ون‘ تو ہانما کا معنی روحِ عظیم ہوا، آحسریں یہاں تک کہہ دیا،

”میں صاف کہتا ہوں کہ ہمارے بے وساف بائیس کروڑ ہیں اگر وہ بائیسوں کروڑ گاندھی ہوں اور مسلمان ان کو پیشوا بنائیں اور ان کے بھروسہ پر رہیں،

لے اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ، رواد مناظرہ، ص ۶-۵

لے محمد طفیل، نقوش (لاہور) شمارہ مئی ۱۹۶۵ء ص ۲۷

تو وہ بُت پرست ہیں اور گاندھی اُن کا بُت۔" لے
 اُن کی تقریر کے بعد مولانا برہان الحق جبل پوری نے کہا کہ تاگپور کانفرنس کے ایک ماہ بعد
 زمیندار لاہور کے پرچے دیکھ لیجئے، اس میں دوسرے لیڈروں کے اقوال کے علاوہ یہ بھی
 لکھا ہے کہ آپ نے خطبہ جمعہ میں گاندھی کی تعریف کی، اس پر ابوالکلام نے کہا:
 "میں نے یہ پرچے نہیں دیکھے، اگر اس میں ایسا لکھا ہو تو کذب بحت و خالص
 جھوٹ ہے، لعنة اللہ علی قائمہ۔"

مولانا برہان الحق نے فرمایا: آپ یہ تکذیب ہی شائع کرادیجئے۔ نیز اخبار تاج
 کے حوالے سے کہا کہ آپ نے گنگا و جمن کی سرزمین کو مقدس کہا۔ ابوالکلام آزاد
 نے اس کا بھی انکار کیا اور کہا لعنة اللہ علی قائمہ (ایسا کہنے والے پر خدا کی
 لعنت ہو)

غرض یہ کہ جن بلند بانگ دعاوی کے ساتھ جمعیتہ العلماء ہند نے بریلی میں اجلاس
 رکھا تھا، ان پر اس پڑگئی۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کے ستر سوالات کا پیہم تقاضوں کے
 باوجود جواب نہ دیا گیا۔ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کی تقریر کے جواب میں جان چھڑانے
 کا انداز نمایاں تھا۔ پھر یہ اقرار کرنے کے باوجود کہ ہر کافر سے موالات (دوستی) حرام ہے
 غیر مسلم کو پیشوا بنانا حرام ہے، سابقہ رویے میں کوئی تبدیلی نہ لائے۔

حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، فرزند اکبر امام احمد رضا خاں بریلوی نے اسی
 اجلاس میں فرمایا:

"حرمین شریفین و مقامات مقدسہ و ممالک اسلامیہ کی حفاظت و خدمت
 ہمارے نزدیک ہر مسلمان پر بقدر وسعت و طاقت فرض ہے، اس میں ہمیں

خلاف نہیں ہے، نہ تھا، اسی طرح سلطانِ اسلام جماعتِ اسلامی کی خیر خواہی میں ہمیں کچھ کلام نہ ہے، نہ تھا۔ تمام کفار و مشرکین و نصاریٰ و یہود و مرتدین وغیرہم سے ترکِ موالات ہم ہمیشہ سے ضروری و فرض جانتے ہیں۔

ہمیں خلاف آپ حضرات کی ان خلافِ شرع و خلافِ اسلام حرکات سے ہے، جن میں سے کچھ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب نے بیان کیے اور جن کے متعلق جماعت کے ستر سوال بنام اتمامِ حجتِ تامر آپ کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کے جواب دیکھے، جب تک آپ ان تمام حرکات سے اپنی رجوع نہ شائع کر دیں گے اور ان سے عہدہ برآ نہ بولیں گے ہم آپ سے علیحدہ ہیں اور اس کے بعد خدمت و حفاظتِ حریمِ شریفین و مقاماتِ مقدسہ و ممالکِ اسلامیہ میں ہم آپ کے ساتھ مل کر جہانِ کوشش کرنے کو تیار ہیں۔
اس عنوان پر تفصیلی مطالعے کے لیے ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست مرتبہ مولانا محمد سلال الدین قادری ملاحظہ کیجئے،

جماعت انصارِ الاسلام

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ سلطنتِ ترکی کی امداد کے سلسلے میں امام احمد رضا نے کیا کیا؟ اس کی تفصیل کی تو اس وقت گنجائش نہیں، تاہم چند اشارات کیے جاتے ہیں؛
امام احمد رضا نے ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء میں چار انتہائی سود مند تدبیریں تدبیرِ فلاح و نجات و اصلاح کے نام سے شائع کیں، انہیں اپنایا جاتا تو پوری قوم کا دینی اور معاشی نقشہ ہی بدل جاتا۔

۱۔ سوا ان باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہے، اپنے معاملات باہم فیصلہ کر لیں کہ کروڑوں روپے مقدمہ بازیوں میں نہ اڑائیں۔

۲۔ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہے۔

۳۔ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہا کے تو نیک مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے

بنک کھولیں، سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے، مگر اور سو طریقے نفع کے حلال فرمائے ہیں۔

۴۔ سب سے اعظم دین کی ترویج و تحصیل لے

پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی نے ان تجاویز کے پیش نظر ایک تحقیقی مقالہ بعنوان

”فاضل بریلوی کے معاشی نکات لکھا ہے جو مرکزی مجلس رضا لاہور نے شائع کر دیا ہے۔

مولانا شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری، امام احمد رضا کی مسماعی کا ذکر کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

”آج (۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) سے برسوں پہلے جنگِ بلقان (۱۲-۱۹۱۱ء)

کے موقع پر انہوں نے سلطنتِ اسلامی اور مظلومین مسلمین کی اعانت و امداد کی مناسبت

صحیح شرعی تدابیر لوگوں کو بتائیں، عام طور پر شائع کیں، قولاً و عملاً ان کی تائید کی

خود چندہ دے کر عوام کو اس طرف رغبت دلائی۔ اور اب بھی لوگوں کو

صحیح مفید شرعی طریقے اعانتِ اسلام و مسلمین کے بتاتے رہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب جو عملی کوششیں کر سکتے تھے، انہوں نے کیں خود

چندہ دیا اور اپنے زیر اثر لوگوں سے دلویا، مسلمانوں کو اسلامی سلطنت کی امداد و

اعانت پر توجہ و رغبت دلائی، تحفظ سلطنتِ اسلامی کی مفید و کارگر تدابیر بتائیں

یہ عملی کوشش نہیں تو کیا ہے؟..... اپنی جماعت انصارِ الاسلام قائم کی۔“ لے

لے اراکین جماعت رضا کے مصطفیٰ، دوامخ الحمبر ص ۲۸

لے اولاد رسول محمد میاں قادری مولانا، برکات ماربرہ و مہمانانِ بایوں مطبع حسنی، بریلی، ص ۱۱-۱۳

تحریک شدھی

امام احمد رضا بریلوی، صد سالہ فضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، مولانا سید سلیمان ایشرف بہاری اور دیگر علمائے اہل سنت کی مومنانہ بصیرت کی داد نہ دینا بے انصافی ہوگی۔ انہوں نے تحریک خلافت اور ترک موالات کے دوران بار بار اس حقیقت کا اظہار کیا تھا کہ ہندو، مسلمانوں کے دشمن ہیں اور مذکورہ تحریکوں میں ان کی شمولیت بھی ایک پال ہے۔

اس کا ہلکا سا اندازہ مولانا محمد علی جوہر کی ایک تقریر سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے ۲۵ دسمبر ۱۹۲۷ء کو پشاور کے ایک اجلاس میں کی:

ہندو رہنما مہاتما گاندھی ہمیشہ خلافت کے سرمایہ سے دور کرتا رہا، ہماری قید کے بعد بھی مہاتما جی نے دورہ کے مصارف خلافت کے سرمایہ سے لیے، حتیٰ کہ کانگریس کے لیے ایک کروڑ روپیہ جمع کرنے کے لیے آپ کے دوروں کے مصارف بھی خلافت نے ادا کیے۔“ لہ

اس سے بڑھ کر قوم مسلم کی بد قسمتی کیا ہوگی کہ ترکوں کی امداد کے نام پر حاصل ہونے والا چندہ گاندھی کے دوروں کی بھینٹ چڑھتا رہا اور قوم یہ سوچ کر مطمئن رہی کہ ہم اپنے ترک بھائیوں کی امداد کر رہے ہیں۔

صرف یہی نہیں کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے مال پر ہاتھ صاف کیا، بلکہ ان کے دین و ایمان پر ہاتھ صاف کرنے سے بھی نہیں چوڑے۔

۱۹۲۵ء میں آریہ سماج کے بانی دیانند کی صد سالہ تقریب کے موقع پر ایک جلسہ میں ہندو لیڈر، ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے جمع ہوئے اور مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کی ایک خفیہ سازش تیار کی گئی کہ اپنی مذہبی تبلیغ تیز کر کے اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

کے خلاف شکوک و شبہات پھیل کر سیدھے سادے مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ نیز انہیں احساس دلایا جائے کہ تمہارے آباؤ اجداد ہندو تھے۔ یہ ملک ہندوؤں کا ہے اور اسلام تو دیارِ غیر سے آیا ہوا مذہب ہے، تمہیں دوبارہ ہندو مذہب اختیار کر لینا چاہیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں افراد دولتِ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

امام احمد رضا بریلوی وصال فرما چکے تھے۔ آپ کے تلامذہ، خلفاء اور ہم مسلک علماء نے پوری قوت کے ساتھ اس تحریک کا مقابلہ کیا، اسی طرح سنگٹن تحریک کا دفاع کیا، جس کی بنیاد پر مسلمانوں کو زور و کوب کیا جا رہا تھا۔ یہ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

- ۱- حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں
- ۲- مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں
- ۱- امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ
- ۲- مولانا غلام قطب الدین اشرفی برہمچاری
- ۵- صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی
- ۶- مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی
- ۷- حضرت علامہ ابوالحسنات قادری
- ۸- مبلغ اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی
- ۹- مولانا نثار احمد کانپوری
- ۱۰- مولانا محمد شتاق کانپوری ۱۱- مولانا غلام قادراشرفی ۱۲

اس سلسلے میں علماء اہل سنت نے آگرہ، ممبئی، بھرتپور، گورگانواں، گوبند گڑھ، مضافاتِ اجمیر، جے پور اور کشن گڑھ وغیرہ مقامات کے مسلسل دورے کئے۔ صدر الافاضل

۱۲- مولانا غلام معین الدین نعیمی، سید، حیات صدر الافاضل، ص ۱۸۰
۱۳- محمد مسعود احمد، پروفیسر، تحریک آزادی ہند اور استواءِ اعظم (رہنما پبلی کیشنز، لاہور) ص ۱۲۸

مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور امیر ملت سید پرچھو علی شاہ علی پوری نے آگرہ میں مرکز قائم کر کے عرصہ تک وہاں قیام کیا۔ لہ

مجموعی طور پر ساڑھے چار لاکھ مرتد مسلمان ہوئے اور ڈیڑھ لاکھ بندوں نے اسلام

قبول کیا۔ لہ

شدھی تحریک کے بانی پنڈت دیانند سرسوتی (شردھانند نے بدنام زمانہ کتاب متیار تھ

پرکاش میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دین اسلام پر اعتراضات کیے اور نہایت

سوقیانہ زبان استعمال کی۔ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے اس کا مسکت جواب دیا

جو احقاق حق کے نام سے چھپ چکا ہے۔ لہ

شدھی تحریک کے دور میں جب ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے تو مسلمان لیڈر

عامتہ المسلمین کو امن پسند رہنے کی تلقین کر رہے تھے، جبکہ ہندو لیڈروں کا رویہ اس کے

برعکس تھا؛

”گانڈھی جی نے کہا تو یہ کہ ”ہندو بزدل ہیں اور مسلمان دنگلی“ انہوں نے اور

ان کے ساتھیوں نے شردھانند کے خلاف ایک حرف نہ کہا، مالوی جی

کی امن سوزی اور اشتعال انگیزی پر چپ سادھ لی

امرتسر کے ایک جلسہ میں مولانا ظفر علی خاں نے پنڈت مرن مالوی کی تفرقہ

انگیزی اور فتنہ پروری کے خلاف کچھ کہہ دیا، تو گانڈھی جی جو صدر جلسہ تھے

بگڑ گئے اور انہوں نے کہا، آپ نے مالوی جی پر نکتہ چینی کر کے میرے سینے پر

گھونسہ مار دیا، لہ

لہ غلام معین الدین نعیمی ہسٹیا

لہ محمد سعید احمد، پروفیسر

لہ ایضاً

لہ رئیس احمد جعفری،

حیات صدر الافاضل

تحریر آزاد ہی ہند

” ”

حیات محمد علی جناح (دبئی)

ص ۱۸۰

ص ۱۲۸

ص ۱۲۰

ص ۱۵۹

ان حقائق کے پیش نظر بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ علماءِ اہل سنت نے اس دورِ
بلاخیز میں جو کچھ فرمایا تھا وہ صحیح۔

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

کا مصداق تھا اور آنے والے حالات نے اس کی حرف بحرف تصدیق کر دی تھی۔

فرانسس وینسن کی بے خبری

امام احمد رضا بریلوی اور دیگر علمائے اہل سنت نے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف جو جہاد
کیا تھا وہ ہندو اور ہندو نواز علماء کی برہمی کا سبب تھا، پریس پر ہندو کا غلبہ تھا، اس لیے علمائے
اہل سنت کو بدنام کرنے کی بھرپور مہم چلائی گئی۔

میاں عبدالرشید کالم نگار "نور بصیرت" نوائے وقت لکھتے ہیں :

"گاندھی کی آندھی نے جو خاک اُڑائی تھی، اس میں بڑوں بڑوں کے پاؤں
اُکھڑ گئے اور بینائی زائل ہو گئی، مگر علامہ اقبال اور قائدِ اعظم کے علاوہ
تیسری بڑی شخصیت جو اس شور و غوغا اور ہلہل بازی سے قطعاً متاثر نہ ہوئی،
حضرت احمد رضا خاں تھے۔ آپ نے ان دنوں بھی اس بات پر زور دیا کہ
ہمیں اپنی دونوں آنکھیں کھلی رکھنی چاہیے۔ انگریز اور ہندو دونوں ہمارے
دشمن ہیں۔ کانگریسی مسلمانوں نے صرف اپنی ایک آنکھ کھلی رکھی تھی۔ وہ صرف
انگریز کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ ان دنوں چونکہ تقریباً سارے پریس پر ہندوؤں کا
قبضہ تھا، اس لیے حضرت احمد رضا خاں بریلوی اور آپ کے ہم خیال لوگوں
کے خلاف سخت پروپیگنڈا کیا گیا اور بدنام کرنے کی مہم چلائی گئی۔

لیکن تاریخ نے انہی حضرات کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اب باطل

پراپینڈے کا طلسم ٹوٹ رہا ہے اور حق کھل کر سامنے آرہا ہے۔^۱ اسی ہم کی سداے بازگشت، پروفیسر فرانسس روبنسن پر قصہ روزیوشی لندن کی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔
روبسن لکھتا ہے،

احمد رضا خاں (۱۸۵۵ء — ۱۹۲۱ء)

ان کا طریق کار انگریزی حکومت کی حمایت تھا۔ انہوں نے پہلی عالمی جنگ میں حکومت کی تائید کی، حکومت کی تائید و حمایت کا یہ سلسلہ تحریک خلافت ۱۹۲۱ء تک جاری رہا۔ انہوں نے بریلی میں ایک کانفرنس بلائی جس میں ترک مسائل کے مخالف اور ان علماء کو جمع کیا، جن کا عامہ مسلمین طلباء اور اساتذہ پر بڑا اثر تھا۔^۲

علم اور تحقیق کا معیار اگر یہ ہے کہ انگریز مصنف نے اپنی انگریزی کتاب میں خود کو ہونو بلاشبہ مذکورہ بالا بیان تحقیق کا شاندار مرقع ہے اور اگر تحقیق کی بنیاد حقائق پر ہے تو کینیڈا کہ یہ بیان قطعی غلطی تھی ہے۔

اس بجز چند امور تو توجہ طلب ہیں،

۱۔ اہم احمد رضا بریلوی کا سنہ پیدائش ۱۸۵۶ء ہے، جبکہ روبنسن نے ۱۸۵۵ء لکھا۔
۲۔ یہ قطعاً غلط ہے کہ ان کا طریق کار حکومت کی حمایت تھا، وہ ہندو اور انگریزوں سے انتہائی نفرت رکھتے تھے۔

۱۔ عبد الرشید میاں، پاکستان کا پس منظر، منظر (۱) تحقیق پاکستان (لاہور) ص ۱۲۰
۲۔ السب بریلوی، ص ۲۲
۳۔ پیرزہ منگ، انڈین مسلمز کی سیرت، ص ۲۷
۴۔ اقبال کے ممدوح علماء (مکتبہ محمدیہ، لاہور) ص ۱۵
۵۔ عبد الرشید میاں
۶۔ السب بریلوی
۷۔ فرانسس روبنسن
۸۔ افضل قریشی کاغذ

مشہور مورخ اور ماہرِ تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں،
 ”انہوں نے ثابت کیا کہ ہندوؤں کے ساتھ ”موالات“ بھی ایسے ہی حرام ہے،
 جیسے انگریزوں کے ساتھ“

نور امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں،
 ”اے ایمان والو! وہ جو تمہارے دین کو، کھیل کھیل ٹھہراتے ہیں، جن کو تم سے
 پہلے کتاب دی گئی (یہود و نصاریٰ) اور باقی سب کافر، ان میں کسی سے اتحاد
 و داد (محبت، قادری) نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔
 (ترجمہ آیت) اب گو کسی مفتری کے اس بکنے کی گنجائش نہ رہی کہ یہ حکم صرف یہود
 نصاریٰ کے لیے ہے۔“

۳۰۔ یہ بھی غلط ہے کہ انہوں نے پہلی عالمی جنگ میں انگریزی حکومت کی تائید کی۔ جس دور
 میں ان پر انگریزی حمایت کا بہتان باندھا جا رہا تھا، اس وقت بھی ان کے مخالفین تسلیم کرتے
 تھے کہ وہ گورنمنٹ کو فوجی امداد دینے کے قائل نہ تھے۔

تحریک ترک موالات کے رہنما اور امام احمد رضا بریلوی کے سیاسی مخالف مولانا معین الدین
 اجمیری لکھتے ہیں،

”ترک موالات کی ایک تجویز نمبر ۵ ایسی بھی ہے، جس کو دونوں بزرگوں (مولوی
 اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی) نے تسلیم کیا ہے اور وہ یہ کہ
 گورنمنٹ برطانیہ کو فوجی امداد نہ دی جائے۔“

پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۸ء — ۱۹۱۴ء) میں یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ وہ گورنمنٹ

معارفِ رضا (مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۳ء) ص ۲۳۸

فتاویٰ رضویہ (مبارک پور، انڈیا) ج ۶، ص ۱۳

اداقِ گم گشتہ (مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۸ء) ص ۵۷۶

۱۔ محمد ریاست علی قادری میٹھا

۲۔ احمد رضا بریلوی، امام،

۳۔ رئیس احمد صفری

کے حامی تھے۔ اگر کسی شخص کو اس پر اصرار ہے، تو وہ اس کا ثبوت فراہم کرے۔

۴۔ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ مارچ ۱۹۲۱ء میں جمعیتہ العلماء ہند نے بریلی میں

کانفرنس بلائی تھی نہ کہ امام احمد رضا بریلوی نے، علماء اہل سنت نے اتمام حجت کے طور
جمعیت کے رہنماؤں کا پیلیج قبول کیا تھا اور ان پر واضح کیا تھا کہ ہمارا اختلاف ہندو مسلم اتحاد
اور اس کی بنا پر کئے جانے والے غیر شرعی افعال و اقوال سے ہے نہ کہ انگریز دشمنی سے۔

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے اپنی تقریر میں فرمایا:

”موالات ہر نصرانی و یہودی سے ہر حال میں حرام اور قطعی حرام،

یا ایھا الذین امنوا لاتتخذوا الیہود والنصارى الایۃ

نصرانی اور یہودی خواہ فریقِ محارب ہوں یا غیر محارب، موالات ان سے حرام
اور مطلقاً حرام۔

ہر کافر سے موالات حرام، خواہ محارب ہو یا غیر محارب، لایتخذ

المؤمنون الکافرین اولیاء، آپ حضرات انگریزوں سے تو موالات

حرام بتاتے ہیں اور کافروں (ہندوؤں) سے موالات نہ صرف جائز، بلکہ

صین حکم الہی کی تعمیل بتاتے ہیں۔ لہ

۵۔ روڈنسن نے لکھا ہے کہ مولانا عبدالباری فرنکی محلی نے مسجد کانپور کے بارے میں حکومت

سے جو معاہدہ کیا تھا، اس کی مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے مخالفت کی تھی۔ یہ بات خود

روڈنسن کے بیان کے مخالف ہے، کیونکہ جس شخص کا طریق کار ہی حکومت کی حمایت ہو، وہ

حکومت کی پالیسی کی مخالفت کیوں کرے گا؟

ہوا یہ کہ ۱۹۱۳ء میں مچھلی بازار کانپور کی مسجد کا ایک حصہ ٹرک کی تعمیر میں شامل کر لیا گیا،

اس پر مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا، گولی چلی اور متعدد مسلمان شہید ہو گئے۔ ۱۶ اگست ۱۹۱۳ء

لے اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ؛ رواد و مناظرہ (نادری پریس، بہاولپور)، ص ۷

کو مسلمانوں کا ایک وفد لیفٹیننٹ گورنر سے ملا، جس میں مولانا عبدالباری فرنی محلی بھی شامل تھے۔
۱۴ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو ان حضرات نے وائسرائے ہند سے چند شرائط پر صلح کر لی۔ اس معاہدے
کے بارے میں ایک استفتاء کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی نے ایک سالہ اہانتہ المتواری
تحریر فرمایا، جس میں اس معاہدہ پر سخت تنقید کی کیونکہ شریعت اسلامیہ میں وقف قابل انتقال نہیں
اور اس سلسلے میں لیفٹیننٹ گورنر اور وائسرائے ہند کی کوئی پروا نہ کی۔ لہ

۶۔ روٹمن نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کا عامۃ المسلمین میں بڑا اثر و رسوخ تھا، لیکن تعلیم یافتہ
مسلمان انہیں پسند نہیں کرتے تھے۔

اہل علم کے نزدیک امام احمد رضا بریلوی کا مقام دیکھنا ہو تو پروفیسر محمد مسعود احمد پرنسپل
گورنمنٹ سائنس کالج، ٹھٹھہ، سندھ کی تصانیف فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں اور
امام احمد رضا اور عالم اسلام کا مطالعہ کیجئے۔ امام احمد رضا جن کو عرب و عجم کے علماء نے خراج
تحسین و عقیدت پیش کیا اور علامہ اقبال، ڈاکٹر ضیاء الدین و اس چانسلمر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ
اور مولانا وصی احمد محدث سورتی، جن کے مداح اور علم و فضل کے شیدائی ہوں، صدر الافاضل مولانا
سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی، مصنف بہار شریعت، ملک العلماء
مولانا ظفر الدین بہاری (والد ماجد ڈاکٹر مختار الدین آرزو، علی گڑھ) مولانا سید سلیمان اشرف بہاری
صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، مبلغ اسلام شاہ عبد العظیم صدیقی اور مفتی اعظم پاکستان
ابوالبرکات سید احمد قادری ایسے آسمان علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب جن کے تلامذہ اور خلفاء
ہوں، ان کے بارے میں روٹمن کا تجزیہ کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔

۷۔ روٹمن نے نہ تو تاریخی شواہد کا مطالعہ کیا اور نہ ہی امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف
ان کے پیش نظر ہیں۔ ان کی معلومات کا انحصار ۲۹ مئی ۱۹۶۸ء کے اس انٹرویو پر ہے جو انہوں
نے مفتی رضا انصاری فرنی محلی فرزند اکبر مولانا سلامت اللہ سے کیا۔ لہ

لہ محمد مسعود احمد پروفیسر؛
لہ فرانسس روٹمن؛
گناہ بے گناہی (مرکزی مجلس رضا، لاہور) ص ۳۲، ۳۱
سپرٹرم امنگ انڈین مسلمز ص ۲۲۲

ہندو مسلم اتحاد کے خلاف امام احمد رضا نے جو جہاد کیا تھا، اس کی بنیاد پر فرنگی محل کے علماء بھی ناراض تھے، معلوم ہوتا ہے کہ اس ناراضی کے اثرات اب تک باقی ہیں، جن کی بنا پر اس انٹرویو میں امام احمد رضا بریلوی پر گورنمنٹ کی حمایت کا الزام لگایا گیا ہے۔ اب جب کہ اس بے بنیاد الزام کی حقیقت عالم آشکار ہو چکی ہے۔ ایسے میں مفتی رضا انصاری کے انٹرویو اور روبنس کے بیان میں کوئی وزن نہیں رہ جاتا۔

۸۔ روبنس کا یہ حوالہ قاضی افضل حق قرشی نے اپنی تالیف اقبال کے مدوح علماء میں نقل کیا تھا، جس میں انہوں نے اقبال کی اس میں علماء اہل سنت پر تبراکر کے اپنے ذوق سب شتم کی تسکین کی تھی۔ انہوں نے روبنس کی کتاب کے ص ۴۲۲ کا حوالہ دیا تھا۔ البریلویہ کے مؤلف نے اصل کتاب کی طرف رجوع کئے بغیر اس عبارت کا ترجمہ کر دیا اور حوالہ ص ۴۲۲ کا دے دیا، حالانکہ یہ عبارت ص ۴۲۲ پر ہے۔ گزشتہ سطور میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ایسی عبارات تحقیق کی دنیا میں کچھ وزن نہیں رکھتیں، جن کا دلیل و برہان سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہ ہو۔

امام احمد رضا — اور انگریز

انگریزی حکومت سے بے تعلق امام احمد رضا بریلوی کو درشتے میں ملی تھی، اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں بریلوی کے اوصافِ جمیلہ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

”موالاتِ فقراء اور امر دینی میں عدم مبالات باغنیاء، حکام سے عزت، رزق موردِ پر قناعت وغیر ذالک۔“ لہ

حکام وقت سے بے تعلق امام احمد رضا کے صاحبزادوں، شاگردوں اور خلفاء کا بھی طرہ امتیاز رہی ہے۔

تجارت کے بہانے آکر ہندوستان پر حاکم بن بیٹھنے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور سونے ہوئی مسلم قوم کو جگاتے ہوئے فرماتے ہیں:

”مونا جنگل رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو! جاگتے رہو، چوروں کی رکھوالی ہے۔“

انگریزی دور میں مسلمانوں کے دین و ایمان کے غارت کرنے والے فتنوں کی کثرت تھی، عیسائی اور آریہ کھلم کھلا دینِ اسلام اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے تھے اور غفلت کے مارے مسلمان ان کے لیکچر سنتے تھے۔ امام احمد رضا بریلوی ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء

ایک فتویٰ باریق النور فی مقادیر ماء الطہور میں ایسے مسلمانوں کی سرزنش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تعارف مصنف جو اسراہیل بیان (مکتبہ حامدیہ لاہور) ص ۶

لے احمد رضا بریلوی، امام،

حدائق بخشش (مدینہ پیشنگ، کراچی) ص ۸۳

لے ایضاً،

”آج کل ہمارے عوام بھائیوں کی سخت جہالت یہ ہے کہ کسی آرہ نے اشتہار دیا کہ اسلام کے فلاں مضمون کے رد میں فلاں وقت لکچر دیا جائے گا۔ یہ سننے کے لیے دوڑے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ پادری نے اعلان کیا کہ نصرانیت کے فلاں مضمون کے ثبوت میں فلاں وقت ندا ہوگی۔ یہ سننے کے لیے دوڑے جاتے ہیں۔۔۔۔۔

بھائیو! تم اپنے نفع و نقصان کو زیادہ جانتے ہو یا تمہارا رب عزوجل تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ان کا حکم تو یہ ہے کہ شیطان تمہارے پاس و سوسر ڈالنے آئے، تو سیدھا جواب یہ دے دو کہ تو جھوٹا ہے۔۔۔۔۔ نہ یہ کہ تم آپ دوڑ دوڑ کر ان کے پاس جاؤ اور اپنے رب، اپنے قرآن، اپنے نبی کی شان میں کلمات ملعونہ سُنئے۔ لے

پھر مزید تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اگر ایمان سچا ہے، تو اب یہ فرمائیے کہ ان کے لکچروں، نداؤں میں آپ کے رب و قرآن و نبی و ایمان کی تعریف ہوگی یا مذمت؟ ظاہر ہے کہ دوسری صورت ہی ہوگی اور اسی لئے تم کو بلاتے ہیں کہ تمہارے منہ پر تمہارے خدا و نبی و قرآن و دین کی توہین و تکذیب کریں۔

اب ذرا غور کر لیجئے! ایک بشر نے زید کے نام اشتہار دیا کہ فلاں وقت فلاں مقام پر میں بیان کروں گا کہ تیرا باپ ولد الحرام اور تیری ماں زانیہ تھی، للہ! انصاف، کیا کوئی غیرت والا، حمیت والا، انسانیت والا جبکہ اسے اس بیان سے روک دینے، باز رکھنے پر قادر ہو، اسے سننے جاتے گا۔؟ حاشا للہ! یہ کسی بھنگی، چمار سے بھی نہ ہو سکے گا، پھر ایمان کے دل پر ہاتھ رکھ کر

دیکھو کہ اللہ ورسول وقرآنِ عظیم کی توہین، تکذیب، مذمت سخت تر ہے یا ماں باپ کی گالی؟ ایمان رکھتے ہو ایسے اس سے کچھ نسبت نہ بانو گے۔ پھر کون سے کیجے سے ان جگر شکاف، ناپاک، ملعون بہتانوں، افتراؤں، شیطانی اٹکلوں، ڈھکوسلوں کو سننے جاتے ہو۔

بلکہ حقیقۃً انصافاً وہ جو کچھ بکتے اور اللہ ورسول وقرآنِ عظیم کی تحقیر کرتے ہیں۔ اس سب کے باعث یہ سننے والے ہیں۔ اگر مسلمان اپنا ایمان سنبھالیں، اپنے رب وقرآن ورسول کی عزت و عظمت پیش نظر رکھیں اور ایسا کر لیں کہ وہ خبیث لکچر، گندی ندائیں سننے کوئی نہ جائے گا، جو وہاں موجود ہو، وہ بھی فوراً وہی مبارک ارشاد کا کلمہ کہہ کر کہہ کر تو جھوٹا ہے چلا جائے گا، تو کیا وہ دیواروں، پتھروں سے اپنا سر مچھوڑیں گے؟ تو تم سن سن کر کہلو اتے ہو، نہ تم سنو، نہ وہ کہیں، پھر انصاف کیجئے کہ اُس کہنے کا وبال کس پر ہوا؟ لے

کیا جس شخص کے دل میں انگریزوں کے لیے ذرا بھی نرم گوشہ ہو، وہ ایسا شدید اندازِ گفتگو اختیار کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسا اندازِ تلقین وہی شخص اختیار کر سکتا ہے جس کا دل و دماغ نورِ ایمان سے منور ہو اور مسلمانوں کی تباہی جس کے لیے ناقابلِ برداشت المیہ ہو، وہ نہ تو اتحاد و اتحاد کی رٹ لگانے والوں کو خاطر میں لاتا ہے اور نہ ہی گورنمنٹ کی ناراضی کی پروا کرتا ہے۔

زبان کی حد تک انگریزی سیکھنے میں حرج نہیں، بلکہ بہت سے فوائد ہیں، لیکن جب نصابِ تعلیم غیر اسلامی مقاصد کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا گیا ہو، تو اس کے نقصان دہ ہونے میں شک نہیں ہے۔

امام احمد رضا بریلوی اس عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لے احمد رضا بریلوی، امام، فتاویٰ رضویہ ج ۱، ص ۲۱۷

”انگریزوں اور وہ بے سود تضحیح اوقات تعلیم میں جن سے کچھ کام دین تو دین
 دُنیا میں بھی نہیں پڑتا، جو صرف اس لیے رکھی گئی ہیں کہ لڑکے این و آن و مہلات
 میں مشغول رہ کر دین سے غافل رہیں کہ ان میں حمیتِ دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو،
 وہ یہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا ہے جیسا کہ عام طور پر مشہور و معہود
 ہے، جب تک یہ نہ چھوڑی جائیں اور تعلیم و تکمیل عقائدِ حقہ و علومِ صادقہ کی طرف
 باگیں نہ موڑی جائیں، دہریت، نیچریت کی بیخ کنی ناممکن ہے، کیا لیڈر اس میں
 ساعی ہیں؟ ہرگز نہیں۔“ ۱

حضرت مولانا مفتی محمد برہان الحق جبل پوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،
 ”ایک دن بعد نمازِ عصر تفریح کے لیے بگھی پر، گن کیرج فیکٹری کی طرف
 نکلے، فوجی گوروں کی پارٹی فیکٹری سے اپنے اپنے کوارٹروں کی طرف جا رہی
 تھی، انہیں دیکھ کر حضرت نے فرمایا:

کم بخت بالکل بند رہیں“ ۲

۱۳۱۸ھ/۱ - ۱۹۰۰ء میں پٹنہ، عظیم آباد کے اجلاس میں امام احمد رضا بریلوی نے تقریر
 فرماتے ہوئے رُوئے سخن ندوۃ العلماء کی طرف موڑتے ہوئے فرمایا:

”سب کلمہ گو حق پر ہیں، خدا سب سے راضی ہے، سب کو ایک نظر سے دیکھتا
 ہے۔ گورنمنٹ انگریزی کا معاملہ خدا کے معاملوں کا پورا نمونہ ہے۔ اس کے معاملے
 کو دیکھ کر خدا کی رضا و نارااضی کا حال کھل سکتا ہے۔ . . . یہ کلمات اور ان
 کے امثال خرافات کو اہل ندوہ کی جو روداد ہے، جو متعال ہے، ایسی باتوں سے
 مالا مال ہے، سب صریح و شدید نکال و عظیم وبال و موجب غضبِ ذی الجلال ہیں“ ۳

ج ۲، ص ۹۳

رسائلِ رضویہ

۱۔ امام احمد رضا بریلوی، امام

اکرام امام احمد رضا (مجلسِ رضا، لاہور)، ص ۹۱

۲۔ محمد برہان الحق، مفتی،

ج ۱، ص ۱۲۷

حیاتِ اعلیٰ حضرت

۳۔ ظفر الدین بہاری، مولانا،

امام احمد رضا انگریزی کچہریوں میں جانے کے قائل نہ تھے، بلکہ کچہری کو عدالت اور انگریزی جج کو عادل کہنے سے شدید ممانعت فرماتے تھے، ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ سے ایک استفتاء آیا کہ نصاریٰ کی کچہریوں کو عدالت اور آج کل کے حکام کو عادل کہنا بہت سخت ہے اور فقہاء نے حکم کفر تک فرمایا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ یہ حکم کفر مسئلہ مفتی بہا ہے؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”عدالت بہ طور علم راجح ہے۔ معنی وضعی مقصود نہیں ہوتے، لہذا تکفیر ناممکن، البتہ عادل کہنا ضرور کفر ہے، مگر محض بروجہ خوشامد ہوتا ہے، لہذا تجدید اسلام نکاح کافی ہاں خلاف ما انزل کو اعتقاداً عدل جانے، تو قطعاً وہی کفر ہے کہ من شک فی کفرہ فقد کفر“ لہ

یہی وجہ تھی کہ جب ایک مسئلہ میں اختلاف نے شدت اختیار کی تو اہل بدایوں نے آپ کے خلاف اپنے شہر میں استغاثہ دائر کر دیا۔ کچہری سے سمن جاری ہوئے، مگر امام احمد رضا کسی صورت بھی کچہری نہ گئے۔ لہ

”صرف یہی نہیں، بلکہ مسلمانوں کو بھی یہی تلقین فرماتے تھے کہ باستثناء ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو، اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقدمات اپنے فیصل کرتے، یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ و وکالت میں گھسے جاتے ہیں، گھر کے گھر تباہ ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں، محفوظ رہتے۔“ لہ

امام احمد رضا نے مسلمانوں کی کامیابی کے لیے جو تجاویز پیش کی تھیں، ان میں ایک تجویز یہ تھی:

۱۱۶ ص ۱۹ ج	فتاویٰ رضویہ	لہ احمد رضا بریلوی، امام
۱۱۸ ص	جہانِ رضا	لہ مرید احمد چشتی، مولانا
۱۵۹ ص	حیات صدیقہ لانا فضل	لہ غلام معین الدین نعیمی، مولانا

”اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر میں رہتا، اپنی
حرفت و تجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے،
یہ نہ ہوتا کہ یورپ و امریکہ والے چھٹانک بھرتا نبا کچھ صناعتی کی گڑھت کر کے
گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی
آپ سے لے جائیں۔“ لہ

انگریز نوازی کا الزام دینے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے امام احمد رضا فرماتے ہیں،
”یہ کس کی خوشی کو تھا مولوی عبدالباری صاحب خدام کعبہ کی بانگی کے لیے
مسجد کا پنور کو عام سڑک اور ہمیشہ کے لئے جنب و حائض و کافر و مشرک کی
پامال کرا آئے اور بکمال جبرأت اسے مسدود شرعیہ ٹھہرایا، اس کے رد میں
ابانۃ المتواری لکھا گیا، جس میں ان سے کہا گیا ہے

دائم نہ رسی بکعبہ اسے پشت براہ!
کیں راہ کہ تومی روی بانگلستانست

مختصر یہ کہ امام احمد رضا بریلوی، انگریز کے مذہب اس کی تعلیم، اس کی تعظیم،
کچھری، وضع قطع اور اس کی محبت سے شدید نفرت رکھتے تھے، حدیث کہ کارڈ اور لنافہ
الٹا کر کے پتا لکھتے تاکہ ملکہ و کٹوریہ، ایڈورڈ ہفتم اور جارج پنجم کا سر نیچے ہو جائے۔
خطوط پر زیادہ پیسوں کے ٹکٹ لگانے سے منع فرماتے کہ بلا وجہ نصاریٰ کو روپیہ پہنچانا کیسا؟
جن کے ساتھ دوستی ہو، یوں ان کی ایک ایک ادا سے نفرت نہیں کی جاتی۔

۱۵۹ ص	حیات صدر الافاضل	لہ غلام معین الدین نعیمی، مولانا
۱۴۲ ص، ج ۲	رسائل رضویہ	ٹہ احمد رضا بریلوی، امام،
۱۱۸ ص	جہانِ رضا	ٹہ مرید احمد چشتی، مولانا،
۱۴۱ ص	حیات اعلیٰ حضرت	ٹہ ظفر الدین بباری مولانا

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں،

”قرآنِ عظیم نے بکثرت آیتوں میں تمام کفار سے موالات قطعاً حرام فرمائی۔

مجوس ہوں، خواہ یہود و نصاریٰ، خواہ ہنود اور سب سے بدتر مرتدان عنود۔“ ۱

سید الطاف علی بریلوی ایسے ہی ثوابد کی بنا پر لکھتے ہیں:

”سیاسی نظریہ کے اعتبار سے حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بلاشبہ

حریت پسند تھے، انگریز اور انگریزی حکومت سے دلی نفرت تھی ”شمس العلماء“

قسم کے خطاب وغیرہ کو حاصل کرنے کا ان کو یا ان کے صاحبزادگان مولانا حامد رضا

خاں صاحب و مصطفیٰ رضا خاں کو کبھی تصور بھی نہ ہوا۔“ ۲

جعفر شاہ پھلواری جو تحریک ترک موالات کے دور میں امام احمد رضا بریلوی کے

مخالفین میں سے تھے، لکھتے ہیں،

”ترک موالاتیوں نے ان کے متعلق یہ مشہور کر رکھا تھا کہ نعوذ باللہ! وہ سرکارِ

برطانیہ کے وظیفہ یاب ایجنٹ ہیں اور تحریک ترک موالات کی مخالفت پر مامور ہیں۔“ ۳

طرفہ یہ کہ ایک طرف انگریز دوستی کا الزام دیا جاتا ہے اور دوسری طرف کہا جاتا ہے کہ

”نور بریلوی نے کہا کہ جس نے انگریزی ٹوپی (ہیٹ) پہنی، وہ بلاشبہ کافر

ہے۔“ (ترجمہ) ۴

کیا دوستوں کے ساتھ یہی رویہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ان کے قومی شعار استعمال کرنے

والے کو کفر کی وادی میں دھکیل دیا جائے؟

تحریک ترک موالات کے راہنما اور امام احمد رضا کے سیاسی مخالف مولانا معین الدین

۱۔ امام احمد رضا بریلوی، امام؛ فتاویٰ رضویہ، ج ۶، ص ۱۹۲

۲۔ مرید احمد حسینی، جہانِ رضا، ص ۱۱۸

۳۔ ایضاً، ص ۱۲۵

۴۔ ظہیر، السبریلویہ، ص ۲۰۸

اجمیری لکھتے ہیں:

”ترکِ موالات کی ایک تجویز نمبر ۵ ایسی بھی ہے جس کو دونوں بزرگوں (مولوی اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد رضا خاں) نے تسلیم کیا ہے اور وہ یہ کہ گورنمنٹ برطانیہ کو فوجی امداد نہ دی جائے۔“ لہ

بہت دور کی سوجھی

امام احمد رضا بریلوی کے پرودا حافظ کاظم علی خاں بدایوں کے تحصیل دار تھے۔ ان کے بارے میں مولانا طغرالدین بہاری لکھتے ہیں:

”وہ اس جدوجہد میں تھے کہ سلطنتِ مغلیہ اور انگریزوں میں جو کچھ مناقشات تھے، ان کا تصفیہ ہو جائے، چنانچہ اسی تصفیہ کے لیے حضرت حافظ صاحب کلکتہ تشریف لے گئے تھے۔“ لہ

صاف ظاہر ہے کہ وہ سلطنتِ مغلیہ کے نمائندہ اور سفیر ہونے کی حیثیت سے انگریزوں سے گفتگو کرنے کلکتہ گئے تھے، اس میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی، اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اگر کامیابی ہوئی بھی ہوگی، تو یہ مسلمانوں کی سلطنت کی سیاسی خدمت ہوگی نہ کہ انگریز کی، لیکن تاریخ سازی کی ناکام کوشش کرنے والوں کو یہ بھی انگریز کی پولیٹیکل خدمت دکھائی دیتی ہے،

”مولوی احمد رضا خاں کے پرودا حافظ کاظم علی خاں بریلوی نے

انگریزی حکومت کی پولیٹیکل خدمات انجام دیں۔“ لہ

کیا امریکہ اور برطانیہ وغیرہ ممالک میں متعین پاکستانی سفیروں کے بارے میں بھی یہی

لہ رئیس احمد جعفری، اوراقِ گم گشتہ (مطبوعہ لاہور) ص ۵۷۶

لہ طغرالدین بہاری، مولانا، حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۳

لہ افضل حق قرشی، قاضی، اقبال کے ممدوح علماء (مکتبہ محمودیہ، لاہور) ص ۴-۵۱۳

تا فرودیا جائے گا کہ وہ غیر ملکی سیاسی خدمات انجام دے رہے ہیں؟
ہاں البتہ انگریزی حکومت کی سیاسی خدمات کی ہلکی سی جھلک دیکھنا چاہیں، تو ایک
اقتباس کا مطالعہ سو مند رہے گا۔

۱۹۳۱ء تک سید احمد صاحب امیر خاں کی ملازمت میں رہے، مگر ایک
ناموری کا کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خاں کی صلح کراوی
لارڈ بیسٹنگ، سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا۔
دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ
ہوا، امیر خاں، لارڈ بیسٹنگ اور سید احمد صاحب، سید احمد صاحب نے امیر خاں
کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا تھا۔ اسی طرح متفرق پرگنے ریاستوں
سے بڑی قبیل و قال کے بعد انگریزوں سے دلو اکڑ پھرے ہوئے شیر کو اس حکمت
سے پنجرے میں بند کر دیا۔“ لہ

اس اقتباس کا ایک ایک لفظ بتا رہا ہے کہ سید صاحب نے انگریز حکومت کی کیسی کیسی
شاندار خدمات انجام دیں اور کس طرح ایک پھیرے ہوئے شیر کو پنجرے میں بند کر کے
انگریزی حکومت کے خطرات کا صفایا کر دیا۔ امام احمد رضا پر اس قسم کی موبوم بنیادوں پر الزامات
کی دیوار تعمیر کرنے والے ایک طرح یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ ہمارے پاس دلائل و خواہ نام کی کوئی
چیز نہیں ہے، ورنہ وہ یوں ریت کی دیوار کھڑی کرنے کی کوشش نہ کرتے۔

لہ حیرت دہلوی، مرزا، حیات طیبتہ (مکتبہ السلام، لاہور) ص ۴-۵۱۳

لہ تفصیل کے لیے دیکھئے: گناہ بے گناہی، مطبوعہ لاہور اور کراچی، تصنیف پروفیسر محمد مسعود احمد
پرنسپل گورنمنٹ سائنس کالج، مٹھی، سندھ ۱۲ قادری

اب اگر اس جگہ صحیح عبارت نقل کر دی جاتی، تو گزشتہ صفحات کے الزامات غلط ہو جاتے، کیونکہ جس شخصیت نے اپنی وصیت میں ان فرقوں سے اجتناب کی تلقین کی ہو، اس کا ان فرقوں سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ پھر خاصۃً الدیوبندیین کس عبارت کا ترجمہ ہے؟ یہ خاص ایجادِ بندہ ہے، امام احمد رضا نے یہ تخصیص ہرگز نہیں کی۔

امام احمد رضا نے وصال سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے چند وصیتیں قلم بند کرائیں، جن میں

سے چند ایک یہ ہیں:

● ”شروع نزع کے وقت کارڈ، لفافے، روپیہ پیسے کوئی تصویر اس دالان

میں نہ رہے۔“

ذی روح کی تصویر سے کس قدر نفرت اور اجتناب ہے؟ اور وہ بھی کس کی تصویریں؟

انگریز حکمرانوں کی۔

● ”خبردار کوئی شعر میری مدح کا نہ پڑھا جائے۔۔۔۔۔۔ یوں ہی قبر پر“

علماء ربانی کی یہی شان ہے۔

● ”فاتحہ کے کھانا سے اغنیاء کو کچھ نہ دیا جائے، صرف فقراء کو دیں۔

اور وہ بھی اعزاز اور خاطر داری کے ساتھ، نہ کہ جھڑک کر۔

غرض کوئی بات خلاف سنت نہ ہو۔

اعزہ سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں، ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء

سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔۔۔۔۔۔ دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کے

دودھ کا ہو۔۔۔۔۔۔ مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ۔۔۔۔۔۔ خواہ بکری کا

شامی کباب۔۔۔۔۔۔ پراسٹھے اور بالائی۔۔۔۔۔۔ فیڑی۔۔۔۔۔۔

اُرد کی پھری۔۔۔۔۔۔ دال مع ادک و لوازم۔۔۔۔۔۔ گوشت بھری

کچوریاں۔۔۔۔۔۔ سیب کا پانی۔۔۔۔۔۔ انار کا پانی۔۔۔۔۔۔ سوڈے

کی بوتل۔۔۔۔۔۔ دودھ کا برف۔۔۔۔۔۔ اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے یوں کرو

یا جیسے مناسب جانو۔۔۔۔۔ مگر بطیب خاطر۔۔۔۔۔ میرے لکھنے پر
مجبورانہ، نہ ہو۔ لے

سُبحان اللہ! دنیا سے رخصت ہوتے ہوتے بھی غرباء اور فقراء کا اس قدر خیال ہے کہ
ان کے لیے ایسی ایسی چیزوں کا انتظام فرما گئے، جو ان کے خواب و خیال میں بھی نہ آسکتی تھیں۔
علماء اہل سنت پر شکم پروری کا الزام لگانے والے غور کریں کہ یہ اپنے پیٹ کی فکر ہے یا ناداروں
کے پیٹ کی!

امام احمد رضا بریلوی کی حیاتِ طاہرہ میں غریب پروری کا عالم یہ تھا،
”کاشانہ اقدس سے کبھی کوئی سائل خالی نہ پھرتا، اس کے علاوہ بیوگان کی
امداد، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، ناداروں کے توکل علی اللہ مہینے مقرر
تھے اور یہ اعانت فقط مقامی ہی نہ تھی، بلکہ بیرونجات میں بذریعہ منی آرڈرز قوم
امداد روانہ فرمایا کرتے تھے۔ لے

جب کہ ان کی اپنی خوراک کی مقدار یہ تھی،
”زیادہ سے زیادہ ایک پیالی شوربا بکری کا بغیر مرچ کا اور ایک یا دو ٹرہہ بسکٹ
سوچی کا اور وہ بھی روزانہ نہیں، بلکہ بسا اوقات ناعہ بھی ہوتا تھا۔ لے
وصیت میں ایک شق یہ بھی تھی۔

”رضا حسین، حسنین اور تم سب محبت و اتفاق سے رہو اور حتی الامکان اتباع
شریعت نہ چھوڑو اور میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے، اس پر
مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے“ لے

۲۲-۲۴ ص	وصایا شریف	لے حسنین رضا خاں، مولانا،
ج ۲، ص ۵۲	حیاتِ اعلیٰ حضرت	لے نضر الدین بہاری، مولانا،
۲۷ ص	” ”	لے ایضاً،
۲۵ ص	وصایا شریف	لے حسنین رضا خاں، مولانا،

ظاہر ہے کہ دین نام ہے اسلامی عقائد کا جن پر قائم رہنا ہر حال میں ضروری ہے۔
 اَلْاَمَنُ اُكْرَهًا وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ (الایۃ) ”جبر و اکراہ کی صورت
 میں بھی تصدیق قلبی کا برقرار رہنا ضروری ہے اور شریعت، عملی احکام کو کہتے ہیں، جن پر بقدر طاقت
 عمل کیا جائے گا: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (الایۃ، ۲۸۶- البقرۃ ۲)
 بعض لوگ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ انہوں نے نیا دین ایجاد کیا تھا جس پر
 کار بند رہنے کی تاکید شدید کر رہے ہیں مہالاکہ ان کی تصانیف موجود ہیں، کوئی بھی شخص مطالعہ کر کے
 معلوم کر سکتا ہے کہ انہوں نے دین اسلام کی صحیح ترجمانی کی ہے اور نت نئے اٹھنے والے فرقوں
 کا سختی کے ساتھ محاسبہ کیا ہے۔

وصال تہ چند روز پہلے جو ارشادات بہ طور وصیت فرماتے، ان میں فرمایا،
 ”اللہ و رسول کی سچی محبت، ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی
 تکریم اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت۔۔۔۔۔ جس سے اللہ و رسول
 کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ، پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو، فوراً اس سے
 جدا ہو جاؤ۔۔۔۔۔ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو، پھر وہ
 تمہارا کیسا ہی بزرگ معظّم کیوں نہ ہو، اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح
 نکال کر پھینک دو۔۔۔۔۔ میں پونے چودہ برس کی عمر سے یہی بتاتا رہا
 اور اس وقت پھر یہی عرض کرتا ہوں۔“

ستیالطاف علی بریلوی نماز جنازہ کی چشم دید رواد ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں،
 ”حضرت کی میت ان کی جائے قیام، محلہ سوداگراں سے شہر کے باہر تین پار میل
 کے فاصلہ پر دریائے رام گنگا کے کنارے واقع عید گاہ، جہاں وہ عیدین کی
 نماز پڑھایا کرتے تھے، لے جاتی گئی، اس وقت سخت گرمی اور دھوپ تھی، لیکن

اس کے باوجود جلوس اور نماز میں کم از کم دس ہزار عقیدت مندوں کا ہجوم تھا
 اس روز پورے شہر میں ہر شخص کو بے پناہ صدمہ تھا اور گھر گھر صفت ماتم
 بکھی ہوئی تھی۔“ لہ

اس دور میں جبکہ ذرائع ابلاغ اور وسائل نقل و حمل محدود تھے۔ اس قدر اجتماع معمولی
 نہیں ہے۔

مبالغہ آرائی

”البرطویہ“ (ص ۵۱—۴۶) میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ امام احمد رضا کے
 عقیدت مندوں نے ان کے بارے میں بے جا مبالغہ سے کام لیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے
 کہ چند اقتباسات مخالفین کی تصانیف سے پیش کر دیئے جائیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ مبالغہ آمیزی
 سے کس نے کام لیا ہے اور کس قدر؟

سید احمد بریلوی (رائے بریلی کی طرف منسوب) کے ہاتھ پر ایک شرابی بیعت کرتا ہے،
 سید صاحب نے کہا کہ ہمارے سامنے نہ پینا، وہ گھر جا کر پینے لگتا ہے، تو سید صاحب سامنے
 کو مٹھری میں جا کر پینے لگا، تو پھر سامنے!

”آخر لاچار ہو کر پاخانہ میں شراب طلب کی، تو وہاں بھی حضرت کو سامنے
 کھڑا دیکھا!“ لہ

اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے عقیدے کو تو
 بریلویوں کے ان خصوصی عقائد میں شمار کیا جاتا ہے، جو عقل و نقل کے خلاف ہیں لیکن اپنے پیغمبر
 کی عظمت چمکانے کے لیے یہ قوت ثابت کی جا رہی ہے کہ وہ جہاں چاہیں حاضر و ناظر

ہو جائیں، آخر عقل و نقل کے مخالف یہ شعبہ بازی کیوں تسلیم کر لی گئی ہے؟
 ایک طرف تو انبیاء و اولیاء کے لیے علم غیب کے اثبات کو کتاب و سنت اور فقہ حنفی
 کے مخالف قرار دیا جا رہا ہے دوسری طرف سید صاحب کی شان میں دل کھول کر مبالغہ
 کیا جاتا ہے:

”سید صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی بصیرت عطا کی ہے کہ میں
 دیکھ سکتا ہوں کہ یہ بہشتی ہے یا دوزخی“

یہ مبالغہ نہیں، تو حقیقت کے کس خانے میں فٹ کیا جائے گا؟

ایک دل دہلا دینے والا مبالغہ بھی ملاحظہ ہو، سید صاحب کی زبانی یہ کہلوا گیا ہے،
 ”جب تک ہندو کا شرک اور ایران کا رخص اور چین کا کفر اور افغانستان کا لٹاق
 میرے ہاتھ سے محو ہو کر ہر مردہ سنت زندہ نہ ہو جائے گی، اللہ رب العزت مجھ کو
 نہیں اٹھائے گا، اگر قبل از ظہوران واقعات کے کوئی شخص میری موت کی خبر تم کو
 دے اور تصدیق پر حلف بھی کرے کہ سید احمد میرے رو برو مارا گیا، تو تم اس کے
 قول پر ہرگز اعتبار نہ کرنا، کیونکہ میرے رب نے مجھ سے وعدہ واثق کیا ہے کہ
 ان چیزوں کو میرے ہاتھ پر پورا کر کے مارے گا۔“

آج تک ان امور میں سے کوئی بھی معرض ظہور میں نہیں آیا، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہوتا تو
 یقیناً پورا ہوتا، اس لیے یہ کہنا حق بجانب ہو گا کہ یہ خود ساختہ الہام ہے، الہام ربانی ہرگز
 نہیں ہو سکتا۔ مولوی سخاوت علی جہنپوری لکھتے ہیں:

”تفصیلش در معیار الحق مصنفہ مولانا حجتہ اللہ علی العالمین“

ص ۸۵

البرطویۃ

لہ ظہیر،

ص ۱۷۲

حیات سیاحہ شہید

لہ محمد جعفر تھانیسری،

ص ۱۷۲

”

لہ ایضاً،

کے الفاظ استعمال کرنے والا فتوائے شرک سے محفوظ نہیں رہ سکتا، مگر میاں صاحب کے بارے میں سب کچھ روا، بلکہ احکام شرع و دین ان کے قبول کرنے پر موقوف، اور اگر وہ قبول نہ کریں، تو؟ سے

ہر حکم بے رضائے تو مردودِ اہلِ دل،

ہر نکتہ بے قبول تو ناچیز چوں لفظ

ایک اور شعر ملاحظہ ہو، یوسف حسین صابری لکھتے ہیں:

کرامتے ست کہ تبدیل مابیات نمود

مجالِ عقل شدہ پیش سعی او مجبور

میاں صاحب کی کرامات کو اس بلند ہی پر لے جایا جا رہا ہے کہ وہ مابیات و حقائق کو تبدیل کر سکتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں اپنی بیگم نواب شاہجہان بیگم کی مدح و ثناء میں دادِ بلاغت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

واحیت السنن وامانت المبدع الی ان

سالت فیوضها العامة لكل حاضر و بادی و جالت

خیول جودها فی کل بادیة و وادی جامعة

للفضائل التي قلما تجتمع فی رجل فضلا عن النسوان

حاویة للفواضل التي قصر دون تبیانها لسان الترجمان

وهذه ذرة من میدان مناقبها العلیة

۱۔ فضل حسین بہاری، الحیاء بعد المماة ص ۴۷۸

۲۔ ایضاً، " " ص ۵۰۳

۳۔ صدیق حسن مجہد پالی، نواب، السجد العلوم ج ۲، ص ۲۸۶-۷

” اُس نے مُنتوں کو زندہ کیا اور بدعتوں کو مار دیا، اُس کے فیض عام کا سیلاب
 ہر شہری اور دیہاتی تک پہنچے، اور اُس کی سخاوت کے گھوڑے ہر جنگل اور پروادی
 میں پہنچے، وہ ایسے فضائل کی جامع ہے جو عورتوں میں تو کجا، مردوں میں بھی شاذ و نادر
 پائے جاتے ہیں، وہ ایسے کمالات کی حامل ہے، جن کے بیان سے ترجمان کی
 زبان عاجز ہے، اور یہ اس کے بلند مناقب کے میدان کا ایک ترجمہ ہے۔“
 جس شخص کو معلوم نہ ہو کہ مبالغہ کسے کہتے ہیں، وہ اس عبارت کو پڑھ کر مبالغہ کی حقیقت معلوم
 کر سکتا ہے۔۔۔۔۔ خود نواب صاحب کی تعریف میں جو قلابے ملائے گئے ہیں، وہ بھی
 ایک نظر دیکھ لیجئے :

تسکن من اعنة البيان ما لم يتمكن علي الاعيان
 فجاء في عصره عديم النظير في ما يكون وكان له
 ” وہ بیان کی اُن لگاموں پر قادر ہیں، جن پر بڑے بڑے قادر نہ ہو سکے، وہ
 اپنے زمانے میں بے نظیر ہیں، ان کی نظیر ماضی میں ہوئی نہ آئندہ ہوگی۔“

مولوی عبدالباری سہسوانی، ان کی مدح میں لکھتے ہیں :

هُوَ حُجَّةٌ لِلَّهِ قَاهِرَةٌ

هُوَ بَيْنَنَا أُعْجُوبَةُ الدَّهْرِ

هُوَ هَوَايَةٌ فِي الْخَلْقِ ظَاهِرَةٌ

النَّوَارَةُ ارْتَبَتْ عَلَى الْفَجْرِ

اس کے باوجود یہ تصریح کرتے ہیں :

وثنائي هذا عليه ليس من المبالغة في شيئي ۱

”وہ اللہ تعالیٰ کی حجتہ قاہرہ ہیں، وہ ہمارے درمیان زمانے کا عجوبہ ہیں، وہ مخلوق میں آیتِ ظاہرہ ہیں، جس کے انوار صبح صادق سے زیادہ ہیں۔۔۔ اس میں کچھ مبالغہ نہیں۔“

اربابِ علم و دانش کے چند تاثرات

ذیل میں امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں چند اہل علم کے تاثرات پیش کیے جاتے ہیں، جن کی شخصیت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ان مبنی برحقیقت تاثرات کو خلو عقیدت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

علامہ یوسف بن اسماعیل زہدانی سابق وزیر حقوق، بیروت، امام احمد رضا کی تصنیف لطیف الدولۃ المکیۃ پر تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

فوجدتہ من النفع الکتب الدینیۃ واقواہا حجتاً
ولا یصدر مثله الا عن امام کبیر، علامۃ نحریر
فرضی اللہ عن مؤلفہ وارضاہ وبلغہ من کل خیر مناہ
”میں نے اسے کتبِ دینیہ میں نافع ترین اور دلیل کے اعتبار سے مضبوط ترین پایا
ایسی کتاب امام کبیر اور علامہ اجل ہی لکھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف
سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے اور ان کی تمام پاکیزہ امیدوں کو بر لائے۔“

مولانا احمد ابوالخیر بن عبداللہ میرزا، مدرس مسجد حرام، مکہ معظمہ فرماتے ہیں،
فقد نظرت فی ہذہ الرسالۃ نظر تدقیق وامعان
فالفیتھا فی غایتہ من الحسن والتحقیق قد شرح القلوب
بیانھا وسطع فی سماء التحقیق برہانھا وکیف لا وہی

لہ فیضیۃ المکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ، (الکتبہ، کراچی) ص ۶-۷ - ۲۷۲

جمع العلامة الامام المغیل الذکی الہمام ورأس
المؤلفین فی زمانہ وامام المصنفین بحکم اقرانہ
میں نے اس رسالہ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا، تو اسے حسن، تحقیق اور پختگی
میں اتہا کو پہنچا ہوا پایا، اس کا بیان شرح صدر عطا کرتا ہے اور اس کے
دلائل آسان تحقیق پر درخشاں ہیں اور کہیں نہ ہو، یہ امام علامہ، دانشور، ذکی،
بلند ہمت، اپنے زمانے کے مؤلفین کے رئیس اور معاصرین کے اعتراف
کے مطابق، مصنفین کے امام کی تصنیف ہے۔

حضرت شیخ موسیٰ علی شامی، مدنی فرماتے ہیں:

امام الائمة المجدد لهذا الامة

اماموں کے امام اور اس امت کے مجدد،

ڈاکٹر منشیاء الدین، وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ریاضی کے ایک بیچیدہ مسئلے
کے حل کے لیے جرمنی جانا چاہتے تھے۔ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کے مشورے پر بریلی حاضر
ہوئے۔ امام احمد رضا بریلوی نے چند منٹ میں وہ مسئلہ حل کر دیا، واپسی پر ڈاکٹر صاحب کا
تاثر یہ تھا،

« اتنا زبردست محقق عالم اس وقت ان کے سوا شاید ہی ہو، اللہ نے ایسا
علم دیا ہے کہ عقل حیران ہے۔ دینی، مذہبی، اسلامی علوم کے ساتھ ریاضی، اقلیدس
جبر و مقابلہ، توحیت (میں)، اتنی زبردست قابلیت اور مہارت کہ میری عقل جس
مسئلے کو ہفتوں غور و فکر کے بعد بھی حل نہ کر سکی، حضرت نے چند منٹ میں حل
کر کے رکھ دیا۔ ————— صحیح معنی میں یہ بستی نوبل پرائز کی مستحق ہے۔ ہمت

لہ فیوض اللمکیۃ

ص ۳۰

لہ ایضاً

ص ۴۶۲

لہ محمد بُرہان الحق جیسوی مفتی، اکرام امام احمد رضا مجلس رضا، ص ۶۰-۵۹

تفصیل کے لیے دیکھئے پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ کی تصنیف فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں اور امام احمد رضا اور عالم اسلام ملاحظہ فرمائیں تو اندازہ ہو جائے گا کہ علمائے اسلام نے امام احمد رضا کی بارگاہ میں کیسے کیسے گہائے عقیدت پیش کیے ہیں:

تواضع زگردن فرازاں شوکت

شعرو سخن اور خاص طور پر اُردو نعت کے میدان میں امام احمد رضا بریلوی کے مقام کو ایک عالم نے تسلیم کیا ہے، متعدد دانشوروں اور ادیبوں کے تاثرات اس سے پہلے نقل کیے جا چکے ہیں، خود انہوں نے تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا ہے۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مُسلم
جس سمت آگئے ہو سیکے بٹھا ویسے ہیں

علم و فضل اور نعت گوئی کے بلند ترین منصب پر فائز ہونے کے باوجود بارگاہِ رسالت سے والہانہ لگاؤ اور ادب و احترام ان کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھا، یہاں تک کہ ان کے مخالفین بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ وہ واقعی عاشقِ رسول تھے، فرماتے ہیں:

کوئی کیوں پوچھے تیری باتِ رضا
تجھ سے کتے بزار پھرتے ہیں

اس شعر سے بارگاہِ رسالت کے ساتھ جس گہری عقیدت و الفت اور اپنے عجز و انکسار کا اظہار ہو رہا ہے، اسے محبتِ اسرثنا قلوب ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ دیدۂ دل فرشِ راہ کرنے والے اس کیف کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ محرومِ محبت افراد کی اس سوز و گداز کی لذت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

صداقِ بخشش مع تحقیق ادبی جائزہ (مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی) ص ۸۱

لہ احمد رضا بریلوی، امام،

ص ۷۷

۷۷ ایضاً

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

رؤى انصارى فى النوم ف قيل له ما فعل الله بك قال
 غفر لي قيل بماذا قال بالشبه الذى بينى وبين
 النبى صلى الله عليه وسلم قيل له انت شريف؟ قال لا
 قيل فمن اين الشبه؟ قال كسبه الكلب الى السراعى
 ”ایک انصاری کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے
 ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا، مجھے بخش دیا، پوچھا کس سبب سے؟ فرمایا، اس
 مناسبت کی بنا پر جو میرے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان ہے
 پوچھا کیا آپ سید ہیں؟ فرمایا، نہیں، پوچھا پھر مناسبت کو نسی ہے؟ فرمایا،
 جو ایک کتے اور نگہبان کے درمیان۔“

سُبْحَانَ اللَّهِ! یہ تعلق اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند ہے کہ اسی کی بنا پر بخش دیا۔ مولانا
 محمد عبدالرحمن جامی قدس سرہ جو عاشقانِ رسول مقبول میں نہایت بلند مقام رکھتے ہیں،
 عرض کرتے ہیں: ع

سگت را کاشش جامی نام بودے

کاش کہ آپ کے کتے کا نام جامی ہوتا

حضرت قدسی رحمہ اللہ تعالیٰ یوں عرض نیاز کرتے ہیں

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم

زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

”میں نے اپنی نسبت آپ کے کتے کی طرف کی اور ترمسار ہوں،

کہ آپ کی گلی کے کتے کی طرف نسبت بھی بے ادبی ہے“

لیکن غیر صحت مندرنگاہوں کو اس میں تضاد نظر آتا ہے، انہیں ہر طرف مبالغہ ہی مبالغہ نظر آتا ہے۔ لہ

امام احمد رضا بریلوی کے پہلے شعر کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے،

انا ملک مملکۃ البیان ولا بد للناس من تسلیم کل ما
اقولہ لہ

”میں مملکتِ بیان کا بادشاہ ہوں، اور میں جو کچھ کہوں لوگوں پر اسے تسلیم کرنا ضروری ہے۔“

خود کشیدہ عبارت خود ساختہ ہے، اس شعر میں ایسا کوئی نشان نہیں ہے۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رخصت مسلم
جس سمت آگے ہو سکتے بٹھا دیتے ہیں

تلامذہ اور خلفاء

ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ نے حرمین شریفین اور دیگر ممالک کے ۳۲ علماء اور پاک و ہند کے ۲۷ علماء کا تذکرہ کیا ہے، جنہیں امام احمد رضا نے خلافت و اجازت عطا فرمائی ہے۔ یہ تمام حضرات آسمانِ شریعت و طریقت کے آفتاب و ماہتاب گزرے ہیں، جنہوں نے اپنے علم و فاضل کی تابانیوں سے ایک جہان کو منور کیا۔

آج بجز تلامذہ و خلفاء کے طویل و عرض میں پھیلے ہوئے تنظیم المدارس سے وابستہ تقریباً چھ سو مدارس امام احمد رضا کے مسلک، مسلکِ اہل سنت و جماعت کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں سینکڑوں مدارس دین کی تعلیم و تبلیغ میں مصروف ہیں۔

۵۰ - ۱ ص	البریلویہ	لہ ظہیر
۵ ص	"	لہ ایضاً
۸۸ - ۹۰ ص	فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں (مجلس رضا لاہور)	لہ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر

تحریک پاکستان

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے بعد امام احمد رضا بریلوی نے دو قومی نظریہ کی بباغ و بیل حمایت اور حفاظت کی۔ علامہ اقبال اور قائد اعظم کے اس نظریے کو اپنانے سے پہلے امام احمد رضا اور ان کے ہم مسلک علماء پوری ثابت قدمی کے ساتھ اس نظریے کی حفاظت کے لیے جہاد کر چکے تھے۔

۳ نومبر ۱۹۲۱ء کو روزنامہ پیسہ اخبار لاہور نے ایک ادارہ لکھا جس کا عنوان تھا،

آہ! مولانا احمد رضا خاں صاحب

اس عنوان کے تحت امام احمد رضا کے سیاسی موقف کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا،

”ترکِ موالات کے متعلق مرحوم کی رائے یہ تھی کہ جب مسلمانوں میں ترکِ موالات کا حکم صاف ہے تو اس میں استثناء کی ضرورت نہیں۔ وہ یہ کہ جب اسلام میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے ساتھ یکساں ترکِ موالات کا حکم ہے، تو جس طرح انگریزوں اور ان کی حکومت سے ترکِ موالات کیا جاتا ہے، ویسے ہی ہندوؤں سے بھی جو مشرکین شمار کیے جاتے ہیں، ترکِ موالات ہونی چاہیے۔ یہ منطقی نہایت کمزور ہے کہ انگریزوں سے تو ترکِ موالات ہو۔ اور ہندوؤں سے محض سیاسی اتحاد کے لیے موالات روارکھی جائے۔“ لے

امام احمد رضا کے وصال کے بعد ان کے تلامذہ، خلفاء اور ہم مسلک علماء اسی راہ پر چلتے رہے اور ملتِ اسلامیہ کی بہتری اور کامیابی کے لیے تمام تر رعنائیاں صرف کرتے رہے۔

لے محمد بداحمد حشتی، خیابانِ رضا (عظیم پبلی کیشنز، لاہور)، ص ۲۶

انگریز حکمرانوں کی جانب داری اور ہندوؤں کی ہیٹ و صرمی نے اصحاب فکر و نظر مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ پُرامن اور باعزت زندگی گزارنے کے لیے مسلمانوں کے لیے ملک و وطن کا ہونا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے اہل سنت کے ایک مفکر محمد عبدالقادر نے ۱۹۲۵ء میں ایک رسالہ ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط گاندھی کے نام لکھا جس میں تقسیم ہند کے سلسلے میں تفصیلی تجاویز پیش کی گئیں اور یہ تجاویز پیش کی کہ جس علاقے میں مسلمانوں کی اکثریت ہو وہ مسلمانوں کو دے دیا جائے پھر انہوں نے ضلع واران علاقوں کی نشان دہی بھی کر دی اور جن علاقوں میں ہندو یا دوسری قومیں اکثریت میں ہوں، وہ انہیں دے دیے جائیں یہ رسالہ ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ سے شائع ہوا تھا۔ ۱۹۳۰ء میں جب علامہ اقبال نے اپنے خطبہ الہ آباد میں تقسیم ہند کی اسی تجویز کو پیش کیا تو ہندوؤں نے اس پر بڑی برہمی کا اظہار کیا، طبقہ علماء میں سب سے پہلے حضرت صدرالافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے اس تجویز کی پُر زور تائید کی اور فرمایا:

”ڈاکٹر اقبال کی رائے پر کہ ہندوستان کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ ایک حصہ ہندوؤں کے زیر اقتدار اور دوسرا مسلمانوں کے۔ ہندوؤں کو کس قدر اس پر غیظ آیا؟ یہ ہندو اخبارات کو دیکھنے سے ظاہر ہوگا۔ کیا یہ کوئی نا انصافی کی بات تھی؟ اگر اس سے ایک طرف مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا تھا، تو ہندوؤں کو بھی اسی نسبت سے فائدہ ملتا تھا۔ کیا چیز تھی جو اس رائے کی مخالفت پر ہندوؤں کو برا بھلا کہتی رہی اور انہیں اس میں اپنا کیا ضرر نظر آیا؟ بجز اس کے کہ مسلمانوں کی بقا کی ایک صورت اس میں نظر آتی تھی اور انہیں تعویذ اس اقتدار ملا جاتا تھا۔۔۔۔۔ اس حالت میں بھی مسلمان کہلانے والی جماعت (جمیۃ العلماء ہند وغیرہ) ہندوؤں کا کلمہ پڑھتی ہے اور اپنی اس پُرانی فرسودہ لکیر کو پٹیا کرے، تو اس پر ہزار افسوس“ یہ

تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم (رضا پبلی کیشنز، لاہور) ص ۲۷۵

اے محمد مسعود احمد، ڈاکٹر

ص ۲۷۶-۷

” ” ” ”

لے ایضاً

آل انڈیا سنی کانفرنس

مارچ ۱۹۲۵ء میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد (بھارت) میں چار روزہ کانفرنس ہوئی، جس میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا قاضی نے صدر مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے خطبہ صدارت پڑھا، اسی کانفرنس میں الجمعیۃ العالیۃ المرزویۃ (آل انڈیا سنی کانفرنس) کی داغ بیل ڈالی گئی۔ صدیق اقبال مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اس کے ناظم اعلیٰ اور امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری، اس کے صدر منتخب کیے گئے۔ قائدین نے شبانہ روز کوشش سے متحدہ پاک ہند کے گوشے گوشے میں اس جماعت کی شاخیں قائم کیں۔ ایک طرف اہل سنت و جماعت کے علماء و مشائخ کو منظم کیا، تو دوسری طرف ہندوؤں اور کانگریسی علماء کی چالوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

”بریلوی مکتب فکر کی قیادت (بعد ازاں) مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے ہاتھوں

میں آگئی۔ جمعیت علماء ہند کے برعکس وہ ۱۹۳۸ء میں ہی اس بات پر یقین

کر چکے تھے کہ انگریز زیادہ عرصے تک برصغیر پر اپنا اقتدار قائم نہیں رکھ سکیں گے

ان کے لیے یہ سوال شدت اختیار کرتا جا رہا تھا کہ اس کے بعد ملک کا اقتدار

کون سنبھالے گا؟ چنانچہ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں پر مشتمل

مسلمانوں کی ایک الگ ریاست تشکیل دینی چاہیے، اس لیے جو نہی قرار دیا پاکستان

(۱۹۴۷ء) منظور ہوئی، اس مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء جنہوں نے اس سے

قبل بھی کانگریس کے مقابلہ میں مسلم لیگ کی مدد کی تھی۔ قیام پاکستان کے لیے

جدوجہد کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اپنی جماعت کے کام کو وسیع تر کر دیا اور

ان کی ہر شاخ پاکستان کے قیام کی ضرورت کی تبلیغ میں مصروف ہو گئی۔

مولانا سید نعیم الدین نے بذات خود شمالی برصغیر کا دورہ کیا اور اس کے مقصد چھوٹے

اور بڑے شہروں اور قصبوں میں تقریریں کیں، تنظیم کا نیا دستور تیار کیا گیا اور اسے
 نیا نام دیا گیا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس سے اس کا نام ”جمہوریۃ الاسلامیہ“ رکھ
 دیا گیا۔^۱

۱۹۴۰ء میں منٹو پارک (مینار پاکستان) لاہور میں جب قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو اس
 اجلاس میں علامہ عبدالحامد بدایونی، علامہ عبدالغفور سزاروی اور علامہ ابوالحسنات قادری
 بھی شریک تھے۔ علامہ بدایونی نے قرارداد کے حق میں خطاب بھی فرمایا۔^۲
 قیام پاکستان سے اہل سنت کے قلبی لگاؤ کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اہل سنت
 کے ترجمان ہفت روزہ الفقہیہ، امرتسر کی پیشانی پر ۱۹۴۲ء میں ہی پاکستان لکھا ہوتا تھا۔^۳
 جبکہ قبضتی سے امرتسر پاکستان میں شامل ہی نہ ہو سکا۔

۴ جون ۱۹۴۵ء کو وائسرائے ہند لارڈ ویل نے ایک منصوبے کا اعلان کیا کہ ہندوستان
 کی سیاسی جماعتوں کے مشورے سے نئی ایگزیکٹو کونسل کی تشکیل کی جائے گی۔ ۲۵ جون کو
 شملہ میں اس کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ قائد اعظم نے وائسرائے سے اس امر کی یقین دہانی
 چاہی کہ مسلمانوں کی طرف سے کونسل میں صرف مسلم لیگ کو نمائندگی دی جائے۔^۴
 اس موقع پر مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں نے بریلی سے وائسرائے ہند کے نام
 مسلم لیگ کی حمایت میں شملہ تار ارسال کیا۔ یہ خط ۱۵ جولائی ۱۹۴۵ء پبلک، ۲ اکتوبر ۱۹۴۵ء
 کو روزنامہ انجام دہلی میں چھپی جسے اہل سنت کے ترجمان ہفت روزہ الفقہیہ امرتسر نے مرتا
 ۱۲ نومبر ۱۹۴۵ء کے شمارے میں نقل کیا۔ الفقہیہ کے تراشے کا عکس خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس

۱۔ ریاست علی قادری، ہندوستان

۲۔ معارفِ رضا (طبوعہ کراچی ۱۹۸۲ء) ص ۲۳۸

۳۔ اکابر تحریک پاکستان (نوری کتب خانہ، لاہور) ص ۱۴۹

۴۔ خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس ص ۳۲

۵۔ رضی حیدر، خواجہ،

۶۔ محمد صادق قصوری،

۷۔ محمد حلال الدین قادری

۸۔ رضی حیدر، خواجہ،

۹۔ سالِ دسوتی اکٹھی کراچی) ص ۲-۳۹۲

بچھپ چکا ہے۔

۲۶ نومبر ۱۹۴۵ء کو مرکزی اسمبلی کا انتخاب ہوا، مسلمانوں کی تیس نشستوں پر مسلم لیگ کے نمائندوں نے انتخاب لڑا اور بھاری اکثریت میں کامیابی حاصل کی۔ جمعیت علماء، دہلی، احرار، خاکسار اور مسلم مجلس نے بھی اپنے نمائندے مختلف نشستوں کے لیے کھڑے کیے تھے ان میں سے کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ فروری ۱۹۴۶ء میں صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں بھی مسلم لیگ نے زبردست کامیابی حاصل کی۔

۴ دسمبر ۱۹۴۵ء کو وزیر ہند نے برطانیہ کے دارالامراء میں اعلان کیا کہ انتخابات کے بعد حکومت برطانیہ، ہندوستان میں دستور ساز اسمبلی قائم کرے گی اور ایک کابینہ ہندوستان بھیجے گی تاکہ یہ ہندوستانی رہنماؤں سے ملاقات کر کے بحیثیت آزاد مملکت ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ کر سکے۔

۲۴ مارچ ۱۹۴۶ء کو کابینہ مشن، دہلی پہنچ گیا جو لارڈ پیٹک لارنس، سر اسٹیفورڈ، رکنس اور اے وی ایس گونڈر پر مشتمل تھا۔ اسی دن پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مشن کے ایک رکن سر اسٹیفورڈ رکنس نے کہا:

”ہم کھلے دل کے ساتھ ہندوستان آتے ہیں، ہمارے پاس کوئی سیکم

نہیں، ہم ہر سیاسی مسئلہ کے متعلق تحقیقات کریں گے،

یہ وہ نازک ترین دور تھا، جس میں حکومت برطانیہ کو فیصلہ کرنا تھا کہ تقسیم ہند اور قیام

پاکستان کو منظور کیا جائے یا نہیں؟ علماء اہل سنت نے پوری قوت کے ساتھ قیام پاکستان کی حمایت کی اور آل انڈیا سنی کانفرنس کی جدوجہد عروج کو پہنچ گئی۔

۱۔ رئیس احمد جعفری، حیات محمد علی جناح ص ۸-۷۶۵

۲۔ رضی حیدر خواجہ، قائد اعظم کے ۷۲ سال ص ۳۹۹

۳۔ ایضاً،

۴۔ ایضاً،

ص ۷-۶۰۶

حضرت مفتی اعجاز ولی خان، مدرس مدرسہ منظر اسلام بریلی نے اسی سال پاکستان کی

جہانیت میں فتویٰ جاری کیا ہے

۱۹۴۶ء میں علماء اہل سنت کا ایک فتویٰ شائع ہوا، جس میں کانگریس کی مخالفت اور

مسلم لیگ کی تائید کی گئی تھی۔ ذیل میں وہ فتویٰ پیش کیا جاتا ہے:

”آل انڈیا سٹی کانفرنس کے مشاہیر علماء و مشائخین کا متفقہ فیصلہ:

مسلم لیگ کو ووٹ دے کر

کانگریس کو شکست دی جائے

آل انڈیا سٹی کانفرنس، مسلم لیگ کے ہر اس طریقہ عمل کی تائید کر سکتی ہے

جو شریعت مطہرہ کے خلاف نہ ہو جیسے کہ الیکشن کے معاملہ میں کانگریس کو

ناکام کرنے کی کوشش۔ اس میں مسلم لیگ جس مسلمان کو بھی اٹھائے،

سٹی کانفرنس کے اراکین و ممبران اس کی تائید کر سکتے ہیں، ووٹ دے سکتے

ہیں، دوسروں کو اس کے ووٹ دینے کی ترغیب دے سکتے ہیں مسئلہ پاکستان

یعنی ہندوستان کے کسی حصہ میں آئین شریعت کے مطابق فقہی اصول پر

حکومت قائم کرنا سٹی کانفرنس کے نزدیک محمود و مستحسن ہے۔“

اس فتوے پر پچاس سے زیادہ اہل سنت کے جلیل القدر علماء کے دستخط ہیں، جن میں سر فہرست

مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں (جانشین و فرزند امام احمد رضا بریلوی) صدر الافاضل

مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (خلیفہ امام احمد رضا) صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی

(خلیفہ امام احمد رضا) مفسر اعظم ہند مولانا محمد ابراہیم رضا خاں (جانشین و فرزند حجتہ الاسلام

مولانا حامد رضا خاں) ان کے علاوہ دارالعلوم منظر اسلام بریلی کے مدرسین مولانا تقدس علی خاں،

اہتم و محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد، صدر مدرس، مولانا سردار علی خاں، صدر مدرس

لے محمد صادق قصیری، اکابر تحریک پاکستان (نصف کتاب نہ لاپروہ) ۱۲، ص ۶۶

مولانا وقار الدین پسیلی بھیتی، مدرس۔ مولانا عبدالغفور، مدرس۔ مولانا احسان علی مظفر پوری، مدرس۔ مولانا انوار احمد، مدرس اور مولانا فضل عینی، مدرس کے دستخط ہیں۔ یہ فتویٰ بصورتِ اشتہار شاعرِ آستانہ مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری، پروفیسر، سیکرٹری ڈسٹرکٹ سٹی کانفرنس، بدایوں، یوپی نے شائع کیا۔ اس کے علاوہ ۲۹ مارچ ۱۹۴۶ء کو اخبارِ ودیہ سکندری ج ۸۴ شماره ۱۵ میں بھی یہ فتویٰ شائع ہوا۔ ۲

۲۳ تا ۲۵ صفر مطابق ۲۸ تا ۳۰ جنوری ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے عرس مبارک کے موقع پر متحدہ پاک و ہند کے اطراف و اکناف سے تشریف لائے ہوئے علماء و مشائخ جمع ہیں اور ہر شخص مسئلہ پاکستان کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ جذبات کے تلخ کایہ عالم کہ بازار میں قائم کیے جانے والے ہوٹلوں کے نام پاکستان کی نسبت سے رکھے جا رہے ہیں کسی ہوٹل کا نام حامد پاکستان ہوٹل اور کسی کا رضوی پاکستان ہوٹل، یہ فضا صرف اسی وقت قائم ہو سکتی ہے، جب کسی مطالبے کی لہزہ کس و ناکس کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہو۔

یٹیج پر جو مقرر آتا ہے، اس کا موضوع ایکشن اور پاکستان ہی ہے حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی (خلیفہ امام احمد رضا) نے اپنے خطاب میں فرمایا:

کانگریس فتنہ عظیمہ ہے، وہ ہندوستان سے مسلمانوں کے استیصال کا ارادہ کر چکی ہے..... علمائے اہل سنت مسلمانوں کو اس جال میں پھنستا دیکھ کر صبر نہیں کر سکتے، اس لیے ہم مدت سے اعلان کر رہے ہیں اور ہماری تمام سٹی کانفرنسیں جو ملک کے گوشہ گوشہ میں برسرِ صوبہ میں قائم ہیں۔ کانگریس کے مقابلہ میں پوری جدوجہد کر رہی ہیں؛ چنانچہ پچھلے ایکشن (نومبر ۱۹۴۵ء مرکزی ایکشن)

۱۷ عکس فتویٰ ۱، قادیانی مرتد (جلسہ رضا، لاہور) ص ۴۴

۱۷ عکس فتویٰ ۱، خطبات آل انڈیا سٹی کانفرنس ص ۲۲۸

۱۹۴۶ء
 میں ان کانفرنسوں کی کوششیں بہت مفید ثابت ہوئیں۔ اس وقت (فروری) میں ہونے والے صوبائی انتخابات کے لیے ہم پھر یہی اعلان کرتے ہیں۔^۱ لہ
 اس خطاب کے بعد حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے تائید کرتے ہوئے فرمایا،

”الیکشن کے معاملہ میں ہماری اجتماعی کوشش یہی ہے کہ کانگریس کو ناکام کر دیا جائے، ہم اس خدمت کو مسلمانوں کے حق میں نافع سمجھ کر رضائے الہی کے لیے انجام دیتے ہیں۔“ لہ

مفتی اعظم پاکستان

۱۹۴۶ء کے فیصلہ کن الیکشن میں حضرت مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں پٹنوی میں مسلم لیگ کے امیدوار کے حق میں سب سے پہلا ووٹ ڈالا۔ لیگی رضا کار انہیں جلوس کی شکل میں مفتی اعظم پاکستان کے نعروں لگاتے ہوئے واپس آستانہ رضویہ تک لاتے۔

حضرت مولانا تقدس علی خاں مدظلہ پیر چوکوٹ، سندھ فرماتے ہیں:

”حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز غالباً ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں جس میں کانگریس اور مسلم لیگ کا سخت مقابلہ تھا اور یہ فیصلہ ہونا تھا کہ پاکستان بنے یا نہیں؟ اس میں اول ووٹ حضرت کا ہوا، امیدوار عزیز احمد خاں ایڈووکیٹ تھے، عزیز احمد خاں مسلم لیگ کی طرف سے تھے، اور ووٹ ڈالنے کے بعد حضرت کو جلوس کی شکل میں مسلم لیگ کے رضا کار مفتی اعظم پاکستان کے نعروں کے ساتھ آستانہ شریف چوکوٹ لائے۔“ لہ

۱۔ محمد حلال الدین قادری، مولانا، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس (جوالہ بدہ سکندری) ص ۳۰-۳۱

ص ۳۱

تحریر ۲۸ فروری ۱۹۸۵ء

۲۔ ایضاً،
 مکتوب بنام ناظم المحروف،

یہ واقعہ فروری ۱۹۴۶ء کے صوبائی انتخابات کا ہے جس میں بریلی، پیلی بھیت شہری علاقے میں مولوی عزیز احمد خاں، مسلم لیگ کے امیدوار تھے، انہیں ۱۱۵۳۱ ووٹ ملے، ان کے مقابل عبداللطیف فاروقی قوم پرست تھے، جنہیں ۶۰۶ ووٹ ملے تھے، مسلم لیگ کے امیدوار بھاری اکثریت سے کامیاب ہوتے رہے۔

آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس ۱۹۴۶ء

یوں تو آل انڈیا سنی کانفرنس کی متحدہ پاک و ہند کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی کثیر التعداد شاخیں اور ان سے وابستہ ہزاروں علماء و علمائے دین نے اپنے حلقوں میں تحریک پاکستان اور اس کے مقاصد سے عوام و خواص کو روشناس کرا رہے تھے، لیکن بنارس کا اجلاس اپنی جامعیت اور شان و شوکت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا، اہل سنت و جماعت کے پانچ ہزار علماء و مشائخ اور ہر اجلاس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ حاضرین کا اجتماع، شکرکاء کے جنوں خیز جذبے اور پاکستان کے ساتھ گہرے قلبی لگاؤ کا نماز تھا۔ بلاشبہ یہ کانفرنس تحریک پاکستان کا وہ سنگ میل ہے جس کے تذکرے کے بغیر قیام پاکستان کی کوئی تاریخ مکمل نہیں کہلا سکتی۔

یہ کانفرنس ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو فاطماں باغ، بنارس میں منعقد ہوئی تھی۔ دن ہر اجلاس کی صدارت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری نے فرمائی تھی۔ اس کانفرنس میں کیننٹ مشن، مسٹر کرپس اور ان کے ساتھیوں کو بھی دعوت دی گئی تاکہ وہ پورے ملک کے نمائندہ اجتماع میں حاضر ہو کر یکجہتم خود، پاکستان سے متعلق مسلمانوں کے والہانہ جذبات کو دیکھ لیں۔ انہوں نے شمولیت کا وعدہ بھی کیا، لیکن اپنی گونا گوں مصروفیات کے سبب عین

۱۔ ولی مظہر ایڈووکیٹ

عظیم قائد عظیم تحریک (مطبوعہ طمان ۱۹۸۳ء) ج ۱، ص ۳۴۶

۲۔ غلام معین الدین نعیمی، مولانا،

حیات صدق الفاضل (مکتبہ نعیمیہ رضویہ، لاہور) ص ۱۸۹

۳۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر،

تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم ص ۳-۲۵۲

آخر وقت میں بذریعہ تار اپنی معذرت کا اظہار کر دیا۔ لے
۲۹ اپریل ۱۹۴۶ء کو صبح نو بجے سے ایک بجے دوپہر تک، منعقد ہونے والے کانفرنس

کے تیسرے اجلاس میں متفقہ طور پر یہ قرارداد منظور کی گئی:

”آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پُر زور حمایت کرتا ہے،
اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت، اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک
کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض
سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبویہ کی روشنی میں
فقہی اصول کے مطابق ہو۔ لے

اسی اجلاس میں اسلامی حکومت کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے ایک کمیٹی
تشکیل کی گئی جس میں حسب ذیل حضرات شامل تھے:

”مولانا سید محمد محدث، عظیم گجھو چھوی، مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی،
مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا عبدالمصطفیٰ میرٹھی،
مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری (یہ تمام حضرات امام احمد رضا کے مخلص ہیں)،
مولانا عبدالحامد بدایونی، دیوان سید آل رسول، اجمیر شریف۔ خواجہ قمر الدین سیالوی،
سیال شریف۔ شاہ عبدالرحمن بھہر چوٹھی شریف (سندھ)، مولانا سید امین الحسنات،
مانگی شریف (سرحد)، خان بہادر بخش مصطفیٰ اعلیٰ مدراس۔ مولانا ابوالحسنات
سید محمد احمد قادری، لاہور، لے

۲۷ اپریل ۱۹۴۶ء کو جمہوریت اسلامیہ (آل انڈیا سنی کانفرنس کا دوسرا نام) کی مجلس استقبالیہ

لے غلام مصطفیٰ الدین نعیمی، مولانا، حیات صدر الافاضل، ص ۱۸۹

لے گلشن پورٹ خطبہ صدارت، جمہوریہ اسلامیہ، مطبوعہ مراد آباد ۱۹۴۶ء، ص ۲۹

لے ریاض، ص ۲۹

کے صدر، محدثِ اعظم ہند مولانا سید محمد کچھو چھوی نے ولولہ انگیز اور انتہائی بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اس میں انہوں نے فرمایا:

”آل انڈیا سنی کانفرنس کا پاکستان ایک ایسی خود مختار آزاد حکومت ہے جس میں شریعتِ اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر کسی قوم کی نہیں، بلکہ اسلام کی حکومت ہو، جس کو مختصریوں کیسے کہ خلافتِ راشدہ کا نمونہ ہو،“

آل انڈیا سنی کانفرنس، اجمیر منعقدہ ۷-۸ جون ۱۳۶۵ھ / ۲۶-۲۷ جون ۱۹۴۶ء میں خطاب فرماتے ہوئے محدثِ اعظم ہند کچھو چھوی نے فرمایا:

”ان پاکوں کا عزم یہ ہے کہ رفتہ رفتہ ہندوستان کو پاکستان بنا کر دیکھا دینا، یہی علماء و مشائخ اور ان کے برگزیدہ عزائم اور ارادے ہیں، جس کا نام آل انڈیا سنی کانفرنس یا جمہوریتِ اسلامیہ ہے اور جس میں اس وقت تک صرف علماء و مشائخ کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہے۔۔۔۔۔ اب بخت کی لعنت چھوڑو۔۔۔ اب غفلت کے جرم سے باز آؤ۔۔۔ اٹھ پڑو۔۔۔ کھڑے ہو جاؤ۔۔۔ چلے چلو، ایک منٹ بھی نہ رکو۔۔۔ پاکستان بناؤ، تو جا کر دم لو۔۔۔ کہ یہ کام اے سنیو! سن لو کہ صرف تمہارا ہے“

آل انڈیا سنی کانفرنس کی تنظیم میں سب سے زیادہ حصہ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کا تھا۔ ان کے سوز و گداز اور حکیمانہ طریق کار کا اثر یہ تھا کہ تمام علماء و مشائخ اہل سنت کو ایک سٹیج پر لا کھڑا کیا۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی آل انڈیا سنی کانفرنس کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس کے ارکان پاکستان پر اس قدر اعتماد رکھتے تھے کہ مولانا نعیم الدین

۱۔ مختصر رپورٹ خطبہ وحدارت جمہوریہ اسلامیہ، مطبوعہ مراد آباد ۱۹۴۶ء ص ۲۳

۲۔ الخطبۃ الاشرفیۃ للجمہوریۃ الاسلامیہ (مطبوعہ مراد آباد) ص ۷-۸

مراد آبادی نے جمہوریۃ الاسلامیہ پنجاب کے آرگنائزر مولانا ابوالحسنات کو
ایک خط میں لکھا،

”جمہوریۃ الاسلامیہ کو کسی بھی صورت حال میں پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار
ہونا قبول نہیں، خواہ جناح خود اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔ کینہٹ مشن تجاویز
سے ہمارا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔“ لے

بنارس کانفرنس کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

بنارس میں ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی،
جس میں پانچ ہزار علماء نے شرکت کی اور حاضرین و مندوبین کے سامنے پاکستان
کی تہذیب و اہمیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔ جب یہ علماء اپنے اپنے
علاقوں میں واپس گئے، تو قیام پاکستان کی تحریک کو وسیع پیمانے پر پذیرائی حاصل ہوئی،
صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی مساعی کی ہمہ گیری اور سستی کانفرنس کی بے پناہ
مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس کے ممبران کی تعداد ایک کروڑ سے متجاوز
ہو چکی تھی۔

حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی زبان میں قدرت نے ایسی تاثیر رکھی تھی کہ اُن
کی گفتگو سننے والا متاثر ہوتے بغیر نہیں رہتا تھا۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی تحریکات
کے زمانے میں ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے۔ صدر الافاضل، دہلی جا کر مولانا جوہر
سے ملے اور انہیں ہندوؤں سے اتحاد کے نقصانات کی طرف توجہ دلائی، خدا کی شان کہ مولانا جوہر
نے فرمایا،

لے ریاست علی قاضی، سید

لے ایضاً

لے غلام معین الدین نعیم، مولانا، حیات صدر الافاضل ص ۱۸۸

”مولانا آپ گواہ رہیں، میں اب توبہ کرتا ہوں، آئندہ کبھی ہنود وغیر مسلموں سے اتحاد و داد نہ رکھوں گا۔ مولانا! میں نے ہندوؤں سے میل جول رکھ کر مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ دُعا فرمائیے کہ مابقی (باقی) عمر میں اس نقصان کی تلافی کر سکوں، اب میں گاندھی کے پاس جا رہا ہوں، آپ دیکھیں گے کہ میری اُس سے آخری ملاقات ہوگی۔“ لے

مولانا جوہر، گاندھی کے پاس گئے اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے چند فارمولے اُس کے سامنے رکھے، اُس نے صاف انکار کر دیا اور مولانا جوہر کو واپس آگئے اور بیزاری کا اعلان کر دیا۔ اس واقعہ کے تین ماہ بعد گول میز کانفرنس، لندن کے موقع پر ان کا وصال ہو گیا۔ مولانا شوکت علی نے خود مراد آباد جا کر صدر الافاضل کے سامنے ہنود مسلم اتحاد کے سلسلے میں سرزد ہونے والے غیر شرعی افعال و اقوال سے توبہ کی۔ لے

مولانا مفتی محمد بُرہان الحق جبل پوری، خلیفہ امام احمد رضا بریلوی نے بھی تحریک پاکستان میں نمایاں خدمات انجام دیں، ان کا بیان ہے:

”فقیر نے تعمیر پاکستان میں جو نمایاں حصہ لیا اور مسٹر جناح کے مشن کو تقویت دینے کے لیے صوبہ پنجاب، صوبہ سرحد اور صوبہ سندھ کا پورا دورہ کیا اور اس سلسلے میں جو فقیر کی تقریریں ہیں وہ ایک علیحدہ موضوع ہے جو بعونہ تعالیٰ قلم بند ہے، مگر فقیر اپنی شہرت کا نہ کبھی طالب ہوا، نہ اس کی اشاعت ضروری سمجھی۔ مسٹر جناح کے ایک شکر یہ کا خط بھی محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ میری کوششوں کو قبول فرمائے اور پاکستان کو ہر قسم کے شر و فساد و فتنہ پریشانی سے محفوظ فرمائے آمین واللہ الموفق۔“

لے غلام معین الدین نعیمی، مولانا حیات صدر الافاضل ص ۱۷۲

لے ایضاً، ” ” ص ۱۷۲-۱۷۳

لے محمد بُرہان الحق جبل پوری، مفتی، اکرام امام احمد رضا (مجلس رضا لاہور) ص ۱۱۸

نوٹ: ۲۰ دسمبر ۱۹۸۸ء کو حضرت وصال فرما گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون، ۱۲ قادری

کے علماء سے مذاکرات کیے، طے پایا کہ صدر الافاضل دستور اسلامی کا مستودہ تیار کریں، کوشش کی جائے گی کہ پاکستان کی قومی اسمبلی سے اسے منظور کرایا جائے۔ اسی اثناء میں صدر الافاضل سخت علیل ہو گئے۔ اس لیے انہیں واپس جانا پڑا۔ مراد آباد جا کر ابھی دستور کی گیارہ دفعات تحریر کر پاتے تھے کہ پیام اجل آپہنچا اور ۱۸ ذی الحجہ ۲۲ اکتوبر ۱۳۶۷ھ / ۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء کو وصال فرما گئے۔ لے

جمعیتہ العلماء پاکستان

تقسیم ملک کے بعد مارچ ۱۹۴۸ء میں مدرسہ انوار العلوم، ملتان میں علماء اہل سنت کا اجتماع ہوا، جس میں طے پایا کہ پاکستان میں سنتی کانفرنس کا نام تبدیل کر کے جمعیتہ العلماء پاکستان رکھا جائے، کیونکہ دونوں ملکوں میں سنتی کانفرنس کے نام سے کام کرنے سے مختلف دشواریاں پیش آسکتی ہیں۔

حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صاحب قادیان صدر پنجاب سنتی کانفرنس کو جمعیتہ العلماء پاکستان کا صدر اور حضرت علامہ احمد سعید کاکملی کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ لے

علامہ ابوالحسنات قادری کے بعد علامہ عبدالحماد بدایونی، صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ آلو مہاروی، علامہ عبدالغفور ہزاروی شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی یکے بعد دیگر جمعیت کے صدر رہے۔ ان دنوں قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد تورانی صدر اور مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خاں نیازی جنرل سیکریٹری ہیں۔

ص ۵۵

تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم

لے محمد مسعود احمد، ڈاکٹر

ص ۱۹۶

حیات صدر الافاضل

لے غلام معین الدین نعیمی مولانا

باب دوم

غیر مقلدین کی انگریز نوازی تاریخ کے ایلنے میں

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوارِ آہنی پہ حماقت تو دیکھتے

شیشے کے گھر

علماء اہل سنت و جماعت کا یہ طرہ امتیاز رہا ہے کہ وہ ارباب اقتدار کی چوکھٹ پر بیٹھ جاتے تو اپنے دینی منصب اور مقام کے خلاف سمجھتے ہوئے ہمیشہ اس سے مجتنب رہے۔ وہ غیر مسلم حکمران تو کجا مسلمان سلاطین اور نوابوں سے بھی تعلق خاطر رکھنے کے روادار نہ ہوئے۔ ایک دفعہ امام احمد رضا خاں بریلوی سے ریاست نانپارہ کے نواب کی شان میں قصیدہ لکھنے کی فرمائش کی گئی تو آپ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ایک نعت لکھی اور مقطع میں فرمایا

کروں مدح اہل عدول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا، میرا دین پارہ ناں نہیں

ایسے بے نفس اور سپیکر ورع و تقویٰ حضرات کا انگریزی حکومت سے راہ ورسم رکھنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خوشامد اور تعلق سے کام لینے کا کوئی انصاف پسند دیانت دار تصور بھی نہیں کر سکتا، یہی روایت آج تک جاری ہے۔

پیش نظر مقالہ میں علماء اہل حدیث کی فکری اور سیاسی تاریخ کا ایک حصہ پیش کیا گیا ہے احسان الہی ظہیر کی طرح خود ساختہ نتائج اخذ نہیں کئے گئے، بلکہ ان کی کتابوں کے اقتباسات میں دامن پیش کر دیئے گئے ہیں۔ مقام حیرت ہے کہ اتنا کمزور اور نازک ماضی رکھنے کے باوجود غیر مقلدین، علماء اہل سنت پر انگریز نوازی کا جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگاتے ہوئے نہیں شرماتے

کچھ عرصہ سے انہوں نے اتہام پروازی کی مہم چلا رکھی ہے، اس لیے انہیں آئینہ دکھانے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اس مقالہ کے مطالعہ کے بعد قارئین یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکیں گے کہ ان پر شیشے کے مکان میں بیٹھ کر کلوخ اندازی کی مثال کس قدر صحیح صادق آتی ہے۔

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوار آہنی ہے، حماقت تو دیکھتے

اہل حدیث کی وہابیت سے نفرت

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اہل حدیث آج تک وہابیت سے نفرت اور بیزاری کا اعلان کرتے رہے ہیں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے گورنمنٹ برطانیہ سے بڑی کوششوں کے بعد وہابی نام کی جگہ اہل حدیث منظور کرایا۔ ذیل کے چند اقتباسات اس حقیقت کو عیاں کرنے کے لیے کافی ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں،

”ہند کے لوگوں کو وہابیہ نجدیہ سے نسبت دینا کمال نادانی اور نہایت

بے وقوفی اور صریح غلطی ہے۔“ اے

اس الزام کو روکرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں،

”اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ قرآن و حدیث پر عامل ہیں، ان کا نام اہل سنت

و جماعت ہے نہ وہابی۔ اور ہندوستان کے اکثر مسلمان سنی مذہب رکھتے ہیں

نہ مذہب حنبلی۔ اور علماء اسلام نے جہاں تعداد بہتر فرقوں اس امت اسلام

کی لکھی ہے اور نام بنام ان کو گنا ہے، ان میں کہیں کسی جگہ کسی فرقہ کا نام وہابیہ نہیں بتلایا۔

اور یہ بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو دین قدیم اسلام میں کوئی نئی راہ و طریقہ یا جدید مذہب و فساد کی بات نکالے، اس کا نام بدعتی اور ہوائی ہے اور وہ دوزخیوں میں ہے، پھر کس طرح کوئی سچا مسلمان کسی نئے طریقے نکالے ہوئے پر چل سکتا ہے اور وہ کب کسی لقب جدید کو اپنے لیے پسند کر لے گا؟ نہ غور کیجئے نواب صاحب کتنی صراحت کے ساتھ کہہ گئے ہیں کہ وہابی نجدی سچے مسلمان نہیں، بلکہ دوزخی ہیں، اس کے علاوہ حنبلیوں کے سنی ہونے کی بھی نفی کر گئے ہیں۔

مولوی محمد حسین بٹالوی کی ادارت میں شائع ہونے والا جریدہ اشاعت السنۃ تمام اہل حدیث کا ترجمان رہا ہے، اس میں لکھا ہے:

”اہل حدیث کو وہابی کہنا لائیل (منزل حیثیت) ہے۔“

نیز لکھا:

”وہابی باغی و نمک۔ حرام۔“

غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

”وہابی کا لفظ اس لیے بھی غلط تھا کہ یہاں کے اہل حدیث کو نجد کے وہابیوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اہل نجد حنبلی ہیں۔ اہل حدیث کسی امام کے مقلد نہیں، لیکن انگریزوں نے انہیں زبردستی ”وہابی“ کہنا شروع کیا، اس کے خلاف جتنی کوششیں ہوئیں، وہ بالکل درست تھیں۔“

۱۔ صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب، ترجمانِ وہابیت، ص ۱۴
 ۲۔ اشاعت السنۃ، ج ۱۰، شماره اول، ص ۱۰ (حاشیہ)
 ۳۔ لکھ ایضاً، ج ۱۱، شماره ۰۲، ص ۳۴
 ۴۔ غلام رسول مہر، افادہ مہر (مرتبہ ڈاکٹر شیر بہادر خاں پتی)، شیخ غلام علی، لاہور، ص ۲۳۶

مگر آج کے اہل حدیث بڑے فخر سے اپنا تعلق وہابیت اور محمد بن عبدالوہاب نجدی سے جوڑ رہے ہیں، آخر کیوں؟ سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ نجدی ریالوں کی چمک دمک اپنی جانب کھینچ رہی ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ

ذرا فراہ عقیدت دیکھے، مجدد الدعوة السلفية فی شبه الجزيرة وامام
 اهل التوحيد معی السنۃ قاطع الشوک والبدعة شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب
 ایک ایک لفظ میں ریالوں کی کھنک محسوس کی جاسکتی ہے۔

شرفاوری

۶ ذیقعدہ ۱۴۰۵ھ
 ۲۶ جولائی ۱۹۸۵ء

لے نمبر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انگریزی دور — زمانہ ترقی

متحدہ پاک و ہند میں انگریز کی آمد تک تمام مسلمان سنی حنفی مسلک سے وابستہ تھے۔ سلاطین بھی اکثر و بیشتر حنفی تھے، البتہ بعض بادشاہوں نے نئی راہیں اپنانے کی کوشش کی، مگر انہیں عامۃ المسلمین کی تائید و حمایت حاصل نہ ہو سکی۔ بعض مقامات پر فقہ جعفری بروکار بھی پائے جاتے تھے۔ کہیں کہیں فقہ شافعی پر عمل کرنے والے بھی موجود تھے، باکثرت احناف ہی کی تھی۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں،

”خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے، چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں۔ اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں اور اسی مذہب کے عالم اور فاضل، قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے۔“ لے

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں،

”اور ہند کے اکثر حنفی اور بعض شیعہ اور کتر اہل حدیث ہیں۔“ لے

ترجمانِ دہلیہ، ص ۱۰

لے صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب،

ص ۷۷

لے ایضاً،

ملکہ وکٹوریہ کے جشنِ جوبلی پر غیر مقلدین کی طرف سے جو ایڈریس (سپاسنامہ) پیش کیا گیا اُس کی ایک شق یہ تھی:

”وہ خصوصیت ہے کہ یہ مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص کر اسی سلطنت میں حاصل ہے۔ بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے کہ ان کو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے۔“ لہ

مولوی محمد حسین بٹالوی، حکومت کے ”وہابی“ کی بجائے اہل حدیث پامالٹ کرنے پر شکریہ ادا کرتے ہوتے لکھتے ہیں:

”فرقہ اہل حدیث، گورنمنٹ کے اس حکم سے اپنی کامل حق رسی کا معترف ہے اور اپنے ہر دل عزیز اور مسلمانوں کے خیر خواہ و اسی لارڈ و فرین اور اپنے پیارے اور رحم دل اور فیاض لفٹیننٹ گورنر سر چارلس ایچی سن کا تہ دل سے شکر گزار ہے اور بعض و شکریہ اس احسان اور احسانات سابقہ گورنمنٹ کے (جو بشمول دیگر رعایا خصوصاً اہل اسلام اس فرقہ پر مبذول ہیں) علی الخصوص احسان آزادی مذہبی کے (جس سے یہ فرقہ عام اہل اسلام سے بڑھ کر ایک خصوصیت کے ساتھ فائدہ اٹھا رہا ہے) لہ

ایک جگہ تو پوری صراحت کے ساتھ غیر مقلدین کی آزاد روی کو انگریزی حکومت کے اشارہ ابرو کا مہیون منت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ لوگ (غیر مقلدین) اپنے دین میں وہی آزادی برتتے ہیں، جس کا اشتہار بار بار انگریزی سرکار سے جاری ہوا ہے، خصوصاً دربارِ دہلی میں جو سب درباروں کا سردار ہے۔۔۔۔۔ یہ آزادی سرکار برٹش کو یا ان کو جو اس حکومت میں اظہار

اشاعت السنۃ ج ۹ شمارہ ۷، ص ۲۰۶

لہ محمد حسین بٹالوی:

ص ۲۰۳

لہ ایضاً

اپنی آزادگی مذہبِ خاص کا کرتے ہیں، مبارک رہے۔ اب تامل کرنا چاہیے کہ
دشمن سرکار کا وہ ہوگا جو کسی قید میں اسیر (مقلد) ہے یا وہ ہوگا جو آزاد و فقیر
(غیر مقلد) ہے۔ ۱

محمد حسین بٹالوی اپنے فرقے کا تعلق تمام سلف صالحین سے قطع کر کے صرف نبی اکرم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقلد ہونا ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ فرقہ اہل حدیث بجز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی (ابوبکر، عمر فاروق،
علی مرتضیٰ، عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کسی تابعی (حسن بصری، زہری،
سعید بن المسیب وغیرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) کسی امام (ابوحنیفہ، شافعی، مالک
احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کسی صوفی (جنید بغدادی، شیخ عبدالقادر جیلانی
وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کسی مولوی زندہ یا مردہ کا محض مقلد نہیں ہے اور اسی
وجہ سے اس گروہ کا نام ان کے مخالفوں نے لاندہب و غیر مقلد رکھا ہوا ہے۔
گویا صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ وَالْأَصْرَارُ مستقیم فرسودہ ہو چکا تھا اس لیے
نئے راستے کی ضرورت پیدا ہوئی۔“

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اس فرقہ کے نو پیدا ہونے کی شہادت دیتے ہیں:

فقد نبئت في هذا الزمان فرقة ذات سمعة ورياء
تدعي لانفسها علم الحديث والقران والعمل بهما على
العلات في كل شان مع انها ليست في شئ من اهل
العلم والعمل والعرفان ۱

ترجمانِ دہلیسیہ، ص ۳

اشاعت السنہ، ج ۹، شمارہ ۳، ص ۷۲

المطبعة (اسلامی اکیڈمی، لاہور) ص ۱۵۲

۱۔ صدیق حسن خاں بھوپالی،

۲۔ محمد حسین بٹالوی،

۳۔ صدیق حسن خاں بھوپالی،

”اس زمانہ میں نمائش اور ریاکاری کا عادی فرق پیدا ہوا ہے جو اپنے علاقے
بھائیوں (احناف) کے مقابل حدیث و قرآن کے علم اور ہر معاملے میں قرآن
و حدیث پر عمل کا دعویٰ کرتا ہے، حالانکہ علم، عمل اور معرفت میں ان کا کوئی
مقام نہیں ہے۔“

میاں نذیر حسین دہلوی کے استاذ اور خسر مولانا عبدالخالق فرماتے ہیں،
”سوبانی مبانی اس طریقہ احداث (غیر مقلدین) کا عبدالحق ہے جو چند روز
سے بنارس میں رہتا ہے۔“

مولوی محمد شاہ شاہجہانپوری جو خود غیر مقلد ہیں، لکھتے ہیں،
”کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے
میں آرہے ہیں جس سے لوگ بالکل نا آشنا ہیں۔ پچھلے زمانہ میں شاذ و نادر اس
خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں، مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے،
بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔“

اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق
میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے۔“

تقلید اکثرہ اور اجماع کا انکار

ہندوستان کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت مذہب حنفی سے وابستہ تھی۔ نواب صدیق حسن
خان بھوپالی لکھتے ہیں،

مولانا عبدالخالق، مولانا،
تنبیہ الضالین (مطبع ریاض ہند، آگرہ) ص ۳
بشیر احمد قادری،
اہل حدیث اور انگریز ابو حنیفہ اکیڈمی فقیر والی، ص ۱۶-۱۵
بحوالہ الارشاد الی سبیل الرشاد، ص ۱۳

”اور ہند کے اکثر حنفی اور بعض شیعے اور کتر اہل حدیث ہیں،“ لہ
ایسے عالم میں تشکیک کی فضا قائم کرنا اور عامۃ المسلمین کو ائمہ دین کی پیروی سے منع
کرنا، وحدتِ ملی کے ختم کرنے کی جانب پہلا قدم تھا، غیر مقلدین کے پہلے امام شاہ اسماعیل دہلوی
لکھتے ہیں،

”اس زمانے میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں، کتنے پہلوں کی رسموں
کو پکڑتے ہیں۔ کتنے قطعے بزرگوں کے دیکھتے ہیں اور کتنے مولویوں کی باتوں کو جو انہوں
نے اپنے ذہن کی تیزی اجتہاد سے نکالی ہیں، سند پکڑتے ہیں اور سب سے بہتر
راہ یہ ہے کہ اللہ ورسول کے کلام کو اصل رکھتے اور اس کی سند پکڑتے،“ لہ
حالانکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ مقلدین قرآن و حدیث کے ان احکام پر عمل کرتے ہیں جو
ائمہ دین نے بیان کیے جن کے علم و فضل اور تقویٰ و دیانت پر تمام دنیا کے مسلمان متفق ہیں،
جبکہ غیر مقلدین براہِ راست قرآن و حدیث سے احکام حاصل کرنے اور اجتہاد کے مدعی ہیں،
ان غیر مقلدین کو قرآن و حدیث کے فہم میں ائمہ مجتہدین سے کیا نسبت؟ جن کی جلالت اور ثقاہت
پر دنیا کے تمام مسلمان متفق ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

فاذا كان جاهل في بلاد الهند او بلاد ما وراء النهر
وليس هناك عالم شافعي ولا مالكي ولا حنبلي ولا كتاب
من كتب هذه المذاهب وجب عليه ان يقلد لمذهب
ابي حنيفة ويحرم عليه ان يخرج من مذهب لانه حينئذ
يخلع بر بقة الشريعة ويبقى سدا مهملًا

ص ۵۷

ترجمانِ دہلی

لے صدیق حسن خان بھوپالی،

تقویۃ الایمان (اخبار محمدی دہلی) ص ۳

لے اسماعیل دہلوی،

الانصاف (مکتبہ ایشیق استانبول) ص ۲۶

لے ولی اللہ محدث دہلوی شاہ،

”جب ہند اور ماوراء النہر کے شہروں میں کوئی بے علم شخص ہو اور وہاں کوئی شافعی، مالکی اور حنبلی عالم نہ ہو اور ان مذاہب کی کوئی کتاب بھی نہ ہو تو اس پر امام ابو حنیفہ کے مذہب کی تقلید واجب ہے اور اس پر حرام ہے کہ امام کے مذہب کو ترک کرے، کیونکہ وہ اس وقت شریعت کا قلابہ (گلے سے) اتار پھینکے گا اور بے کار اور مہمل رہ جائے گا۔“

چھوٹا منہ اور بڑی بات

نواب صدیق حسن خاں اپنے زمانہ کے مدعیانِ علم کے بارے میں لکھتے ہیں،
اس سے واضح ہو جائے گا کہ عالم کون ہے اور بے علم کون؟

ان قصاری نظر ابناء هذا الزمان في علم الحديث في مشارق الانوار فان ترفعت الى مصابيح البغوى ظننت انها تصل الى درجة المحدثين وما ذاك الا لجهلهم بالحديث بل لو حفظهما عن ظهر قلب وضم اليهما من المتون مثلها لم يكن محدثا رحتى ياج الجمل في سم الخياط) وانما الذي يعده اهل الزمان بالغاً الى النهاية وينادونه محدث المحدثين وبخارى العصر من اشتغل بجامع الاصول لابن الاثير مع حفظ علوم الحديث لابن الصلاح او التقريب للنووي الا انه ليس في شيئ من رتبة المحدثين له

”علم حدیث میں ہمارے معاصرین کی نظر زیادہ سے زیادہ مشارق الانوار تک ہے اور اگر وہ امام بغوی کی مصابیح تک پہنچ جاتیں تو اس زعم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ درجہ محدثین تک پہنچ گئے ہیں، حالانکہ وہ اگر ان دونوں کتابوں کو زبانی یاد کر لیں اور ان کے علاوہ دیگر متون بھی حفظ کر لیں تو وہ محدث نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہو جائے۔ ہمارے معاصرین جسے انتہا کو پہنچا ہوا شمار کرتے ہیں اور اسے محدثوں کا محدث اور بخاری عصر کہتے ہیں وہ ہے جو ابن اثیر کی جامع الاصول (کے پڑھنے پڑھانے) میں مصروف ہو اور ابن صلاح کی علوم الحدیث یا امام نووی کی تقریب اسے یاد ہو حالانکہ اسے محدثین کا کوئی مرتبہ حاصل نہیں ہے۔“

خود نواب صاحب نے ائمہ مجتہدین کی راہ پر چلنے سے جا بجا انکار کیا ہے اور دنیا بھر کے حنفی شافعی، مالکی اور حنبلی مسلمانوں کے اجماع کو قبول کرنے سے گریز کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں،

”ہم ایک خدا کے ماننے والے اور ایک نبی برحق کی چال چلنے والے اپنے تئیں کسی اگلے بڑے اماموں کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ نہ اپنے تئیں حنفی اور شافعی کہتے ہیں اور نہ حنبلی اور مالکی کہنے سے راضی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس سے چند سطر بعد اجماع کو نظر انداز کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”اور بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم لوگ صرف کتاب و سنت (اجماع کا کوئی ذکر نہیں) کی دلیلیوں کو اپنا دستور العمل ٹھہراتے ہیں اور اگلے بڑے بڑے مجتہدوں اور عالموں کی طرف منسوب ہونے سے عار کرتے ہیں۔“ لہٰذا

ترجمانِ دہلی، ص ۱۹

لہ صدیق حسن خاں بھوپالی:

ص ۲۰

لہ ایضاً

ائمہ مجتہدین کے اجتہادات کو مکروہ فریب اور امت مسلمہ کی غالب اکثریت کو خرابیوں کے جال میں گرفتار قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اور پرظاہر ہے کہ سرچشمہ سارے جھوٹے حیلوں اور مکروں کا اور کان تمام فریبوں اور دغا بازیوں کی علم رائے (اجتہاد) ہے جو مسلمانوں میں بعدِ پیغمبر برحق کے پھیلا ہے اور مہاجال ان سب خرابیوں کا بول چال فقہار اور مقلدوں کی ہے۔“

پہنچد سطر بعد اس سے بھی آگے کی خبر دیتے ہیں اور لکھتے ہیں:

”غرض یہ کہ اگر غور سے دیکھو اور خوب خیال کرو، تو سارے عالم کا فساد اور تمام خرابیوں کی بنیاد یہی گروہ ہے جو اپنے آپ کو کسی مذہب وغیرہ کا مقلد کہتا ہے۔“
نواب وحید الزمان جو خود بھی غیر مقلد ہیں، اپنے بھائیوں کو تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،
 ”غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں، انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین اور صحابہ اور تابعین کی، قرآن کی تفسیر، صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں، حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے، اس کو بھی نہیں سنتے ہیں۔“

غیر مقلدین کی تقلید

لطف کی بات یہ کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید کو عار جاننے والے، ابن تیمیہ، ابن قیم اور قاضی شوکانی کے اقوال کے آگے مقلدانہ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ نواب وحید الزمان اس غلو

ص ۲۲

ترجمان و ماہیہ

لے صدیق حسن خاں بھوپالی،

۱۷ ایضاً،

ص ۲۲

۲۷ محمد عبدالعلیم چشتی،

حیات وحید الزمان (نور محمد کراچی) ص ۱۰۲ (جولہ وحید اللغات،
 ماہہ شتر شعب)

پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ہمارے اہل حدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی اسماعیل صاحب شہید نور اللہ مرقدہم کو دین کا ٹھیکیدار بنا رکھا ہے۔ جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا، بس اس کے پیچھے پڑ گئے، برا بھلا کہنے لگے۔“

بھائیو! ذرا تو غور کرو اور انصاف کرو، جب تم نے ابوحنیفہ اور شافعی کی تقلید چھوڑی، تو ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی جو ان سے بہت متاخر ہیں، ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟^۱

اسی لیے میاں نذیر حسین دہلوی کے استاذ اور خسر مولانا عبدالخالق لکھتے ہیں:

”جیسے یہ نئے مذہب والے (غیر مقلدین) ہیں کہ کسی مذہب کو نہیں مانتے، تو وہ مقررہ جماع امت مرحومہ کا مخالف ہے، اُس کو محمدی خالص جاننا عین ذلالت ہے۔“^۲

مولانا عبدالرحمن لکھنوی اس قسم کے نوپیدا فرقوں کے ظہور اور ان کے پیدا ہونے کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولعمری افساد هؤلاء الملاحدة و افساد اخوانهم
الاصاغر المشهورین بغیر المقلدین الذین سمو انفسهم
باهل الحدیث و شتان ما بینہم و بین اهل الحدیث
قد شاع فی جمیع بلاد الهند و بعض بلاد غیر الهند
فخریت بہ البلاد و وقع النزاع و العناد فالی اللہ

۱ حیات و حید الزمان (جوالہ وحید اللغات) ص ۱۰۲

۲ محمد عبدالحلیم چشتی،

تنبیہ الضالین (مطبع ریاض بندہ، آگرہ) ص ۳۹

عبدالخالق، مولانا،

المشتكى واليه المتضرع والملتبجى بدأ الدين
 غريبا وسيعود غريبا فطوبى للغرباء۔
 ولقد كان حدث مثل هؤلاء المفسدين والملحدین
 فی الازمنة السابقة فی ان منة السلطنة الاسلامیة
 غیر مرة ققابلتہم اساطین الملة وسلاطین الامة
 بالصوارم المنکبة واجروا علیہم الجوانم المفضیة
 فاندفعت فتنتہم بہلاکہم ولما لم یبق فی بلاد
 الہند فی اعصارنا سلطنة اسلامیة ذات شوکة
 وقوة عمت الفتن واقعت عباد اللہ فی المحن
 فاناللہ واتالیہ راجعون ہ

”معدی نچرپوں کے چھوٹے بھائی غیر متقلدین ہیں جنہوں نے اپنا نام
 اہل حدیث رکھا ہوا ہے، حالانکہ ان کے اور اہل حدیث کے درمیان زمین و
 آسمان کا فرق ہے۔ ان دونوں فرقوں کا فساد ہندوستان کے تمام شہروں اور
 بیرون ہند کے بعض شہروں میں پھیل گیا ہے، چنانچہ شہر خراب ہو گئے اور جھگڑا
 اور عناد پیدا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہی کی بارگاہ میں شکایت، عاجزی اور التجا ہے،
 دین کی ابتدا غربت میں ہوئی اور وہ پھر غریب ہو جائے گا۔ پس غربا کے لیے
 خوشخبری ہے۔“

ایسے مفسدین اور ملحدین، گزشتہ ادوار میں اسلامی سلطنت کے زمانے میں
 کئی دفعہ پیدا ہوتے رہے، ملت اسلامیہ کے سلاطین تلواروں سے ان کا
 مقابلہ کرتے رہے اور ان کے خاتمہ کے حتمی احکام صادر کرتے رہے۔ چنانچہ ان کی

لے عبدالحی لکھنوی، مولانا، الآثار المرفوعہ (مکتبہ قدوسیہ، لاہور) ص ۹۱

ہلاکت کے ساتھ ان کا فتنہ سرد ہوتا رہا اور جب ہمارے زمانے کے ہندوؤں
میں قوت و شوکت والی اسلامی سلطنت باقی نہ رہی تو فتنے عام ہو گئے اور انہوں
نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو مصیبتوں میں ڈال دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:

”راقم کو اگر کوئی طنز سے وہابی کہتا ہے تو تردید کی ضرورت نہیں سمجھتا لیکن
اگر کوئی اہل حدیث کے نام سے یاد کرے تو اس سے برأت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے
اہل حدیث سے تخریب اور گروہ بندی کی بو آتی ہے۔“

سِرْوۃِ قَلْبِیۃ

پاک و ہند میں غالب اکثریت سُنی حنفی مسلمانوں کی رہی ہے۔ غیر مقلدین ہمیشہ تعداد
میں کم رہے ہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف خود انہیں بھی رہا ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی اپنے ہم خیال علماء کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں،
”پھر خاص اپنے گروہ جو عام مسلمانوں کی نسبت ایسے ہیں جیسے آٹے میں
نمک کی قلت پر اور عام مسلمانوں کی نظروں میں ان کی حقارت اور ذلت پر
ترس کھائیں اس قلت اور ذلت کو اور نہ بڑھائیں۔“

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کہتے ہیں،

”خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا
ہے، اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں۔“
ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں،

۱۔ مسعود عالم ندوی، حاشیہ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک (ادارہ مطبوعات سلیمانی، لاہور) ص ۲۹

۲۔ اشاعت السنۃ، ج ۷، شمارہ ۱۲، ص ۳۷

۳۔ محمد حسین بٹالوی،

ص ۱۰

ترجمانِ وہابیہ

۴۔ صدیق حسن بھوپالی،

”حنفئیہ جن سے یہ ملک بالکل بھلا ہوا ہے۔“

ان کا یہ قول بھی قابل ملاحظہ ہے:

”اور ہند کے مسلمان، اکثر حنفی اور بعضے شیعہ اور کتر اہل حدیث،“

مولوی ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”امر تسری میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے،

اسی سال قبل پتے قیاس مسلمان اسی نیاں کے تھے: جن کو آج کل بریلوی

حنفی خیال کیا جاتا ہے۔“

مطرفہ تماشایہ کہ اس تمام ترقیت اور ذلت کے باوجود دنیا بھری: ایوں کا الزام

سوادِ اعظم احناف کو دینے سے باز نہیں آتے اور صاف صاف کہہ دیتے ہیں:

”اگر غور سے دیکھو اور خوب خیال کرو تو سارے عالم کا فساد اور تمام خرابیوں

کی بنیاد یہی گروہ ہے جو اپنے آپ کو کسی مذہب وغیرہ کا مقلد کہتا ہے۔“

مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان میں اسلام کی آمد سے آج تک جو جماعت غالب اکثریت

کے ساتھ موجود رہی، وہ جھوٹی ہے اور سچا فرقہ صرف وہ ہے جو انگریز کی آمد کے بعد پیدا ہوا،

فی اللعجب!

مولوی بشیر احمد قادری دیوبندی لکھتے ہیں:

”سارے عالم اسلام میں غیر مقلدین کا فرقہ باقاعدہ جماعتی رنگ میں کبھی

پہلے تھا اور نہ ہی اب موجود ہے۔ صرف ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس میں

ص ۱۵

ترجمانِ دہلی

۱۔ صدیق حسن خان بھوپالی،

۲۔ ایضاً

ص ۵۰

ص ۲۰ شمعِ توحید (مطبوعہ سرگودھا)

۳۔ ثناء اللہ امرتسری،

ص ۲۲

ترجمانِ دہلی

۴۔ صدیق حسن خان بھوپالی،

یہ فرقہ کہیں کہیں پایا جاتا ہے، لیکن ہندوستان میں انگریز کی حکمرانی سے قبل اس گروہ کا کہیں بھی نام و نشان تک نہ تھا۔ ہندوستان میں اس فرقہ کا ظہور و وجود، انگریز کی نظرِ کرم اور چشمِ التفات کا رہنِ منت ہے۔ ۱۰

فتنوں کا سرچشمہ

سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کا راستہ اور طریقہ نہ صرف صراطِ الذین انعمت علیہم کا مصداق ہے، بلکہ ان حضرات کی پیروی وہ بابرکت قلعہ ہے جس کے اندر رہنے والا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نئے نئے فتنوں سے محفوظ اور مامون رہتا ہے اور جب کوئی شخص ان حفاظتی حدود کو پھلانگ جاتا ہے تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کس گڑھے میں جا گرے گا۔

غیر مقلدین نے اتباعِ ائمہ کی رستی اپنی گردن سے کیا اتاری کہ جو شخص جس شکاری کی زد میں آیا، اسی کے جال میں گرفتار ہو گیا۔

غیر مقلد عالم قاضی عبدالاحد خاٹپوری لکھتے ہیں،

”پس اس زمانہ کے جوڑے اہل حدیث مبتدعین، منافقین، سلف صالحین جو حقیقت ماہر بہ الرسول سے جاہل ہیں، وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں، شیعہ و روافض کے، یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور بلیز کفر و نفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ و زنادقہ کا تھے اسلام کی طرف، یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانہ میں باب اور بلیز اور مدخل ہیں، ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے بعینہ مثل اہل تشیع۔“ ۱۱

محمد سعید الرحمن علوی دیوبندی لکھتے ہیں،

۱۰ بشیر احمد قادری، اہل حدیث اور انگریز (ابو حنیفہ اکیڈمی، فقیر والی)، ص ۶
۱۱ ایضاً، غیر مقلدین اپنے اکابر کی نظریں (مطبوعہ فقیر والی)، ص ۳۰

”دعویٰ تو اہل حدیث ہونے کا ہے، لیکن حالت یہ ہے کہ نہ چیریت، انکار حدیث،
 قادیانیت سمیت اکثر و بیشتر فرقوں کے بانی غیر مقلدیت کے لطن سے پیدا ہوئے۔“
 محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

”سر سید کا مذہب اسلامی دنیا کو معلوم ہے کہ عقلی تاویلات اور ملاحدیو پ
 کے خیالات تھے، چند روز انہوں نے اہل حدیث کہلا یا۔“
 نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں:

”سید احمد خاں سی ایس آئی دعویٰ وہا بیت کا کرتے ہیں۔“
 محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

”قادیان میں مرزا پیدا ہوا، تو اس کو بھی اہل حدیث کے مولوی حکیم نور الدین
 بھیروی۔ جمونی اور مولوی احسن امر وہوی بھوپالی نے ویلکم یا لبیک کہا۔
 فتنہ انکار حدیث (چکڑالوی مذہب) نے مسجد چینیا نوالی میں جو اہل حدیث
 کی مسجد ہے، بنم لیا اور چٹو و محکم الدین وغیرہ (جو اہل حدیث کہلاتے تھے) کی
 گود میں نشوونما پایا اور یہی مسجد باقی مذہب چکڑالوی کا ہیڈ کوارٹر بنا یا گیا۔“
 آج کل احسان الہی ظہیر اسی مسجد کے خطیب ہیں۔

مولوی بشیر احمد قادری دیوبندی لکھتے ہیں:
 ”اس مقصد کے لیے بھی غیر مقلدین نے اس (انگریز) کو چند نہایت موزوں
 افراد فراہم کیے۔ یہ تھے لاہور کی چینیا نوالی مسجد کے خطیب عبداللہ چکڑالوی،

۱۔ بشیر احمد قادری:	اہل حدیث اور انگریز (مقدمہ) ص ۳
۲۔ محمد حسین بٹالوی:	اشاعت السنۃ ج ۱۹، شمارہ ۸، ص ۲۵۲
۳۔ صدیق حسن بھوپالی:	ترجمان وہابیہ ص ۵۷
۴۔ محمد حسین بٹالوی:	اشاعت السنۃ، ج ۱۹، شمارہ ۸، ص ۲۵۲

احمد دین گبوی، اسلم جبراً چپوری، نیاز فتح پوری اور ان کے اتباع و اذتاب
یہ اشخاص انگریز کی آرزوؤں، خواہشوں اور تمناؤں کو عملی جامہ پہنانے کے
لیے نہایت تیزی سے آگے بڑھے اور فرقہ انکار حدیث کی بنیاد رکھی۔ لہ
مولوی بشیر احمد دیوبندی "خیر التنفید" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"جناب بٹالوی صاحب لکھتے ہیں: — پچیس برس کے

تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق ہونے
کا دعویٰ کرتے ہیں، اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں، وہ آخر اسلام کو سلام
کے بیٹھتے ہیں۔ کفر و ارتداد کے اسباب اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دیوبندوں کے
بے دین ہو جانے کے لیے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔"

علماء دیوبند — اور اہل حدیث

دیوبندی مکتب فکر کے اعتقادات میں اہل حدیث کے ساتھ متفق ہونے کے باوجود
اہل حدیث کے بارے میں تاثرات لائق مطالعہ ہیں۔

غیر مقلدی بے دینی کا دروازہ

مولوی اشرف علی تھانوی، محمد حسین بٹالوی کے بارے میں کہتے ہیں،
"مولانا موصوف غیر مقلد تھے، مگر منصف مزاج۔ حضرت (تھانوی صاحب)
نے فرمایا کہ میں نے خود ان کے رسالہ "اشاعۃ السنۃ" میں ان کا یہ مضمون دیکھا۔"

لے بشیر احمد قادری، اہل حدیث اور انگریز ص ۱۱ - ۱۰

لے ایضاً، اہل حدیث اپنے اکابر کی نظر میں ص ۳۴

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

”پچتیس سال کے تجربہ سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدی بے دینی کا دروازہ ہے“

حضرت گنگوہی نے اس قول کو سبیل السداد میں نقل کیا ہے۔ لے

تھانوی صاحب کے چند اقوال ملاحظہ ہوں :

”ارشاد فرمایا کہ غیر مقلدی بے عقلی کی دلیل ہے، بے دینی کی نہیں، ہاں جو ائمہ

مجتہدین پر تبراکرے، تو بے دینی ہے۔“ لے

بے ادب اور گستاخ

”ایسے ہی اکثر غیر مقلد ہیں حدیث کا تو نام ہی نام ہے۔ محض قیاسات ہی قیاسات ہیں، اپنے ہی مقلد ہیں، حدیث کی تو ہوا بھی نہیں لگی اور ایک چیز کا تو ان میں نام و نشان نہیں، وہ ادب ہے، نہایت ہی گستاخ اور بے ادب ہوتے ہیں جو جس کو چاہتے ہیں کہہ ڈالتے ہیں، بڑے جری ہیں اس باب میں اور بزرگوں کی شان میں گستاخی کرنے والا بڑے ہی خطرہ میں ہوتا ہے سو برناتمہ کاٹے

رخصتوں کا مجموعہ

”حضرت مولانا محمد نعیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اکثر غیر مقلدوں کے مذہب کا حاصل مجموعہ رخصتوں پر عمل کرنا ہے جس کا نتیجہ اکثر بے دینی ہے۔“

مجالس حکیم الامت (دارالاشاعت کراچی) ص ۲۴۲

ص ۲۴۲

لے محمد شفیع، مفتی :

لے ایضاً :

افاضات یومیہ (ادارۃ تالیفات اشرفیہ، ملتان) ج ۴، ص ۲۴

ج ۴، ص ۲۶۹

لے محمد اشرف علی تھانوی

لے ایضاً

غیر مقلد ہونا آسان

”غیر مقلد ہونا تو بہت آسان ہے، البتہ مقلد ہونا مشکل ہے، کیونکہ غیر مقلدی میں تو یہ ہے کہ جو جی میں آیا کر لیا، جسے چاہا بدعت کہہ دیا، جسے چاہا سنت کہہ دیا، کوئی معیار ہی نہیں، مگر مقلد ایسا نہیں کر سکتا، اس کو قدم قدم پر دیکھ بھال کرنے کی ضرورت ہے۔ بعضے آزاد غیر مقلدوں کی ایسی مثال ہے کہ جیسے سانڈ ہوتے ہیں۔ اس کھیت میں منہ مارا، اُس کھیت میں منہ مارا، نہ کوئی کھونٹا ہے نہ تھکان ہے۔“ لہ

ادب و تہذیب کے دور

اکثر بچے محبت دنیا ہیں، بزرگوں سے بدگمانی اس قدر بڑھی ہوئی ہے جس کا کوئی حد و حساب نہیں اور اس سے آگے پڑھ کر یہ ہے کہ بدزبانی تک پہنچے جوتے ہیں۔ ادب اور تہذیب ان کو چھینو بھی نہیں گئے۔ ہاں بعضے محتاط بھی ہیں۔
وقلیل ماہم لہ (اور وہ بہت تھوڑے ہیں)

نیت پر بھی شبہ

”بعضے غیر مقلدوں میں تشدد بہت ہوتا ہے۔ طبیعت میں شبہ ہوتا ہے اور مجھے تو اَلَا مَا شَارَ اللہ ان کی نیت پر بھی شبہ ہے۔ سنت سمجھ کر شاید ہی کوئی

لہ محمد اشرف علی تھانوی، اظہارِ افاداتِ یومیہ، ج ۲، ص ۲۹۴

لہ ایضاً، ج ۱، ص ۲۲۲

لہ ایضاً، ج ۱، ص ۲۲۲

عمل کرتے ہوں، مشکل ہی سا معلوم ہوتا ہے" اے

ابطالِ سنت

"آج کل کے اکثر غیر مقلدوں میں تو سوء ظن کا خاص مرض ہے۔ کسی کے ساتھ بھی حسن ظن نہیں رکھتے۔ بڑے ہی جبری ہوتے ہیں، جو جی میں آتا ہے جس کو چاہتے ہیں جو چاہیں کہہ ڈالتے ہیں۔ ایک سنت کی حمایت میں دوسری سنت کا ابطال کرنے لگتے ہیں۔" اے

فتنوں کے بانی غیر مقلدیت کے لطن سے

ہفت روزہ خدام الدین لاہور کے سابق مدیر، محمد سعید الرحمن علوی لکھتے ہیں،
"دعویٰ اہل حدیث ہونے کا ہے، لیکن حالت یہ ہے کہ نیچریت، انکارِ حدیث،
قادیانیت سمیت اکثر و بیشتر فرقوں کے بانی غیر مقلدیت کے لطن سے پیدا ہوئے۔"

انگریز کی نظرِ کرم کا رہین منت فرقہ

مولوی بشیر احمد قادری دیوبندی، مدرس مدرسہ قاسم العلوم، فقیر والی لکھتے ہیں،
"ہندوستان میں اس فرقے کا ظہور و وجود، انگریز کی نظرِ کرم اور چشم التفات
کا رہین منت ہے۔ ہندوستان میں جب انگریز نے اپنے منحوس قدم جمائے،
تو اس نے مسلمانوں میں انتشار و سفارشاتِ کفار و اوثاق اور آشتت و لامرکزیت

ج ۱، ص ۳۰۰

افاضاتِ یومیہ

۱۔ محمد اشرف علی تھانوی،

ج ۲، ص ۳۲۲

۲۔ ایضاً،

تقدیم اہل حدیث اور انگریز (ابو سعید اکیدمی فقیر والی) ص ۳

۳۔ محمد سعید الرحمن علوی،

پیدا کرنے کے لیے لڑاؤ اور حکومت کرو“ کے شاہکارانہ اصول کے تحت یہاں کے باشندگان کو مذہبی آزادی دی، کیونکہ وہ اہلسیاست تھا بنا بریں وہ بخوبی جانتا تھا کہ مذہبی آزادی خیالی ہی تمام فتنوں کا منبع، مصدر اور سرچشمہ ہے، اس مذہبی آزادی کے نتیجے میں فرقہ غیر مقلدین ظہور پذیر ہوا ہے آخر میں یہ طور خلاصہ لکھتے ہیں:

کیا وہ جماعت (جس کے بانی اور مؤسس ایسے گھناؤنے کردار اور گھٹیا ذہن کے مالک ہوں کہ جن کی ساری زندگی انگریز پرستی اور اسلام دشمنی میں گزری ہو، جن کی زندگی کا مشن اور نصب العین ہی انگریز کی وفاداری اور جان نثاری ہو، جو انگریز سرکار کے مقاصد کی تکمیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہوں) محبت وطن اور ملک و ملت کی غم خوار اور بھی خواہ ہو سکتی ہے؟ کیا ایسی جماعت صحیح اسلام کی علمبردار ہو سکتی ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔

. جب ان کے اکابر کے کردار کا یہ حال ہے، تو ان کے

اصاغر کے کردار کا اندازہ. ناظرین کرام بخوبی لگا سکتے ہیں۔

قیاس کن زنگستان من بہار مراٹھ

بے ادب اور گستاخ

آزاد روی کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اس طبقے کا رجحان خطرناک حد تک گستاخی اور بے ادبی کی طرف ہو گیا، علماء اہل سنت کے شدید محاسبے نے کسی حد تک روک تھام کی ورنہ یہ منہ زور سیلاب نہ جانے کہاں تک جا پہنچتا۔

چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

● ”غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو، جب چاہے دریافت کر لیجئے، یہ

اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔“

اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ غیب کا علم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں ہے، معاذ اللہ! وہ غیب سے جاہل رہتا ہے تا وقتیکہ اس کے جاننے کا ارادہ نہ کرے۔

● اور یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہویا چھوٹا وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے

آگے چھارے بھی زیادہ ذلیل ہے۔“

اس عبارت کو پڑھ کر بندہ مومن کی رُوح تک کانپ اٹھتی ہے؛ ”ہر مخلوق

بڑا ہویا چھوٹا“ میں تمام انبیاء، ملائکہ اور اولیاء کرام سب ہی آگئے۔ ان کے بارے میں یہ

ذلیل کلمات لکھنا کس قدر متعفن ذہنیت کا غماز ہے؛ کوئی عیسائی یہ کلمات لکھتا تو بات

سمجھ میں آسکتی تھی، مگر حیف ہے کہ یہ کلمات ایک کلمہ پڑھنے والے نے لکھے ہیں۔

● شیخ اور ان کے امثال، خواہ وہ جناب رسالت مآب ہی ہوں، کی طرف ہمت

کا لگا دینا، اپنی گائے اور گدھے کے خیال میں غرق ہونے سے بدرجہا بدتر ہے۔ (ترجمہ)

ہمیں بحث و مناظرہ سے غرض نہیں ہے۔ اگر آپ کے سینے میں دل اور دل میں نور ایمان

کی کوئی کرن موجود ہے تو انصاف و دیانت کے نام پر بتائیے کہ اس میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی توہین و تنقیص ہے یا نہیں؟ اور کیا توحید کی تکمیل کے لیے تنقیص رسالت ضروری ہے؟ ہم

اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر عرض کرتے ہیں کہ ایسی توحید شیطانی تو ہو سکتی ہے، رحمانی سرگز نہیں!

مولانا رومی اور مولانا جامی رحمہما اللہ تعالیٰ کی عظمت و ولایت کا ایک جہان معترف ہے،

۱۔ محمد اسماعیل دہلوی

تقویۃ الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص ۱۳

۲۔ ایضاً

ص ۱۵

۳۔ ایضاً

صراطِ مستقیم، فارسی (مکتبہ سلفیہ، لاہور) ص ۸۶

مگر اہل حدیث انہیں کن القاب سے یاد کرتے ہیں؟ مولوی نور محمد کی تصنیف شہباز شریعت کا مطالعہ کیجئے، وہ لکھتے ہیں،

ایہ جامی گنا سبھو کیا اندر تختے کفراں والے
جو جامی رومی دے پھلگ اوہ کافر سٹرن منہ کالے
مثنوی رومی دے وچہ جامی شارح چک پلایا
ہلکیاں کتیاں والے چکوں رکھیں شرم خدایا

یاد رہے کہ علامہ اقبال، پیر رومی کے اس قدر عقیدت مند ہیں کہ اپنے کلام میں بابجا ان کے ارشادات کا تذکرہ کرتے ہیں اور مولانا جامی کی عظمتوں کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

کشتہ انداز ملا جامیم

نظم و شراؤ عسلاج غامیم

اللہ تعالیٰ بزرگان دین کی بے ادبی اور گستاخی سے محفوظ رکھتے۔

عامۃ المسلمین کو بات بات پر مشرک قرار دینا تو اس قوم کا دل پسند مشغلہ ہے۔ ذیل کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو، کس بے دردی سے تملہ ائمہ مسلمہ کو مشرک قرار دیا ہے اور غیر شعوری طور پر اپنے آپ کو بھی اسی زمرے میں داخل کر دیا ہے۔ ایک حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں

”بچہ اللہ ایک ایسی باؤ (ہوا) بھیجے گا کہ سب اچھے بندے کہ جن کے دل میں تھوڑا

سا بھی ایمان ہوگا، مر جائیں گے کہ جن میں کچھ بھلائی نہیں یعنی اللہ کی تعظیم، نہ

رسول کی راہ پر چلنے کا شوق، بلکہ باپ دادوں کی رسموں کی سند پکڑنے لگیں گے

اسی طرح سے مشرک میں پڑ جائیں گے۔۔۔۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخر

زمانہ میں قدیم مشرک بھی راج ہوگا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے

موافق ہوا۔“ لے

ان چند حوالوں کے پیش کرنے کا مقصد اس ذہنیت کی نشان دہی کناسے جو اہل حدیث کا امتیازی وصف ہے، تفصیل کے لیے دیکھئے؛

تحقیق الفتویٰ
علامہ فضل حق خیر آبادی
اطیب البیان
مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی
الکوکتۃ الشہابیہ
امام احمد رضا بریلوی
مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان
مولانا ابوالحسن زید فاروقی دہلوی

تبدیلی عنوان

سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی نے ائمہ اربعہ کے طریقے پر چلنے کو غیر ضروری قرار دیا اور کہا کہ ان چاروں مسالک سے جو کتاب و سنت کے قریب ہو اس پر عمل کر لیا جائے اور کسی درپیش مسئلہ میں کسی بھی امام کے قول پر عمل کر لینا چاہیے۔ کسی ایک معین امام کی تقلید ضروری نہیں ہے۔ اس فرقے کا نام سید صاحب کی نسبت سے احمدی رکھا گیا۔ سید صاحب کی وفات کے بعد ان کے معتقدین میں مزید شدت پیدا ہو گئی اور انہوں نے اپنے افکار کے ساتھ ساتھ نئے نئے نام تجویز کرنا شروع کر دیئے۔ پہلے محمدی پھر موحّد اور آخر میں اہل حدیث نام تجویز کیا۔ مولوی محمد شاہ بھانپوری غیر مقلد لکھتے ہیں،

ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔ اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحّد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے

الارشاد الی سبیل الرشاد، ص ۱۳، ۲

سید محمد اسماعیل دہلوی، تقویۃ الایمان (دہلی) ص ۵۳
محمد علی قصوری، مشاہداتِ کابل و پاکستان (راغبین ترقی اردو، کراچی) ص ۱۰۶
گاہ بے گاہ، احمد قادری، غیر مقلدین اپنے اکابر کی نظریں، ص ۱۷

غیر مقلدین کے مخالفین انہیں وہابی کے نام سے یاد کرتے تھے، حکومت کے کاغذات میں بھی یہی نام استعمال ہوتا تھا۔ غیر مقلدین کے مشہور راہنما مولوی محمد حسین بٹالوی نے باقاعدہ درخواست دے کر انگریزی حکومت سے اپنا نام اہل حدیث "الاط کرایا اور حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔

مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو درخواست حکومت کو دی، اس کے چند اقتباسات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں:

● لفظ وہابی ایسے دو بڑے معنوں میں مستعمل ہے جن سے گروہ اہل حدیث کی براست و نفرت ثابت ہے۔ لہذا اہل حدیث اپنے حق میں اس لفظ کی استعمال جائز نہیں جانتے اور اس کو لائبل (مزیل حیثیت) لفظ خیال کرتے ہیں۔ جیسا کہ مومن، لفظ کافر کو یا مسلمان، لفظ حلال خور کو۔

اور اپنی مہربان گورنمنٹ اور خواص ملک سے وہ اصرار کے ساتھ یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس لفظ سے اس گروہ کو مخاطب نہ کیا کریں۔

● یہ فرقہ گورنمنٹ کا دلی خیر خواہ، گورنمنٹ سے اس درخواست کرنے کی جرات کرتا ہے کہ گورنمنٹ اپنی خیر خواہ رعایا کی نسبت ایسے لفظ کا استعمال قطعاً ترک کرے۔

یہ درخواست ۱۹ جنوری ۱۸۸۷ء کو منظور ہوئی۔ بٹالوی صاحب نے اس کا تذکرہ تمام تر ممنونیت کے ساتھ کیا، لکھتے ہیں:

اس درخواست کو ہمارے رحم دل اور فیاض لفٹیننٹ گورنر پنجاب سر چارلس لیکچی سن صاحب بہادر بالتقابہ نے معرض قبول میں جگہ دی اور بڑے زور کے ساتھ گورنمنٹ ہند کی خدمت میں اس کی قبولیت کے لیے سفارش کی۔

مسلمانوں کے حال پر رحم فرماؤ ہر دل عزیز و آسراؤ گورنر جنرل لارڈ

ڈفرن بالقابہ نے بھی سرچارلس لیکچی سن صاحب بالقابہ کی رائے زدی سے
اتفاق رائے ظاہر فرمایا اور سرکاری کاغذات میں اس لفظ کے استعمال سے
ممانعت کا حکم فرمایا۔^۱

نام کی تبدیلی کا اہم فائدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں،
منجملہ ان نتائج کے جو ۱۸۸۶ء میں ظاہر ہوئے ہیں۔ ایک عمدہ نتیجہ یہ ہے
کہ اس رسالہ (اشاعت السنۃ) نے گروہ اہل حدیث کی وفاداری گورنمنٹ پر
ثابت کر دی اور ان کے حق میں لفظ ”وہابی“ کا (جو ناواقفوں کے خیال میں ان کی
وفاداری میں شبہ انداز تھا) استعمال حکماً موقوف کر دیا۔^۲

اگست ۱۹۰۲ء میں مولوی محمد حسین بٹالوی شملہ گئے، تو رپورٹ مردم شماری میں
بعض جگہ اہل حدیث کے لیے لفظ وہابی لکھا ہوا دیکھا، چنانچہ انہوں نے سپرنٹنڈنٹ مردم شماری
پنجاب، ایچ۔ اے روز کو ایک درخواست دی، جس میں لکھا:

”ازراہ مہربانی و انصاف پروری اس نیک نیم (بدنام) کو رپورٹ میں بدل
دیا جائے۔۔۔۔ اس بُرے لقب کو اپنے حق میں کوئی اہل حدیث استعمال
نہیں کرتا۔“^۳

ایچ اے روز نے یہ درخواست اپنے سفارشی ریمارک کے ساتھ گورنمنٹ پنجاب
کو بھیج دی، پھر بٹالوی صاحب لفٹیننٹ گورنر پنجاب کو ملے اور اس معاملہ کی طرف
توجہ دلائی۔

”جس پر ہمارے بیدار مغز جزدس نامور لفٹیننٹ گورنر سرچارلس ریوڑ صاحب

^۱ محمد حسین بٹالوی، اشاعت السنۃ، ج ۹، شماره ۷، ص ۹-۱۹۷

^۲ ایضاً، ” ” ج ۱۰، شماره ۱، ص ۷

^۳ ایضاً، ” ” ج ۱۹، شماره ۹، ص ۱

بہاؤ نے حکم صادر فرمایا کہ میں کا ضابطہ ہم شہادی میں نفاذ دہاں ہو گا۔
ان کو مذہبی کر کے لڑنے کا خطاب چھپانے بائیں : نہ

ہندوستان کی برطانوی حکومت نے سٹینڈرڈ کی - ہم شہادی پوسٹ
میں اس لڑنے کا ضابطہ - طاپی کے تحت کیا ہے۔

یہیں بعد کی پہلوں میں ان کی درخواست ہاں کے ذوق ان حدیث سکھوں
کے تحت لڑنے ہیں۔

یہ نے اس ذوق کے تحت کی تفصیلات تحریر نے لڑنے کی ہے۔

اس فرقے کے پہاڑی تمام مسلمانوں کو کلمہ کہتے ہیں۔

They call the rest of the Muhammedans Mustrik

ان تفصیلات سے اس ذوق کی حکومت سے وفاداری حکومت کی نگاہ میں قدر
مذہب بعد بنامی سامہ کی شہانہ مذہب دود کا اندازہ لگانی لگا جاسکتا ہے۔

مستند خیر خواہ

نام کی اس جہلی کے فائدے ہاں آغاز سے مددنی ڈالی گئی ہے۔
اس سے زیادہ لکھا گیا ہو سکتا ہے کہ گورنمنٹ ہاں سے ایک سرکاری

نے گورنمنٹ ہاں

Report, D.C. Census Report for the Punjab. Lahore. 1881.
pp. 147-48

W. R. A Glossary of the Tribes and Castes of the
Punjab and North West Frontier Provinces. Lahore. 1878.
p. 8

Marfat.com

کرادیا کہ اہل حدیث کو وہابی کہنا لائیل (مزیل حیثیت) ہے خود گورنمنٹ پنجاب اور اس کے اعلیٰ حکام نے اپنی چٹھیوں میں اعتراف کیا ہے کہ اہل حدیث بڑش گورنمنٹ کے بدخواہ نہیں ہیں، بلکہ خیرخواہ ہیں۔ لے

اہل حدیث — اور انگریز

اس میں شک نہیں کہ غیر مقلدین سیلابت جدیدہ سے بخوبی واقف واقع ہوئے ہیں، زمانے کے نشیب و فراز اور اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے گڑ سے واقف ہیں، چاہے اس کے لیے کیسے ہی جائز اور ناجائز طریقے اختیار کرنا پڑیں۔

شاہ اسمعیل دہلوی خاندان ولی اللہی میں امتیازی شخصیت کے حامل تھے علمی ماحول میں پیدا ہوئے، پلے بڑھے اور مروجہ علوم دینیہ حاصل کیے۔ گھر سواری اور تیراکی کے خاص طور پر شائق تھے۔ مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں،

”اس کثرت سے پانی میں رہنے سے آپ کو جل مانس کا لقب دلوادیا تھا“

شاہ اسمعیل دہلوی کے مزاج میں ابتداء ہی سے آزاد روی پائی جاتی تھی۔ دہلی میں جب انہوں نے اپنے حنفی آباء و اجداد اور اساتذہ کے برعکس رفع یدین شروع کیا، تو ان کے چچا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے انہیں کہلا بھیجا کہ رفع یدین چھوڑ دو، اس سے خواہ مخواہ فتنہ پیدا ہوگا، انہوں نے جواب میں فوراً یہ حدیث پڑھ دی،

من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائتہ شہید
جو شخص میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو اپنائے اُس کے لیے سو شہید کا اجر ہے

اشاعة السننہ، جلد ۱، شماره ۱، ص ۱۰

لے محمد حسین بٹالوی

حیات طیبہ (مکتبۃ السلام، لاہور) ص ۶۱

لے مرزا حیرت دہلوی

اس پر شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے فرمایا:

”بابا ہم تو سمجھے تھے کہ اسمعیل عالم ہو گیا، مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہ

سمجھا۔ یہ حکم اس وقت ہے، جبکہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو اور مانحن فیہ

(ذریعہ بحث مسئلہ) میں سنت کا مقابل خلاف سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے،

کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے، بول ہی ارسال بھی سنت ہے۔“ ۱

اسی آزاد روی کا نتیجہ تھا کہ تقریرۃ الایمان نامی کتاب لکھی جس میں انبیاء و اولیاء کے حق

میں ایسی زبان استعمال کی گئی جو قطعاً ان کے شایان شان نہ تھی۔ عامۃ المسلمین کو بے دریغ شتر

اور اسلام سے خارج قرار دیا گیا۔ محمد اعظم بیگ لکھتے ہیں:

”اور انبیاء و اولیاء وغیرہ بزرگوں کے ذکر میں گستاخانہ کلام ہمیشہ ان سے ہوتا

ہے جو خلاف شان اس عظیم الشان گروہ کے ہے، چنانچہ تقویۃ الایمان وغیرہ

ان کے رسائلِ نظم و نثر میں بہت جگہ اشارہ اس طرف ہے اور بہت عقائد

جو مختلف فیہ ہیں، ان پر بڑے شد و مد سے یہ لوگ عوام کو ایک طرف کھینچتے ہیں اور

تقلیدِ حنفی کو پسند نہیں کرتے۔“ ۲

اس تشدد کا خود انہیں بھی احساس تھا، چنانچہ ایک مجلس میں اسمعیل دہلوی نے کہا:

”میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذراتیزالفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ

تشدد بھی ہو گیا ہے، مثلاً ان امور کو جو شرکِ خفی تھے، شرکِ جلی لکھ دیا گیا ہے۔

ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورشِ ضرور ہوگی، گو اس سے

شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔“ ۳

۱ حکایاتِ اولیاء (دارالاشاعت کراچی) ص ۱-۱۲۰

۱ اشرف علی تھانوی،

تواریخ ہزارہ (دکنور پریس، لاہور، ۱۸۷۸ء) ص ۷۳۷

۲ محمد اعظم بیگ،

ص ۲-۱۰۳

حکایاتِ اولیاء

۳ اشرف علی تھانوی،

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی بدولت وہ شورش پیدا ہوتی جو کبھی ختم نہ ہو سکی اور مسلمانوں میں ایسی فرقہ وارانہ خلیج حائل ہو گئی کہ بعد میں اس کے پاٹنے کی کوئی سبیل پیدا نہ ہو سکی، انگریز کو ایسے ہی افراد کی ضرورت تھی جو مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کر دیں اور کبھی متحد نہ ہونے دیں۔ شاطر فرنگی کی سیاست کی بنیاد ہی یہ ہے کہ ”لڑاؤ اور حکومت کرو۔“ اس مقصد کے لیے وہ لوگ قطعاً موزوں نہ تھے جو قدیم طریقوں پر سختی کے ساتھ قائم رہنے میں ہی اپنی بقا تصور کرتے ہوں۔ پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ شرک خفی کو شرک جلی قرار دینے کا اختیار کہاں سے حاصل ہو گیا، یہ تو خود شارع بننے کے مترادف ہے۔

انگریزوں نے تقویۃ الایمان کو اس قدر اہمیت دی کہ اس کا انگریزی ترجمہ کروا کر شائع کیا۔ ظاہر ہے کہ بلاوجہ اتنی اہمیت نہیں دی گئی۔ سر سید لکھتے ہیں:

”جن چودہ کتابوں کا ذکر ڈاکٹر بنٹر صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے، ان میں ساتویں کتاب ”تقویۃ الایمان“ ہے۔ چنانچہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ”رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن“ کے رسالہ (جلد ۱۳، ۱۸۵۲ء) میں چھپا تھا۔ یہ انگریزی ترجمہ منشی شہامت علی نے کیا تھا جو ۱۸۵۲ء میں لندن سے شائع ہوا۔ شہامت علی نے دہلی کالج میں انگریزی تعلیم حاصل کی اور مختلف اوقات میں انگریزوں کے ترجمان کے طبع پر کام کرتا رہا۔ خاص طور پر اس نے سرسی۔ ایم ویڈ (Wade) کے ساتھ منشی کے طور پر کام کیا تھا۔ ۲

سید احمد بریلوی ۱۲۰۱ھ / ۱۷۸۶ء میں رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں خاموشی پسند اور علم و تعلیم سے بے تعلق واقع ہوئے تھے۔ مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں:

مقالات سر سید مجلس ترقی ادب لاہور، ج ۱۹، ص ۱۷۸

۱) سید احمد خاں، سرا

ج ۹، ص ۱۳۱

ب، ایضاً

تاریخ حسن ابدال (ادارہ تحقیقات، پاکستان، لاہور)، ص ۱۲۶

۲) منظر الحق صدیقی، پروفیسر

”یہ تعجب سے نظر کیا جاتا ہے کہ بزرگ سید بچپن میں اپنے غیر معمولی سکوت کی وجہ سے پرلے درجے کا غیبی مشہور ہو گیا تھا اور لوگوں کا خیال تھا کہ اسے تعلیم دینا بے سؤ ہے، کبھی کچھ آئے جائے گا نہیں۔“ لے

”قرآن پاک پڑھنے کے بعد کریما پڑھنے کی باری آتی تو حال یہ تھا کریما کا پہلا مصرع خاصہ دعائیہ ہے، مگر یہ بھی بزرگ سید کو تین دن میں یاد ہوا تھا اس پر بھی کبھی کریما کو ٹھہول گئے، تو کبھی بر حال ما کو دل سے محو کر دیا۔“ لے

بیس سال کی عمر میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے پاس دہلی پہنچے اور دو سال اُن کے پاس رہے۔ ۲۳ سال کی عمر میں امیر خاں پنڈاری کے پاس مالوہ میں جا کر سواروں میں ملازم ہو گئے، پھر باڈی گارڈ افسر بنا دیئے گئے۔ اسی دوران انہوں نے ایک اہم کارنامہ انجام دیا اور وہ یہ کہ امیر خاں جو انگریزوں سے برسرِ پیکار رہتا تھا، اس کی صلح انگریزوں سے کروادی۔

”لارڈ ہیسٹنگ سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش

تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں

کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خاں، لارڈ ہیسٹنگ اور سید احمد صاحب —

سید احمد صاحب نے امیر خاں کو بڑی مشکل سے شیشے میں اتارا تھا۔ آپ نے

اسے یقین دلادیا تھا کہ انگریزوں سے مقابلہ کرنا اور لڑنا بھڑنا اگر تمہارے لیے

بڑا نہیں ہے، تو تمہاری اولاد کے لیے ستم قاتل کا اثر رکھتا ہے۔“ لے

ایک عرصہ بعد امیر خاں کی ملازمت ترک کر کے پھر دہلی پہنچے۔ شاہ اسماعیل دہلوی

اور مولوی عبدالحی دہلوی ایسے علماء سید صاحب کی اقتدار میں دو رکعت نماز ادا کر کے اتنا متاثر

ص ۲۸۵

حیاتِ طیبہ

لے مرزا حیرت دہلوی

ص ۲۸۶

لے ایضاً

ص ۵۱۳

لے ایضاً

ہونے کے حلقہ بیعت میں داخل ہو گئے۔ ۱۷

کیا یہ تحریک انگریز کے خلاف تھی؟

سید صاحب کی سو فیاضیہ وضع قطع اور شاہ اسماعیل کا علم اور زورِ خطابت جمع ہوئے تو ایک قیادت کا سامان فراہم ہو گیا۔ طے یہ پایا کہ جگہ جگہ وعظ کر کے سکھوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے چندہ اور افرادی قوت جمع کی جائے، چنانچہ اس پر دو گرام پر پورے زور و شور سے عمل کیا گیا۔ جہاد سے پہلے مناسب معلوم ہوا کہ حج کر لیا جائے۔ ۱۲۳۶ھ میں ایک قافلہ کے ہمراہ سفرِ حج پر روانہ ہوئے۔ ۱۷

انگریزی قلم و میں اس تمام کارروائی اور سفرِ حج کا تذکرہ کرتے ہوئے نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتے ہیں:

”ان کو فضل رسول بدایونی نے وہابی اور سرکار کا دشمن بتلایا، حالانکہ وہ کلکتہ تک گئے تھے اور ہزاروں مسلمان فوج انگریزی کے ان کے مرید ہوئے تھے، مگر انہوں نے کبھی یہ ارادہ (جہاد) ساتھ سرکار انگریزی کے ظاہر نہیں کیا اور نہ سرکار نے ان سے کچھ تعرض فرمایا، حالانکہ خاص کلکتہ سے سات سو آدمی اپنے ہمراہ لے کر حج کو گئے اور مدت دراز تک ہزاروں مریدوں کو ہمراہ لے کر ہندوستان کے شہروں میں وعظ و نصیحت کرتے پھرے۔“ ۱۷

حج کے بن زور و شور سے سکھوں سے جہاد کے وعظ کہے گئے اور روانگی سے پہلے انگریزی حکومت سے باقاعدہ اجازت حاصل کی گئی۔

۱۷ محمد علی سید:	مخزن احمدی (مطبع مفید عام، آگرہ) ص ۳۵
۱۸ مرزا حیرت دہلوی:	حیات طیبہ ص ۵۱۸
۱۹ صدیق حسن خان بھوپالی:	ترجمان دہلیہ ص ۴۵

سید صاحب نے مولانا شہید کے مشورہ سے شیخ غلام علی رئیس اللہ آباد کی معرفت لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی شمال کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پر جہاد کرنے کی تیاری کرتے ہیں۔ سرکار کو تو اس میں کچھ اعتراض نہیں ہے۔ لفٹیننٹ گورنر نے صاف لکھ دیا کہ ہماری عملداری امن میں خلل نہ پڑے، تو ہمیں آپ سے کچھ سروکار نہیں۔ نہ ہم ایسی تیاری میں مانع ہیں۔ اس وقت تک پنجاب اور موجودہ سرحد پر انگریز کا تسلط نہیں ہوا تھا۔ پنجاب سے ہری پور تک سکھوں کی حکومت تھی، ایسے میں سکھوں کے خلاف کارروائی کو انگریز ناپسندیدگی کی نگاہ سے کیوں دیکھتے؟ اس طرح تو ان کی راہ کا ایک سنگ گراں خود بخود دور ہو رہا تھا۔

سبط الحسن ضیغم لکھتے ہیں:

”تحریک مجاہدین کا قیام پنجاب کی سکھ حکومت کے خاتمے کے لیے عمل میں لایا گیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ارباب بست و کشاد بجا طور پر یہ سمجھتے تھے کہ اس تحریک سے ان کے دو مقاصد پورے ہو رہے ہیں۔ ایک یہ کہ دادی گنگ و جمن کی مسلم اشرافیہ کے ذہن نوجوان ترک وطن کر کے ان کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں اور دوسرے یہ کہ پنجابی (سکھ) حکومت کے خلاف جہاد میں مصروف ہیں، جس سے دونوں قوتیں کمزور ہو رہی ہیں۔“

ضیغم صاحب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی تصنیف ”بصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ“ ص ۲۶۸-۲۶۹ کے حوالہ سے مزید لکھتے ہیں:

اسی بنا پر کمپنی کے زیر تسلط علاقوں میں سید احمد اور شاہ اسماعیل کو کسی سہولت فراہم کی گئیں۔ انہیں نہ صرف ہر جگہ عوام سے خطاب کرنے کے مواقع فراہم کیے گئے۔ بلکہ ان کی تحریک کے لیے چندے کی فراہمی میں بھی انگریزوں نے تعاون

کیا۔ یہاں تک کہ ان مقامی ساہوکاروں پر انگریسی عدالتوں میں مقدمہ چلانے کی اجازت بھی دے دی جو اس روپے کو مجاہدین تکس پہنچانے میں کوتاہی برتتے تھے جو انہیں، اس مقصد کے لیے دیا جاتا۔ علاوہ ازیں تیل کے کارخانوں اور دوسرے کاروباری اداروں کے مقامی مزدوروں کے جہاد میں حصہ لینے کے لیے مختلف مراعات عطا کی گئیں۔ لے

اس تفصیل سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ تحریک انگریزی حکومت کے خلاف قطعاً نہ تھی، اس سے تو گورنمنٹ کے مقاصد کی تکمیل ہو رہی تھی۔ سرحدی مسلمان اگر اس قسم کے خدشات کا اظہار کرتے تھے، تو ان کو بے بنیاد نہیں کہا جاسکتا:

”خلیفہ سید احمد پر شک کرتے تھے کہ یہ شاید انگریز کے مشورہ سے واسطے فتح اس ملک کے آیا ہے، جہاد کا نام فرضی مقرر کیا ہوا ہے۔“ لے

اس تحریک کے ہندوستان میں رومی کی بابت ۱۸۲۷ء میں میٹکاف نے گورنر جنرل کو رپورٹ پیش کی، اس میں لکھا ہے:

”سید احمد، مولوی اسماعیل اور ان کے پیروکار ساتھیوں نے ہماری مسلمان رعایا کے قلب و ذہن پر ہمہ گیر تو نہیں، لیکن ایک وسیع اثر انگیزی ضرورت کی ہے رنجیت سنگھ کے زیرِ عملداری علاقوں پر ان (مجاہدین) کی حالیہ یلغار نے دہلی کی مسلم آبادی کے دلوں میں ان کی کامیابی کے لیے مضطربانہ جذبات موجزن کر دیئے ہیں، چنانچہ عام لوگوں کی کثیر تعداد اپنے گھر بار چھوڑ کر لشکر مجاہدین میں جا شامل ہوتی ہے اور فوجی ملازمین مستعفی ہو کر ان سے جاملے ہیں کہا جاتا ہے کہ شاہِ دہلی (مہار شاہ ظفر) نے لوگوں میں اس جوش و جذبہ کے فروغ کی حوصلہ افزائی کی ہے۔“

ماہنامہ المعارف، لاہور (فروری ۱۹۸۳ء) ص ۷۱

لے سبط الحسن ضیفم، سید

تاریخ ہزارہ (دکنور پریس لاہور ۱۹۸۷ء) ص ۷۵

لے محمد اعظم بیگ،

Metcalf reported the repercussions in India to the governor general in the following words: "Syed Ahmed, Maulvi Ismail, and their colleagues have established a very extensive, if not universal, influence over the minds of our Mohammedan subjects. During the period of their recent attack on Ranjit Singh's territories, the most fervent anxiety for their success pervaded the Mohammedan population of Delhi. Numbers quitted their homes and marched to join them, including some who resigned their employments in the Company's service, both the military and the civil branches, for that purpose. It is said that the King of Delhi encouraged this spirit." (PC 38 of 22.6.1827.)

اس تحریک کے بارے میں تحقیق و دیانت کا فیصلہ یہی ہے کہ یہ انگریزوں کے خلاف
ہرگز نہ تھی۔ اُردو ادب کے مشہور محقق اور سید صاحب کے عقیدت مند حافظ محمود شیرانی نے
ہنٹنر کے نقطہ نظر کی مدلل تردید ان الفاظ میں کی ہے:

"یہاں لفظ 'باغی' پر میرا اعتراض ہے۔ سید صاحب (سید احمد) کے سرحد
پہنچنے کے وقت پنجاب و سرحد میں انگریز کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پھر سید صاحب
نے انگریزوں سے کدھر بغاوت کی۔ سید صاحب کی تحریک ہندوستان میں شروع
ہوئی اور ہندوستان میں پروان چڑھی اور یہ سب کچھ انگریزوں کی آنکھوں کے سامنے
ہو رہا تھا، چونکہ تحریک سکھوں کے خلاف تھی، اس لیے کہیں نے دانستہ
اعراض کیا اور اپنے علاقے میں اس تحریک کے دبانے کی کوشش نہیں کی اس
لیے سید صاحب کو ہنٹنر کا باغی لکھنا، اس لفظ کا غلط اور جلد بازانہ استعمال ہے۔
مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں،

"یہ تمام بے ثبوت صاف اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ جہاد صرف
سکھوں سے مخصوص تھا، سرکار انگریزی سے مسلمانوں کو ہرگز مخالفت نہ تھی۔"

Khushwant Singh : History of the Sikhs, Delhi, Oxford University Press, 1977, Vol. I p. 272 F.n.

۲۷ مجلہ تحقیق، حافظ محمود شیرانی (نمبر ۳، شمارہ ۲-۳)، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۲۴۸

ص ۵۲۲

حیات طیبہ

۱۷ مرزا حیرت دہلوی،

سرسید لکھتے ہیں،

”جب صاحب کمشنر اور صاحب مجسٹریٹ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے گورنمنٹ کو اطلاع دی۔ گورنمنٹ نے ان کو صاف لکھا کہ تم کو اس معاملہ میں ہرگز دست اندازی نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ ان کا ارادہ کچھ گورنمنٹ انگریزوں کے مقاصد کے خلاف نہیں ہے۔“ لے

خط کشیدہ الفاظ خاص طور پر توجہ طلب ہیں کہ کمپنی اس تحریک کو اپنے حق میں نہ صرف بے ضرر سمجھتی تھی، بلکہ اپنے مقاصد کے مطابق قرار دیتی تھی۔

کلکتہ میں جہاد کے موضوع پر تقریر ہو رہی تھی۔ سکتوں کے مظالم بیان کیے جا رہے تھے کہ ایک شخص نے دریافت کیا آپ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ شاہ اسماعیل دہلوی نے جواب دیا:

”ان پر جہاد کسی طرح واجب نہیں ہے، ایک تو ان کی رعیت ہیں۔ دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے سادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے۔ بلکہ اگر ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔“ لے

مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں،

”ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں اور اب پھر کہتے ہیں کہ مولانا اسماعیل شہید کا جہاد سکتوں سے تھا جو مسلمانوں کے مذہب سے تعزیر کرتے تھے، نہ انگریزوں سے جن کو کسی مذہب سے

لے سید احمد خاں، سرا مقالات سرسید (مجلس ترقی ادب لاہور) ج ۱۹، ص ۱۴۲

لے مرزا جیرت دہلوی، حیات طیبہ (مطبع و نارتی، دہلی) ص ۲۹۴

نوٹ: حیات طیبہ مملوہ مورخہ میں اخفایہ خاتون کے لیے یہ عبارت حذف کر دی گئی ہے۔

آخری کچھ تو ہے جس کی پردہ ماری ہے؟ ۱۲ قادی

تعرض نہیں ہے بلکہ انگریزوں سے جہاد کرنے کو وہ برطانو جہاد کہتے تھے۔ لے
مشہور سکھ مورخ نوشونت سنگھ (Khushwant Singh) لکھتا ہے

The British government made no attempt to check this
crusade against a state with which it had signed a treaty
of friendship. ۵۲

برٹش سرکار نے جس (سکھ) ریاست کے ساتھ تحریری معاہدہ دوستی کیا تھا اس کے
خلاف ہونے والے جہاد کی راہ میں کوئی مزاحمت نہیں کی۔
مولوی حسین احمد مدنی لکھتے ہیں،

”جب سید صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے
اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کے مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی۔“
گرداب حیرت

مولوی محمد حسین بٹالوی کہتے ہیں، ”مجاہدین، انگریزوں سے جہاد کرنے کو برطانو جہاد کہتے تھے۔“
نوشونت سنگھ کہتا ہے، ”برطانوی حکومت نے دوستوں کے خلاف مجاہدین کی کاروائی پر پابندی
عائد نہ کی۔“ مدنی صاحب کہتے ہیں کہ انگریزوں نے جنگی سامان کے مہیا کرنے میں سید صاحب
کی مدد کی۔ ”مقام حیرت ہے کہ آخری جنگ میں ایک انگریز — ایگزیکٹو گارڈز بھی
مجاہدین کے شانہ بشانہ لڑ رہا تھا اور صرف شریک ہی نہیں، بلکہ ایک دستے کا کمانڈر بھی تھا۔
اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انگریزوں نے مجاہدین کو کس حد تک امداد فراہم کی تھی اور اس

۱۔ محمد حسین بٹالوی۔ اشاعت السنۃ، ج ۹، شمارہ ۲، ص ۲۹
۲۔ Khushwant Singh : History of the Sikhs, Dethi, 1977, Vol. I.
p. 271.

نقش حیات (بیت التوحید، کراچی) ج ۲، ص ۱۹

محمد حسین احمد مدنی:

پروپیگنڈے کی حقیقت بھی بے نقاب ہوجاتی ہے۔ اس تحریک کا اصل مقصد اٹھریزی حکومت کا خاتمہ تھا۔ گارڈنز، سید صاحب تک کس طرح پہنچا؟ اس کی تفصیل خود اُس نے بیان کی ہے۔

”امیر (والی کابل، دوست محمد خاں) نے مالِ غنیمت کو تو بخوشی منظور کیا، لیکن موٹے جھوٹے لباس والے اہل سیف کے لشکر کو (اپنی ملازمت میں) قبول نہ کیا، یہ لوگ اپنے بر خود غلط اعتماد سے پشیمان اور پریشان ہو کر علاقہ جات باجوڑ کی طرف روانہ ہوئے، وہاں انہیں میر عالم خاں نے اپنی ملازمت میں (سید احمد غازی کی امداد کے لیے) بھرتی کر لیا۔“

سید صاحب اُس وقت سکھوں کے خلاف اپنی آخری لڑائی لڑ رہے تھے۔ مذکورہ لشکر کی نفری دو سو پچاس تک کیسے پہنچ گئی؟ یہ امر واضح نہیں ہوتا۔

جو نہی گارڈنز، سید صاحب کی صف آرائی کے مقام پر پہنچا، اُس نے وتورہ کے ماتحتوں ان کی شکست و سزیمت کا نظارہ کیا، چنانچہ طالع آزما (گارڈنز) نے کسی معرکہ کے بغیر لوٹ مار کے مال سے اپنا حصہ وصول کیا اور اپنے (زیر کمان) فوجیوں کو برہاست کرتے ہوئے انہیں واپسی کا حکم دیا، اسے مالِ غنیمت کی یافتہ کن ذرائع سے اور کس طور ہوئی؟ یہ امر واضح نہیں۔

اے جنرل وینٹورا (Ventura) وہ پہلا غیر ملکی جنرل تھا جس نے رنجیت سنگھ کی

فوج کو مغربی طرز پر تربیت دی۔ وہ ایک اتالوی تھا جو نپولین کی فوج میں جنرل رہ چکا تھا۔

وہ ۱۸۲۲ء میں لاہور پہنچا، اسے رنجیت سنگھ نے ملازم رکھ لیا، بہت بڑی تنخواہ اور جاگیریں

دیں اور بڑی بڑی مہمات اس کے سپرد کی گئیں۔ ۱۸۳۱ء میں (مجاہدین کے خلاف)

جو مہمات روانہ کی گئیں، یہ اُن میں بھی شریک تھا، پھر اسے لاہور کا قاضی اور گورنر بنا دیا گیا

۱۸۵۸ء میں فوت ہوا۔

Buckland, C. E. : Dictionary of Indian Biography, Lahore,

1975 pp. 435-6.

اصل عبارت یہ ہے:

The Amir gracefully accepted the booty, but declined the swords of "the men in buckram," who, doubtlessly repenting of their misplaced confidence, drifted into the Bajour country, and accepted service with Mir Alam Khan, who hired the band, swollen in some unexplained manner to 250 men, to Syad Ahmad Ghazi, then making his last stand against the Sikhs. Gardiner reached the Syad just in time to see him routed by Ventura, whereupon the adventurer retired, and sharing out the booty, dismissed his band. Where this booty came from is also unexplained.

اس تحریک کا مطالعہ کرنے والا یہ معلوم کرنے کی حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ یہ تحریک جو سکھوں کے خلاف تھی، اس کا ابتدائی تصادم مسلمانوں سے ہوا۔

"سید صاحب نے پہلا جہاد مسیحی یا محمد خاں حاکم یاغستان سے کیا تھا۔"

۱۸۳۰ء کا واقعہ ہے، اس کے بعد پائندہ خان کو دعوت دی کہ سید صاحب

کے ہاتھ پر بیعت کر لو، وہ بیعت پر آمادہ نہ ہوا، تو اس پر کفر کا فتویٰ لگا کر اس پر چڑھائی کر دی۔ پائندہ خاں جو تمام زندگی سکھوں کے خلاف برسرِ پیکار رہا، اُس نے وقتی طور پر

سکھوں سے صلح کر لی اور اپنا بیٹا جہاں داد خاں بہ طور ضمانت گروی رکھ کر دو پلٹن فوج

حاصل کی۔۔۔ اور مجاہدین سے اپنا علاقہ خالی کر لیا، بعد میں سکھوں کے ساتھ پائندہ خاں

کی جنگیں بدستور ہوتی رہیں۔۔۔

Grey : European Adventurers in Northern India, Lahore, 1929, pp. 274.

تذکرۃ الرشید (مکتبہ بحرالعلوم، کراچی) ج ۲، ص ۲۷

تاریخ تناویلیاں، تالیف ۱۸۷۵ء (مکتبہ قادریہ لاہور) ص ۵۲-۹

۱۔ عاشق الہی میرٹھی،

۲۔ مراد علی، سیدنا

ایگز نڈر گارڈنز، جو بعد میں پنجاب آرمی میں کرنل کے عہدے پر فائز ہوا اور مجاہدین کی معیت میں تھا، اس نے اس لڑائی کا چشم دید بیان ان الفاظ میں کیا ہے:

”سید احمد اور مولوی عبدالحی اپنے بقیۃ السیف ہندوستانی پیروکاروں کی ہماری میں سکھ فوج کے جنونی اکالیوں کا مقابلہ دست بدست جنگ میں نہایت لمبائی سے کر رہے تھے، انہیں اچانک یہ صورت پیش آئی کہ وہ اپنے لشکروں کی مجموعی قوت بازو سے کٹ کر رہ گئے۔ سید صاحب کا بڑا لشکر جو ان سے فاصلے پر تھا اپنے قائد کے بغیر کسی اچھی جنگی مہارت کا مظاہرہ نہ کر پایا، جو نہی میری نظر سید احمد اور مولوی عبدالحی کی جانب اٹھی، تو میں نے دیکھا کہ انہیں سینکڑوں ہتھیاروں سے چھید ڈالا گیا تھا۔ ان دونوں قائدین کے ارد گرد جتنے لوگ تھے، ایک ایک کر کے قتل ہوئے (اور سید صاحب کی فوج کا بڑا حصہ اطراف و جوانب میں تہتر تہتر ہو گیا) جس دم سید صاحب زخمی ہو کر گرے تو میرا ان سے صرف چند سو گز کا فاصلہ تھا، میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی فرشتہ نازل ہوا ہو اور ہوشوں کو بہشت کی طرف اٹھا کر لے گیا ہو، اگرچہ ان کے بہت سے مریدوں نے بعد میں اپنی یادداشت سے یہ بیان کیا کہ انہوں نے حقیقتاً اس کا مشاہدہ کیا تھا۔“

اصل عبارت ملاحظہ ہو:

Alexander Gardner, who later became a colonel in the Punjab army and was with the crusaders at the time, gave an account of this skirmish in the following words:

لہذا اس وضاحت میں خوشنونت سکھ کو مخالفہ واقع ہوا ہے، مولوی سے گارڈنز کی مراد مولوی محمد اسماعیل دہلوی ہے۔ مولوی عبدالحی تو اس واقعہ سے پہلے ۱۲۲۳ھ / ۱۸۲۸ء کو فوت ہو گئے تھے (ملاحظہ ہو: حیات سہیا احمد شہید، محمد جعفر تھانوی، مطبوعہ نعیمی، کراچی، ص ۷ - ۲۳۶)

'Syed Ahmed and the Maulvi (Abdul Haye), surrounded by his surviving Indian followers, were fighting desperately hand to hand with the equally fanatical Akalis of the Sikh army. They had been taken by surprise and isolated from the main body of the Syed's forces, which fought very badly without their leader. Even as I caught sight of the Syed and Maulvi they fell pierced by a hundred weapons. Those around them were slain to a man, and the main body dispersed in every direction. . . . I was literally within a few hundred yards of the Syed when he fell, but I did not see the angel descend and carry him off to paradise, although many of his followers remembered afterwards that they had seen it distinctly enough.*

* *Memoirs of the Maharaja of Gwalior*, pp. 171-2

گارڈنز کون تھا؟

اس کا مختصر تعارف یہ ہے کہ وہ ایک مہم جو تھا۔ امریکہ میں ۱۸۵۷ء میں ایک ڈاکٹر کے ہاں پیدا ہوا۔ ۱۸۱۲ء میں مصر اور ایران پر تاجہ افغانستان پہنچا اور امیر دوست محمد خان والی افغانستان کے بھتیجے امیر حبیب اللہ خان کے ہاں ملازم ہوا، وہ چونکہ افغانستان کے سیاسی معاملات میں ملوث تھا، اس لیے قندھار میں گرفتار ہوا اور نو ماہ قید رہا۔ وہ موجودہ صوبہ سرحد میں اُس وقت پہنچا جب "مجاہدین" سیکھوں پر آخری حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، اُس نے اپنے آپ کو سید احمد بریلوی کے سامنے پیش کیا اور مجاہدین میں شامل ہو گیا، "مجاہدین" کی شکست کے بعد وہ رنجیت سنگھ کی فوج میں کرنل آف آرٹلری بنا دیا گیا۔ اُس نے رنجیت سنگھ کی موت ۱۸۳۹ء تک اُس کے لیے مہمات میں اہم خدمات انجام دیں۔ ۱۸۴۶ء میں گلاب سنگھ والی جموں و کشمیر کا ملازم ہو گیا اور اپنی موت ۱۸۷۷ء تک اسی خدمت پر مامور رہا۔ وہ سیالکوٹ میں دفن کیا گیا۔

تفصیل کے لیے دیکھئے،

Buckland, C. E. : *Dictionary of Indian Biography*, Lahore, 1975. p. 159

Khushwant Singh : *Ranjit Singh*, London, G. Allen, 1952, pp. 164-65.

Grey, C. European Adventurers of Northern India, ed. by
Garrett, Lahore, 1929, p. 274, 265-291

Khushwant Singh & Ranjit Singh, London, 1962, p. 164

انوکھا معیار تحقیق

اس جماعت کے کارناموں کو منظرِ عام پر لانے میں مشہور مورخ غلام رسول مہر کا بڑا حصہ ہے۔ انہوں نے تاریخ کی بنیاد حقائق پر رکھنے کی بجائے عقیدت پر رکھی ہے، خود ان کا بیان ہے:

”میں مجاہدین کی شان و آبرو بہر حال قائم رکھنے کا قائل ہوں۔ اگرچہ وہ بعض سابقہ بیانات یا توجیہات سے عین مطابق نہ ہو۔“ لے

اب اگر کوئی شخص خالص تاریخی نکتہ نگاہ سے حقائق سے آگاہی حاصل کرنا چاہے، تو اسے اصل ماخذ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ عقیدے اور عقیدت کے بنیاد پر تاریخ لکھنے والوں سے اطمینان مینستر نہ ہو سکے گا۔

مقصد ”جہاد“

کسی بھی کام کی خوبی یا خرابی میں اس کے مقصد کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ سید صاحب کی تحریک کا تمام تر رخ سکھوں کی طرف تھا یا سرحدی مسلمانوں کی طرف؟ انگریزوں کی طرف ہرگز نہ تھا جیسا کہ اس سے پہلے باوجود کہا گیا۔ اس تحریک کے مقصد کا ایک دوسرا پہلو بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے۔ مولوی سین احمد مدنی لکھتے ہیں:

”سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط و اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے، اس بنا پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو شرکت کی دعوت دی اور اس میں صاف صاف انہیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پرہیزی لوگوں کا اقتدار ختم کر دینا ہے۔ اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی؟“ اس سے آپ کو غرض نہیں ہے۔ جو لوگ حکومت کے اہل

افادات مہر شیخ غلام علی لاہور، ص ۲-۲۳۱

ڈاکٹر،

ہوں گے۔ ہندوہوں یا مسلمان یا پولاد حکومت کریں گے۔ لے

اس پر علامہ ارشد القادری نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا:

”آپ ہی انصاف سے بتائیے کہ مذکورہ حوالہ کی روشنی میں سید صاحب کے اس لشکر کے متعلق سوا اس کے اور کیا رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ وہ ٹھیک انڈین نیشنل کانگریس کے رضا کاروں کا ایک دستہ تھا جو ہندوستان میں سیکولر اسٹیٹ (لا دینی حکومت) قائم کرنے کے لیے اٹھا تھا۔“ لے

زلزلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے عامر عثمانی، ایڈیٹر ماہنامہ تجلی، دیوبند نے علامہ ارشد القادری کے اس تبصرہ پر داد دینے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا۔ وہ بے طوراً اعتراض حقیقت لکھتے ہیں:

”ہم کتنی ہی پابنداری سے کام لیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس ریمارک میں مظاہر لکھی ہے، لیکن معنوی اور منطقی اعتبار سے بھی اس میں کوئی نقص ہے؟ کوئی افتراء ہے؟ کوئی زیادتی ہے؟

کوئی شک نہیں اگر استاد محترم حضرت مدنی کے ارشاد گرامی کو درست مان لیا جائے، تو حضرت اسمعیل کی شہادت محض افسانہ بن جاتی ہے۔ مادی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے غیر ملکی حکومت کے خاتمے کی کوشش کرنا ذرا بھی مقدس نصب العین نہیں، اس نصب العین میں کافر و مومن سب یکساں ہیں، اس طرح کی کوشش کے دوران مارا جانا اس شہادت سے بھلا کیا تعلق رکھے گا جو اسلام کی ایک معزز ترین اور مخصوص اصطلاح ہے اور اس طرح کی کوششوں کے نتیجہ میں قید و بند کی مصیبتیں اٹھانا اجرِ آخرت کا موجب کیوں ہوگا؟

لے حسین احمد مدنی، نقش حیات ج ۲، ص ۱۹

لے ارشد القادری، علامہ، زلزلہ (مکتبہ نبویہ، لاہور) ص ۱۰۰

لے عامر عثمانی، (تبصرو) زلزلہ ص ۱۸۷

یکسی بریلوی کے رشحاتِ قلم نہیں ہیں، جنہیں تعصبِ قرار دے کر رد کر دیا جائے، یہ ان کے ایک عقیدت مند کا اعتراف ہے جو بے ساختہ صفحہ قرطاس پر منتقل ہو گیا ہے۔ دراصل اختلاف عقائد کے سبب، سید صاحب عامۃ المسلمین کو منافق قرار دیتے تھے اور ان کا خاتمہ بھی تحریک کے مقاصد میں اہم مقصد کی حیثیت رکھتا تھا۔ کون نہیں جانتا کہ سرحد اور افغانستان کے مسلمان کٹر سنی حنفی تھے۔ ان کے بارے میں سید صاحب، رئیسِ فتاویٰ خان خاناں خلیجانی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”جناب والا! خود غزنین کے نواح میں منافقین پر چھاپے مارنا شروع کر دیں۔۔۔۔۔ اور میں بھی ادھر سے پشاور کے منافقوں کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جب منافقین بدکار کی موجودگی سے وہ مقام پاک ہو جائے تو میں جلال آباد پہنچ جاؤں گا اور اسی طرح پھر وہاں سے کابل جاؤں گا۔ اس طرح مردود منافقین جو پشاور سے قذحاک تک پھیلے ہوئے ہیں، ان کے پاؤں ایسے اکھڑ جائیں گے۔“

یہ کون سے لوگ ہیں جنہیں منافقین کہا جا رہا ہے اور جن کے استیصال کے لیے لمبے چوڑے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ سر سید کی زبانی سنئے:

”مجھ کو صد ہا پہاڑی لوگوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، لیکن میری نظر سے آج تک کوئی پہاڑی پٹھان ایسا نہیں گزرا جو سوائے حنفی مذہب کے اور کسی مذہب کا پیرو ہو یا وہابیت کی جانب ذرا بھی میلان رکھتا ہو۔“

تاریخ بنانے والے اہل قلم، سرحدی پٹھانوں کو غدار قرار دیتے ہوئے یہ نہیں سوچتے کہ نظریاتی اور اعتقادی اختلاف کو برداشت کرنے کی بجائے جب تشدد کی راہ اختیار کی گئی، سید سے سادے مسلمان پٹھانوں کو منافق قرار دیا گیا، ان کے خلاف میدان کارزار گرم کیا گیا،

۱۔ محمد حنفی تھانوی: مکتوبات سید احمد شہید (نفیس اکیڈمی، کراچی) ص ۴۸

۲۔ سید احمد خاں، سرو مقالات سر سید (مجلس ترقی ادب، لاہور) ج ۹ ص ۱۳۹

ان پر چھاپے مارے گئے، ان کی بیوہ خواتین سے شہر خرابی کی توقع کس طرح کی جاسکتی تھی؟ وہ بجا طور پر مجاہدین کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھا سکتے تھے۔

”ان کی سختیاں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں اور بعض اوقات بیوہ خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے نکاح کر لیں۔ اکثر بیواتیں جو بعض حالات میں نکاح ثانی کرنا پسند نہ کرتیں، زبردستی مسجد میں لے جا کر نکاح پڑھا جاتا۔ ان پاکباز مجاہدین سے اگر کوئی ناجائز فعل سرزد نہ بھی ہوتا، تو ان کا یہ کام کہ رانڈ بیوہ کی عدت گزر جانے پر ان کا نکاح جبراً کر دینا خواہ ان کی مرضی نہ بھی ہو، ان کو بدنام کرنے کے لیے کافی تھا۔“ لے

پھر پٹھانوں پر اپنے مذہبی عقائد ٹھونسنے کی بھی کوشش کی گئی جس میں کامیابی نہ ہو سکی۔ ”پہاڑی قومیں ان کے عقائد کے مخالف تھیں، اس لیے وہابی ان پہاڑیوں کو ہرگز اس بات پر راضی نہ کر سکے کہ وہ ان کے مسائل کو بھی اچھا سمجھتے۔“ لے

اس نشہ و کا نتیجہ سولے تباہی کے کچھ نہ نکلا۔
”چونکہ یہ قوم مذہبی مخالفت میں نہایت سخت ہے، اس سبب سے اس قوم نے اخیر میں وہابیوں سے دغا کر کے سکھوں سے اتفاق کر لیا اور مولوی محمد اسماعیل صاحب اور سید احمد صاحب کو شہید کر دیا۔“ لے

اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ مفید رہے گا،
۱- سید احمد شہید کی صحیح تصویر وحید احمد مسعود بدایونی
۲- امتیاز حق راجا غلام محمد

حیات طیبہ (مطبوعہ لاہور) ص ۳۵۵

لے مرزا حیرت دہلوی،

مقالات سرسید، ج ۹، ص ۴۰-۱۳۹

لے سید احمد خان، سرا

ص ۱۴۰

لے ایضاً

۳۔ حقائق تحریکِ بالاکوٹ

شاہ حسین گردیزی

۴۔ تاریخ تناولیاں

سید مراد علی

۵۔ حقیقت افسانہ چراہ

سید محمد تقی

واقعہ بالاکوٹ کے بعد

اس واقعہ کے بعد مجاہدین کی قیادت صادق پور کے علماء کے ہاتھ آئی، مولوی عنایت علی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ راجہ کلاب سنگھ والی کشمیر سے برسرِ پیکار رہے۔ ان کے بڑے بھائی اور سید صاحب کے خلیفہ مولوی ولایت علی اس علاقہ میں پہنچے، تو قیادت ان کے سپرد کر دی گئی۔ اواخر ۱۸۴۹ء میں انگریزی تسلط پنجاب کو لپیٹ میں لے کر صوبہ سرحد تک پہنچ چکا تھا، طرزی جو اس سے پہلے اس تحریک کے پینے کے مواقع فراہم کرتا رہا تھا۔ پنجاب سے سکھوں کا کانٹا نکل جانے پر اس نے مجاہدین کو مزید کاروائی سے منع کر دیا، کیونکہ اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں،

”کہنا یہ ہے اور صاف صاف کہ جب تک مجاہدین سکھوں سے اُلجھے رہے، کمپنی کی حکومت خاموش اور غیر جانبدار رہی، سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے، پرتروں نے نجد میں عمل کیا تھا، ان کے اُستادوں نے اس فارمولے پر یہاں عمل کیا۔ مقصود یہ تھا کہ مجاہدین اور سکھوں کی آویزش میں سرکارِ عالی کا کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہو رہے گا، لیکن جو نہی پنجاب کا الحاق عمل میں آیا (۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء/۱۸۶۱ء) کمپنی اور سرکار کی نظر میں مجاہدین سے بُرا کوئی نہیں تھا۔“ لے

عبدالرحیم عظیم آبادی لکھتے ہیں،

”اس اثناء میں ملک پنجاب، گورنمنٹ برطانیہ کے تصرف میں آ گیا تھا، جب

۱۔ مسعود عالم ندوی، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص ۱۱۳

گلاب سنگھ کا اکثر ملک مجاہدین کے قبضے میں آ گیا اور وہ تاب مقابلہ کی نہ لاسکا۔
 مایوس ہو کر سرکارِ انگریزی سے اعانت کا خواہاں ہوا۔

اس وقت گورنمنٹ انگریزی نے ایک خط بنام مولوی ولایت علی و مولوی
 عنایت علی علیہما الرحمۃ کے لکھا کہ گلاب سنگھ نے سرکارِ انگریزی سے معاہدہ کیا
 ہے اور بموجب اس معاہدہ کے اب وہ گورنمنٹ کی حمایت میں ہے۔ اس سے
 لڑنا عین گورنمنٹ سے لڑنا ہے، لہذا تم کو چاہیے کہ اب اس سے مت لڑو۔
 تب بڑے حضرت (مولوی ولایت علی) نے اس ملک کو چھوڑ کر سوات کے ملک میں بلایا جا
 بالا کوٹ سے سوات جاتے ہوئے راستہ میں انگریزی فوج نے گھیر لیا۔ اس کے بعد
 تفصیل مولوی عبدالرحیم عظیم آبادی کی زبانی سنئے،

اس وقت مجاہدین و جملہ فوج لڑنے کو تیار تھی مگر جناب مولانا (ولایت علی)
 نے اپنی عادل گورنمنٹ سے لڑنا مصلحت نہ سمجھ کر اطاعتِ افسرانِ انگریزی کر لی۔
 ان افسروں نے مولانا کو بجائے جانے سوات کے مع لشکر طرف لاہور کے
 روانہ کر دیا۔ یہ دونوں حضرات مع فوج و توپ خانہ وغیرہ سامان جنگ زیرِ نگرانی
 افواجِ انگریزی لاہور میں پہنچے۔ ان ایام میں جان لارنس صاحب بہادر چیف کمانڈر
 پنجاب کے تھے، صاحب بہادر استقبال کر کے مولوی صاحب کو لاہور میں لائے
 اور بعد ہیئت گفتگو کے یہ بات قرار پائی کہ یہ دونوں حضرات مع ہندوستانی مجاہدین
 کے اپنے وطن کو واپس جائیں اور کل اسلحہ مع توپ خانہ گورنمنٹ کے ہاتھ فروخت
 کر کے اس کی قیمت سے فوج کی بقایا تنخواہ دے کر برخواست کر دیں، اس وقت
 صرف پانچ سو مجاہدین آپ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ سر جان لارنس صاحب بہادر
 نے گورنمنٹ کی طرف سے مع کل مجاہدین کے آپ کی دعوت کی دوسرے روز صاحب

تذکرہ صادقہ (ہادی المطابع، کلکتہ، بار اول) ص ۱۰۰

عبدالرحیم عظیم آبادی

ممدوں نے خود اپنے پنج سے دعوت دی۔ تیسرے روز مولوی رجب علی صاحب نے جو میرمنشی کمشنری پنجاب کے تھے، دعوت کی۔

بعد اس کے یہ لوگ بہ اعزاز و اکرام تمام حلیٰ مراحل کرتے ہوئے مع فوج مجاہدین پٹنہ پہنچے۔ پھر آپ وہاں سے رخصت ہو کر اپنے مکان پر تشریف لائے اور بدستور سابق و عطا و نصائح و مراقبہ و مشاہدہ میں مصروف ہوئے۔ اس طویل اقتباس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ تحریک جو سرحد کے سکھوں اور وہاں کے مسلمانوں کے خلاف چلائی گئی تھی، اپنے منطقی انجام کو پہنچ کر ختم ہو گئی تھی۔ چند سال بعد مولوی ولایت علی اور عنایت علی وغیرہ اپنی جائدادیں فروخت کر کے ستھانہ (سرحد) چلے گئے اور وہیں گوشہ نشین ہو کر درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ لے ستھانہ اور سوات میں یہ لوگ کافی تعداد میں موجود تھے۔ ان کے نام ہندوستان سے مالی امداد اور متعلقین کی آمدورفت جاری رہتی تھی۔ انگریزوں نے جب سرحد میں اپنا تسلط جمانا چاہا، تو اس امداد کے سلسلے کو سختی سے بند کر دیا، ممانعت کے باوجود جن لوگوں نے یہ سلسلہ جاری رکھا، ان پر مقدمات چلائے گئے اور انہیں کڑی سزائیں دی گئیں۔ اس معاملہ میں صادق پور کے علماء، سر فہرست تھے۔ یہ کہنا قطعاً درست نہیں ہے کہ ان حضرات نے انگریزوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا تھا، اس لیے انہیں نشانہ بستم بننا پڑا۔

سید طفیل احمد منگلوری جو سید صاحب کی تحریک کے دل و جان سے مداح ہیں، لکھتے ہیں،
 ”یہ معاملہ متعدد بار گورنمنٹ ہند کے علم میں مقامی حکام کی طرف سے لایا گیا،
 جس پر کوئی باز پرس نہ کی گئی اور صرف نگرانی کا حکم دیا گیا۔“

مگر ۱۸۶۲ء میں جب گورنمنٹ ہند نے سرحد میں پیش قدمی شروع کی، تب اس

امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہندوستان تھے سرحد کے تعلقات بالکل قطع کر دیئے جائیں، چنانچہ ۱۸۶۲ء سے ۱۸۶۷ء تک سرحدی محاربات کے دوران میں باشندگان ہند پر یکے بعد دیگرے پانچ مقدماتِ بغاوت چلائے گئے۔ ان مقدمات میں سب سے بڑے ملزمان پٹنہ کے خاندان کے لوگ اور ان کے مریدین و معتقدین تھے مولوی ولایت علی کے بڑے صاحبزادے مولوی عبداللہ اپنے والد کے ساتھ ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔ ان کے حقیقی چچا زاد بھائی مولوی عبدالرحیم اور آخراذکر کے حقیقی ماموں مولوی یحییٰ علی اور مولوی احمد اللہ سب کے سب ۱۸۶۲ء میں اس جرم میں مانوڑ ہوئے کہ انہوں نے اپنے عزیزوں سے خط و کتابت رکھی اور انہیں مالی امداد بھیجی، حالانکہ یہ سلسلہ ۱۸۲۷ء سے جاری تھا جبکہ حکام گورنمنٹ خود مجاہدین کی ہینڈل کیوں کاروبار نہیں وصول کر دیتے تھے۔ مولوی عبداللہ اور مولوی یحییٰ علی پٹنہ کے بڑے روسا میں سے تھے اور اول الذکر مولوی عبداللہ گورنمنٹ کے مسلم خیر خواہ تھے۔

۱۸۲۴ء اور اس کے بعد عرصہ تک سرحد پر منتقل کرنے پر انگریز نے کوئی پابندی نہ لگائی، بلکہ معاونت کی اور ۱۸۶۴ء کے بعد کیوں پابندی لگا دی؟ وجہ ظاہر ہے کہ انگریز کے مقاصد پورے ہو چکے تھے اور اب انگریز کی نظر میں ان لوگوں کے سرحد میں قیام کا کوئی جواز نہ تھا، لہذا اس نے ہندوستان سے سرحد آنے والی مالی امداد کا پوری سختی سے دروازہ بند کر دیا جس کے نتیجے میں سرحد میں جھڑپیں بھی ہوئیں۔

گورنمنٹ سے روابط

مولوی محمد حسین بٹالوی، ایڈیٹر اشاعت السنۃ، اہل حدیث کے فاضل اور فعال عالم اور ان کے شیخ الکل "میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے، انہوں نے اپنے فرقہ کار رابطہ عقیدت و وفاداری برٹش گورنمنٹ سے قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

"کسی قوم کی ترقی (جس میں مذہبی ترقی بھی شامل ہے) دنیاوی اسباب سے قطع تعلق کرنے سے نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے اور موجودہ الوقت سلطنت سے ارتباط اور اس کی پالیسی کی مراعات اور اس کے حضور عقیدت و انقیاد اور ارکان سلطنت سے رابطہ محبت و اتحاد، اسباب دنیاوی سے ایک عمداً اور قوی تاثیر سبب ہے۔"

یہ خیال کسی کو پیدا نہ ہوا کہ مذہب بلا استعانت اسباب حسن معاشرت چل نہیں سکتا اور سلطنت وقت کے حضور میں اظہار عقیدت اور ارکان سلطنت سے ارتباط و موانست، اسباب دنیاوی سے اعلیٰ سبب ہے۔ اسی بیخیالی میں وہ (اہل حدیث) اپنی مسجدوں میں صبح بخاری کا درس کرتے رہے یا کسی حجر میں خلوت گزریں ہو کر یا حتیٰ یا قیوم پڑھتے رہے اور کسی سے منجملہ اعیان ملک یا ارکان سلطنت ارتباط و اتحاد کا تعلق پیدا نہ کیا اور نہ کسی کے آگے اپنی عقیدت و اطاعت سلطنت کا اظہار کیا۔"

بقول بٹالوی صاحب اسی طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ مخالفین نے حکومت کو یہ تاثر دینا

اشاعت السنۃ ج ۹، شماره ۷، ص ۱۹۴

مولانا محمد حسین بٹالوی

ص ۱۹۵

۷۰ ایضاً

شروع ہو گیا کہ یہ لوگ گورنمنٹ کے مخالف ہیں۔

ان کا اور ان کے حریفوں کا یہ حال دیکھ کر اس قوم کے خادم و وکیل ایڈیٹر اشاعت السنۃ کو یہ تعجب انگریز (انگریز) خیال پیدا ہوا کہ ہندوستان کے تمام طبقات رعایا سے صرف یہی ایک فرقہ اہل حدیث ہے جو اس سلطنت کے زیر سایہ رہنے کو بلحاظ امن و آزادی، اسلامی سلطنتوں کے زیر سایہ رہنے سے بھی بہتر جانتا ہے، کیونکہ اس فرقہ کو بجز اس سلطنت کے کسی اور سلطنت میں اسلامی کیوں نہ ہو پوری آزادی حاصل نہیں ہے۔“ لے

یہ وہ حالات تھے جن کی بنا پر بٹالوی صاحب نے جماعت اہل حدیث کا خصوصی رابطہ گورنمنٹ سے قائم کیا اور تمام وفاداریاں حکومت کو پیش کر دیں۔

”اُدھر اپنی مہربان گورنمنٹ سے ارتباط اور ارکان سلطنت سے رابطہ ملاقات

پیدا کیا، قوم (اہل حدیث) کے وفادارانہ و مطیعانہ خیالات کو گورنمنٹ تک پہنچایا اور گورنمنٹ کی نظر عنایت شاہانہ کو قوم کی طرف متوجہ کیا۔“ لے

پھر اپنی قوم کے تمام افراد اور طبقات کو پُر زور اپیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”اس تمہید کو پڑھ کر امید ہے ہمارے اخوان اہل حدیث، خصوصاً ان کے

اکابر و رہبر اس ضرورت کا بڑھ کر ہونا تسلیم کریں گے، بلکہ خود بھی اشاعت السنۃ

کی تقلید اختیار کر کے جا بجا اسی قسم کی کارروائیاں شروع کر دیں گے۔ و اعظیٰ و مدبرین

اپنی مجالس و عطا و درس میں اور مصنفین اپنی کتب و رسائل میں اس قسم کے مضامین

شائع کریں گے اور قولاً و عملاً گورنمنٹ پر اپنے سچے اور وفادارانہ خیالات ظاہر

کرنے میں سرگرمی سے کوشش کریں گے۔“ لے

اشاعت السنۃ ج ۹، شماره ۷، ص ۶-۱۹۵

ص ۱۹۶

ص ۱۹۶

لے محمد حسین بٹالوی،

لے ایضاً،

لے ایضاً،

اس کارروائی کا ایک حصہ، اہل حدیث نام الاٹ کرانے کی کوشش اور درخواست تھی جس کا مختصر تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے، اس درخواست کی توثیق پورے ہندوستان کے اہل حدیث نے کی اور تین ہزار ایک سو چھتیس اعیان و اشخاص نے دستخط کئے اس سے صاف ظاہر ہے کہ بٹالوی صاحب کی کارروائی سے تمام اہل حدیث متفق تھے۔

بدیہ تشکر

مولوی محمد حسین بٹالوی کی درخواستوں اور پلے درپلے کوششوں سے انگریزی حکومت نے اس فرقہ کا نام اہل حدیث تسلیم کر لیا۔ اس احسانِ عظیم کا شکریہ دل و جان سے ادا کیا گیا اور بدیہ تشکر کے اظہار کے لیے کوئی موقع ہاتھ سے نہ دیا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ فرقہ اہل حدیث گورنمنٹ کے اس حکم سے اپنی کامل حق رسی کا معترف ہے اور اپنے برادر عزیز اور مسلمانوں کے خیر خواہ "وائس رائے لارڈ ڈو فرن" اور اپنے پیارے رحم دل اور فیاض لفٹیننٹ گورنر "سر چارلس ایچی سن" کا تہ دل سے شکر گزار ہے اور بعض و شکریہ اس احسان اور احسانات سابقہ گورنمنٹ کے درجہ بشمول دیگر رعایا خصوصاً اہل اسلام اس فرقہ پر مبذول ہیں، علی الخصوص احسان آزادی مذہبی کے جس سے یہ فرقہ عام اہل اسلام سے بڑھ کر ایک خصوصیت کے ساتھ فائدہ اٹھا رہا ہے، اہل حدیث لاہور نے جشنِ جوہلی کی تقریب پر کمال مسترت ظاہر کی اور قیصہ بند کی پنجاہ سالہ حکومت کی خوشی میں اہل اسلام کی مکلف فیاضیت کی جس میں روسا، شرفار، علماء و عام اہل اسلام رونق افروز ہوئے۔

تعداد اہل دعوت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں ہو سکا مگر ناظرین ماضی کے قیاس میں سات آٹھ ہزار اشخاص کا مجمع تھا۔

اشاعت السنۃ، ج ۹، شمارہ ۷، ص ۲۰۳

ص ۲۰۴

بے محمد حسین بٹالوی،
تہ ایضاً،

۲- اس دعوت میں گورنر پنجاب اور اس کے سیکریٹریوں سے بھی شمولیت کی درخواست کی گئی تھی۔ انہوں نے فرصت نہ ہونے کے سبب معذرت کر دی، تاہم انہیں ہدیہ نیاز پیش کرنے کے لیے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا؛

اس دعوت کے مقام (مولوی الہی بخش کی کوٹھی) کے عین دروازہ کے سامنے سے رات کے وقت ملاحظہ روشنی کے لیے نواب لیفٹننٹ گورنر بہادر کا گزر کرنا مقرر تھا۔ اس جگہ اہل حدیث نے ایک بلند اور وسیع دروازہ بنایا جس پر سنہری حرفوں میں ایک طرف انگریزی میں یہ کلمات دعائے مرقوم تھے،

THE AHL-I-HADIS WISH EMPRESS ALONE LIVE

(اہل حدیث چاہتے ہیں کہ قیصر ہند کی عمر دراز ہو)
دوسری طرف لاہوردی رنگ سے یہ بیت اُردو سے
دل سے ہے یہ دُعا تے اہل حدیث
جشنِ جوہلی مبارک ہو

اس دروازہ سے لیفٹننٹ گورنر اور ان کے مصاحبوں اور رئیسوں کی سماروں کا گزر ہوا تو سب کی نگاہیں ان کلماتِ دُعا تے کی طرف (جو لیمپ جھاڑ اور مہتابیوں کی روشنی سے روز روشن کی طرح نمایاں تھی) لگی ہوئی تھی اور اکثر کی زبان سے کلمہ اہل حدیث جاری تھا۔

۳- اسی خوشی و مسرت و عقیدتِ سلطنت کے اظہار کے لیے اسی رات دس بجے اہل پنجاب کی مختلف سوسائٹیوں کے ایڈریس مبارکباد پیش ہوئے۔ ان میں مسوئیں پیر اہل حدیث کا ایڈریس جس کی نقل ماشیہ میں ہے، بذریعہ ڈیپوٹیشن پیش ہوا۔ اس ایڈریس پر مختلف اضلاع ہندوستان و پنجاب، بمبئی، مدراس و بنگال وغیرہ اعیان اہل حدیث کے دستخط ثبت تھے، لے

یہ سپاسنامہ بھی ملاحظہ ہو، اس کے ایک ایک حرف سے عقیدت و نیاز کے فوارے پھوٹتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

ایڈریس گروہ مسلمانان اہل حدیث
بمقام فریضہ گنجر کوئین و کٹوریہ ملکہ گریٹ برٹن
وقیصرۃ ہند بارک اللہ فی سلطنتہا

(۱) ہم ممبران گروہ اہل حدیث اپنے گروہ کے کل اشخاص کی طرف سے حضور ﷺ کی خدمت عالی میں جشنِ جوہلی کی دلی مسرت سے مبارک باد پیش کرتے ہیں۔
(۲) برٹش رعایائے ہند میں کوئی فرقہ ایسا نہ ہوگا جس کے دل میں مبارک تقریب کی مسرت جوش زن نہ ہوگی اور اس کے بال بال سے صدائے مبارکباد نہ اٹھتی ہوگی۔ مگر خاص کر فرقہ اہل اسلام جس کو سلطنت کی اطاعت اور فرماں روائی وقت کی عقیدت اس کا مقدس مذہب سکھاتا ہے اور اس کو ایک فرضِ مذہبی قرار دیتا ہے۔ اس اظہارِ مسرت اور اذائے مبارکباد میں دیگر مذاہب کی عیاضے پیش قدمی نے علی الخصوص گروہ اہل حدیث من جملہ اہل اسلام اس اظہارِ مسرت و عقیدت اور دعائے برکت میں چند قدم اور بھی سبقت رکھتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جن برکتوں اور نعمتوں کی وجہ سے یہ ملک تاجِ برطانیہ کا حلقہ بگوش ہو رہا ہے ازاں جملہ ایک بے بہا نعمتِ مذہبی آزادی سے یہ گروہ ایک خصوصیت کے ساتھ اپنا نصیب اٹھا رہا ہے۔

(۳) وہ خصوصیت یہ ہے کہ یہ مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص کر اسی سلطنت میں حاصل ہے، بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے کہ ان کو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے۔ اس خصوصیت سے یقین ہو سکتا ہے کہ اس گروہ کو اس سلطنت کے قیام و استحکام سے بلیغ مسرت ہے اور ان کے دل سے مبارکباد

کی صدائیں زیادہ زور کے ساتھ نعرہ زن ہیں۔

ہم بڑے جوش سے یہ دُعا مانگتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ حضور والا کی حکومت کو اور بڑھائے اور نادیر حضور والا کی رعایا کا نگہبان رہے تاکہ حضور والا کی رعایا کے تمام لوگ حضور کی وسیع حکومت میں امن و تہذیب کی برکتوں سے فائدہ اٹھائیں۔

۱۸۸۶ء میں ملکہ وکٹوریہ کی حکومت کا جشن پنجاہ سالہ (گولڈن جوبلی) سرکاری طور

پر منایا گیا تھا جس میں جماعت اہل حدیث، لاہور نے مذکورہ بالا سپاسنامہ پیش کیا تھا۔

۱۸۸۸ء میں ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے اس ایڈریس کی منظوری کا پروانہ جاری کیا گیا

جسے اشاعت السنۃ میں ان الفاظ میں شائع کیا گیا۔

ملکہ معظمہ کی طرف اہل حدیث کو خطاب

ہم اس مشرودہ کے سنانے سے بھی نہیں رہ سکتے کہ ہماری مہربان ملکہ معظمہ انگلینڈ و قیصر ہند نے اہل حدیث کے ایڈریس موقعہ جوبلی کو کمال مسترت کے ساتھ قبول فرمایا ہے اور ازراہ عنایت خسروانہ گروہ اہل حدیث کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اس شکریہ میں اس گروہ کو اُسے اہل حدیث خطاب اہل حدیث سے مخاطب کیا گیا ہے جو ان کے کمال امتیاز و اعزاز کا موجب ہے۔ اس اعزازِ شاہانہ و اکرامِ خسروانہ ملکہ معظمہ قیصر ہند پر اہل حدیث ہند کمال ادب و انکسار کے ساتھ اپنی مہربان ایمپرس کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان کی درازی عمر و ترقی توفیق و اقبال کے لیے دست بدعا ہیں۔

۱۔ محمد حسین بٹالوی، اشاعت السنۃ، ج ۹، شماره ۷، ماہیہ ص ۹-۲۰۵

۲۔ پیام شاہجہانپوری، پندرہ روزہ تقاضے، لاہور (۱۵ مارچ و یکم اپریل ۱۹۸۳ء) ص ۳۷

۳۔ محمد حسین بٹالوی، اشاعت السنۃ، ج ۱۱، شماره ۲، ص ۴۶

اس کے بعد دو مکتوب پیش کیے گئے ہیں، جن میں ایڈریس کی قبولیت کا مشورہ سنایا گیا ہے۔ ذیل میں ایک مکتوب کی نقل پیش کی جاتی ہے؛

نمبر ۱۲۶۷۔ ہوم ڈیپارٹمنٹ (پبلک)

از طرف؛ جے۔ پی۔ ہیوٹ صاحب۔ انڈر سیکرٹری گورنمنٹ ہند

بنام؛ ممبران اہل حدیث پنجاب

مقام شملہ، ۱۱ جون ۱۸۸۸ء

صاحبان شرفا! مجھے یہ کہنے کی ہدایت ہوئی ہے کہ صاحب سکرٹری آف اسٹنٹ نے اطلاع دی ہے کہ ہر میجسٹری ملکہ معظمہ قیصر ہند نے بالطف خسروانہ اس ایڈریس وغیرہ کو قبول فرمایا ہے جو آپ صاحبان نے ہر میجسٹری کی خدمت میں جوہلی کے موقع پر پیش کیا تھا اور ارشاد فرمایا ہے کہ ہر میجسٹری کا خاص شکریہ آپ لوگوں کو اس خیر خواہانہ نذرانہ کے لیے پہنچایا جائے۔

مجھے اے صاحبان آپ کا نہایت فرمانبردار ملازم ہونے کی عزت حاصل ہے۔

جے۔ پی۔ ہیوٹ

انڈر سکرٹری گورنمنٹ ہند

ملکہ برطانیہ کی گولڈن جوہلی کے موقع پر اہل حدیث نے جس خوشامد اور اظہار عقیدت و وفاداری کا اظہار کیا، وہ صرف ظاہری کی بنیاد پر نہ تھا، بلکہ دلی جذبات کی ترجمانی تھا۔ نیز اس پر انہیں کبھی ندامت نہیں ہوتی، بلکہ اس طرز عمل کے جواز پر انہوں نے شریعت کے حوالے سے دلائل بھی پیش کیے، محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں؛

اس مضمون میں دلائل کتاب و سنت کا بیان دو غرض سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ گورنمنٹ کو یہ یقین ہو کہ اس موقع پر مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے، سچے دل سے کیا ہے

۱۰ محمد حسین بٹالوی، اشاعت السنۃ، ج ۱۱، شماره ۲، ص ۴۷

اور اپنے مقدس مذہب کی ہدایت سے کیا ہے۔ صرف ظاہری اور جھوٹی
خوشامد سے کام نہیں لیا۔

دوسری یہ کہ ناواقف مسلمانوں کو مسلمانوں کے اس فعل میں عدم جواز اور
مخالفت شریعت کا وہم و گمان پیدا نہ ہو۔“ لہ
مزید لکھتے ہیں :

پس واضح ہو کہ جو کچھ اس موقع پر اہل حدیث نے کیا ہے، وہ امور ذیل ہیں :

- (۱) ملکہ معظمہ کی تعظیم کرنا اور تعظیمی الفاظ سے اس کو یاد کرنا۔
- (۲) ملکہ معظمہ کی حکومت پنجاب سالہ پر خوشی کرنا اور اس خوشی میں مسلمانوں کو کھانا کھلانا۔
- (۳) برٹش سلطنت کی اطاعت و عقیدت کو ظاہر کرنا اور اس کو فرض مذہبی بنانا۔
- (۴) اس سلطنت کی برکات و احسانات (امن آزادی وغیرہ) کا معترف ہونا اور
اس پر ملکہ معظمہ اور سلطنت کی تعریف کرنا اور شکر گزار ہونا۔
- (۵) ملکہ معظمہ اور اس کی سلطنت کے لیے دعا، سلامت و حفاظت و برکت کرنا
و علیٰ بنا القیاس ان امور میں کوئی امر بھی ایسا نہیں ہے جس کے جواد پر شریعت
کی شہادت پائی نہ جاتی ہوئے

لارڈ ڈفرن کے حضور

غالباً ۱۸۸۸ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل اور وائسرائے لارڈ ڈفرن کے حضور،
جماعت اہل حدیث نے اس کی وطن واپسی کے موقع پر ایک سپاسنامہ پیش کیا۔ سپاسنامہ
کیا ہے؟ عقیدت و وفاداری کا نچوڑ پیش کر دیا گیا ہے اور بقول بٹالوی صاحب :

اشاعۃ السنۃ، ج ۱۹، شمارہ ۸، ص ۲۲۸

لہ محمد حسین بٹالوی،

ص ۲۲۹

انشاء ایضاً

”ٹیپوٹیشن وُصوم وُعام کا تھا۔“

سپاسنامہ فارسی میں تھا، اس کا ترجمہ مع تلخیص پیش کیا جاتا ہے،

حضور والا!

ہم فرقہ اہل حدیث کے چند ارکان اور پنجاب اور ہندوستان کے دیگر اسلامی فرقوں کے چند اشخاص اپنی طرف سے اصالتاً اور اپنے دیگر ہم مشرکوں کی طرف سے وکالتاً، اس والا درجات کے احسانات کا شکریہ ادا کرنے اور اس ذات ستودہ صفات کی مفارقت پر اظہارِ غم کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ —

”خیر اندیشوں“ اور ”جاں نثاروں“ کے مذہب کے مطابق کمالِ عجز و انکسار کے ساتھ، عرضِ مدعا کی اجازت چاہتے ہیں۔ اس کرم گستر اور عدل پرور کے عہدِ سعادت مہد کی برکتیں اور احسانات، بارانِ رحمت، عمیم البرکت کی طرح اس اطاعت شعار علاقہ کے تمام لوگوں اور تمام قوموں پر برسے ہیں (جیسے مملکت میں قیام امن و مددِ سلطنت کا استحکام، پبلک سروس کمیشن کا تقرر اور لیڈی ڈفرن فنڈ کی تجویز وغیرہ) ہندوستان کے مسلمانوں نے دوسری قوموں کی طرح اور ان کے برابر ان سے کافی و وافی حصہ حاصل کیا ہے۔ ”حضور پر نور“ کے بعض انعامات اور احسانات ایسے ظاہر ہوئے ہیں جن سے استفادہ کرنے میں اہل اسلام عموماً اور اہل حدیث خصوصاً سبقت لے گئے ہیں اور ایک قسم کی خصوصیت پیدا کی ہے۔

خاص طور پر فرقہ اہل حدیث کے لیے جو عظیم مہربانی اور گراماں قدر احسان راز رکھا ہے، وہ یہ ہے کہ ان کے حق میں لفظ و لہجہ کا استعمال سرکاری و فرائض میں ممنوع قرار دے دیا ہے جو ان کی دل آزاری کرتا تھا اور ان کی وفاداری اور جاں نثاری جو نازک وقتوں میں پایہ ثبوت کو پہنچانے کی ہے اور سرکارِ والا کے نزدیک بھی مسلم ہے،

محمد حسین بٹالوی، اشاعت السنۃ ج ۱۱، شماره ۲، ص ۲۳

ناواقفوں کی نظر میں مشکوک بنا دیتا تھا، اس طرح بے خبروں کی بدگمانیوں کو ختم کر دیا۔

اہل اسلام عموماً اور اہل حدیث پر خصوصاً ان انعامات عامہ و خاصہ پر نظر کرتے ہوئے ہزار زبان سے اس والا دودمان کے احسان کا شکر تہ دل سے بجالاتے ہیں اور اس منظم وجود و احسان کی قبل از وقت مفارقت پر اشکِ حسرت بہاتے ہیں اور دلی رنج کو اس آرزو کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ کاش بُہما کا ہم پتہ سایہ، مقررہ میعاد تک ان کے سروں پر پھیلا رہتا اور حکومت کی مدت دوگنا ہو جاتی تاکہ فوائد و منافع، مسلمانوں کا نصیب ہو کر بارِ احسان ان کے کندھوں پر رکھ دیتے۔

آخر میں حضور موفور التور کی ناگزیر مفارقت پر فراق گزیدہ بے چارے صبر و سکون کا دامن پکڑ کر اس دعائے خیر کے ساتھ اپنے آپ کو تسلی دیتے ہیں کہ خداوندِ عالم، ذاتِ مکرمت صفات کو امن و عافیت کے ساتھ وطنِ مالوف تک پہنچائے اور اس جگہ روز افزوں ترقی اقبالِ عطا فرما کر اہل اسلام کے فائدے اور بہتری کے لیے سرچشمہ بنائے۔

اور تاج و تختِ برطانیہ جس کی نیابت کا شرف جناب والا کو حاصل ہے کو تمام ترقیام و استحکام عطا فرما کر ملک کھلیے موجبِ امن و برکت اور مسلمانوں کی حفاظت و حمایت کا باعث بنائے۔

ہم میں حضور کی وفادار اور جاں نثار عیالے

اگر زحمت نہ ہو تو ایک دفعہ پھر اس سپاس نامے کو پڑھ لیجئے اور خیر اندیشوں اور جاں نثاروں کا حضور پر نور، کرم گستر اور عدل پرور کی بارگاہ میں یہ فدویانہ اعتراف ملاحظہ فرمائیے کہ آپ کے

بعض انعامات وہ ہیں جن کے حصول میں اہل حدیث خصوصیت کے ساتھ سبقت نہ گئے
ہیں اور پھر نگاہِ حیرت سے یہ نظارہ بھی دیکھتے کہ ان کی جبین پر عرق انفعال نام کی کوئی چیز
دکھائی نہیں دیتی :

” اور پھر مولانا محمد حسین بٹالوی کے متعلق ماسوا اس کے کہ انہوں نے انگریز
گورنر کے پنجاب یونیورسٹی کی بنیاد رکھنے، لوکل گورنمنٹ کے اجراء چیفس کالج کے
قائم کرنے، پبلک لائبریری کے بنانے اور طلبہ کو وظائف دینے پر اس کا شکریہ
ادا کیا ہے اور کون سی چیز ہے جس پر انہیں مطعون کیا جاسکتا ہے۔“ لہ
اسے کہتے ہیں کہ اپنی آنکھ کا شبہ نظر نہیں آتا۔ اگر بٹالوی صاحب کے سپاسنامے میں طعن
کی کوئی وجہ نہیں ہے، بلکہ انگریزی حکومت سے مرے حاصل کرنے اور حرمتِ جہاد کا فتویٰ دینے
اور خوشامدوں کے طومار کھڑے کر دینے میں بھی آپ کے نزدیک طعن کی کوئی وجہ نہیں ہے تو
پھر کہہ دیجئے کہ دنیا میں کسی ایسی چیز کا وجود ہی نہیں ہے جس پر طعن کیا جاسکے۔
جان چھڑانے کا ایک تعجب خیز انداز بھی دیکھتے چلتے :

رہا معاملہ محمد حسین بٹالوی کے دو ایڈریسوں کا تو ہم اس سلسلہ میں متنبی قادریانی
کی اُمت کی طرح کسی طرح کی تاویل و تحریف کے چکر میں پڑنے کی بجائے اس بات
کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر کسی فرد یا چند افراد نے ایسا کیا تو غلط کیا، ہم انہیں معصوم
سمجھتے ہیں اور نہ صاحبِ شریعت کہ ان کی ہر بات ہمارے لیے حجت و سند
ہو قوم میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن سے غلطیوں اور لغزشوں کا صدور ہوتا ہے
ان سے مجموعی طور پر قوم کے دامن پر دھبہ نہیں لگ سکتا اور نہ ہی ان کی بنا پر
کسی گروہ کو مطعون کیا جاسکتا ہے۔“ لہ

مقام عبرت ہے کہ جب اس ایڈریس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر کسی کو مطعون کیا جاسکے، تو اس برأت کی کیا ضرورت؟ پھر یہ معاملہ ایک فرد یا چند افراد کا نہیں ہے۔ اس سپانے پر دستخط کرنے والے اس وقت کے اہل حدیث کے تمام بڑے بڑے ستون اور قائدین شامل ہیں اور حدیث کہ "شیخ الكل" میاں نذیر حسین دہلوی کے دستخط سرفہرست ہیں۔ انصاف و انصاف کا پتا اس وقت چلے گا، جب ان سب سے اظہار برأت کر دیا جائے گا، ورنہ گلو خلاصی کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اس سپانے پر دستخط کرنے والوں کے چند نام ملاحظہ ہوں:

مولوی سید محمد نذیر حسین دہلوی (شیخ الكل)

ابوسعید محمد حسین (بٹالوی)، وکیل اہل حدیث ہند

مولوی محمد یونس خاں، رئیس دتا دلی، علی گڑھ

مولوی قطب الدین، پیشوائے اہل حدیث روپڑ

مولوی محمد سعید، بنارس

مولوی الہی بخش پلیدر، لاہور

مولوی سید نظام الدین پیشوائے اہل حدیث، مدراس، وغیرہ وغیرہ

اس سپانے کے جواب میں وائسرائے لارڈ ڈفرن نے جو کچھ کہا، اس کا ایک اقتباس

ملاحظہ ہو:

ساحبان! میں اس ایڈریس کے لیے جو بھی آپ نے مجھے دیا ہے، آپ کا

شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کے خیر خواہانہ اظہارات عقیدت، نسبت برٹش

گورنمنٹ کو سن کر خوش ہوتا ہوں اور میں مخلص دل سے امید کرتا ہوں کہ شمال مغربی

سرحد کو استحکام دینے کی وجہ سے (جس میں آپ میں سے اکثر لوگ اس کے کہ

سرحدی صوبہ کے باشندے ہیں، خاص دلچسپی رکھتے ہیں، جو امن اس وقت ہمیں
حاصل ہے، قائم رہے گا۔“ لے

لیفٹیننٹ گورنر پنجاب ایچی سن کے حضور

۲۲ مارچ ۱۸۸۷ء کو گورنر پنجاب کی رخصت پر اہل حدیث نے ایک سپانامہ پیش
کیا جس میں اظہار عقیدت و وفاداری کا وہی والہانہ انداز ہے جو لارڈ ڈفرن کے سپانامہ میں ہے
اس سپانامہ کا ایک حصہ نقل کیا جاتا ہے:

ایڈریس منجانب فرقہ اہل حدیث و ممبران دیگر فرقہ اہل اسلام
بمضور سرچارلس امفرسٹن ایچسٹن صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی
سی۔ آئی۔ امی۔ ایل ایل۔ ڈی لیفٹیننٹ گورنر پنجاب وغیرہ
ہم ممبران فرقہ اہل حدیث و دیگر فرقہ اہل اسلام حضور والا کی عالی خدمت
میں اس موقع پر (جب کہ حضور اس صوبہ سے مرخص ہوتے ہیں) کمال ادب و
اخلاص کے ساتھ حضور والا کے خسروانہ احسانات و مرتبیانہ عنایات کا شکریہ
ادا کرنے اور حضور کی مفارقت پر دلی افسوس ظاہر کرنے کی غرض سے حاضر
ہوتے ہیں۔

حضور والا کے شاہانہ عنایات و مرتبیانہ توجہات ابتداء رونق افروزی ہندوستان
سے اس عہد گورنری تک اس ملک ہندوستان پر اس کثرت و تواتر سے مبذول رہی
ہیں کہ اگر ان کو متواتر بارانِ رحمت یا موجزن دریا موہبت کہا جائے تو بیجا نہیں ہے
آخر میں لکھتے ہیں:

خاتمہ میں ان کلماتِ دُعائیہ کی عرض پر اکتفا کرتے ہیں کہ خداوندِ عالم

لے محمد حسین بٹالوی، اشاعت السنۃ، ج ۱۱، شمارہ ۲، ص ۳۳

حضور فیض گنجور کو صحت و سلامتی کے ساتھ وطن مالوف میں پہنچائے اور پھر
بہت جلد حضور کو عہدہ گورنر جنرل پر مامور و معزز فرما کر ہندوستان میں لاوے
اور ہماری آنکھوں کو دوبارہ حضور کے دیدار فیض آثار سے منور کرے آمین ثم آمین
۷ بوطن رفتنت مبارکباد بسلامت روی و باز آئی

دربار دہلی میں ارمغان عقیدت

اہل حدیث کی تاریخ یہ رہی ہے کہ انہوں نے حکومتِ برطانیہ کی خوشامد کا کوئی موقع ہاتھ
سے جانے نہیں دیا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

”خاکسار نے بمشورہ بعض اعیان اہل حدیث پنجاب و بنگال گورنمنٹ پنجاب
سے اس مضمون کی درخواست کی کہ ہر چند مختلف اضلاع اور شہروں کے تمام
جلسوں میں جن میں اہل اسلام ہندوستان نے بتقریب تاجپوشی ہنزہ جی کنگ
امپرمسٹر کا اظہار کیا ہے۔ مسلمانان اہل حدیث بھی شامل رہے ہیں، مگر خاص
موقع دربار دہلی میں وہ لوگ خصوصیت کے ساتھ اظہار مسرت چاہتے ہیں...
اس درخواست کے جواب میں سکرٹری گورنمنٹ پنجاب کی طرف یادداشت

نمبر پی ۶۳۹ دفتر اشاعت السنۃ میں موصول ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ
تحت نشینی ہنزہ جی کنگ امپرمسٹر کی تقریب پر ہندوستان کے مختلف فرقوں کو
ایڈریس مبارک باد پیش کرنے کا کئی دفعہ موقع دیا گیا ہے، لہذا گورنمنٹ ہند کی تجویز
نہیں ہے کہ اب دربار دہلی میں کوئی ڈیپوٹیشن ایڈریس پیش کرے۔ ہاں فرقہ الہ حدیث
معمولی طور پر گورنمنٹ ہند کی خدمت میں مبارک باد کا ایڈریس پیش کرے تو
گورنمنٹ ہند کو اس کے قبول کرنے میں عذر نہ ہوگا۔“

اشاعت السنۃ ج ۹، شمارہ ۸، ص ۵۲-۵۱

لے محمد حسین بٹالوی،

اشاعت السنۃ، ج ۱۹، شمارہ ۹، ص ۴

لے ایضاً،

کوئی وجہ نہ تھی کہ خصوصی طور پر یہ عقیدت پیش کرنے کی اجازت نہ دی جاتی، کیوں کہ حکومتِ برطانیہ کو یہ جاں نثاری اور وفاداری کسی دوسرے فرقہ سے نہیں ملی تھی۔

الاقتصاد فی مسائل الجہاد

مولوی محمد حسین بٹالوی اہل حدیث کے وکیل اور سرکردہ علماء میں سے تھے۔، اہل محترم
۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء کو پیدا ہوئے اور ۱۳۳۸ھ/۲۰-۱۹۱۹ء کو فوت ہوئے۔
حکیم عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

الشیخ الفاضل ابوسعید محمد حسین بن رحیم بخش بن
ذوق محمد الہندی البٹالوی احد كبار العلماء
گزشتہ صفحات میں انگریزی حکومت سے روابط کا تذکرہ زیادہ تر ان ہی کے حوالہ سے کیا
گیا ہے اور ان معاملات میں زیادہ تر وہی پیش پیش رہے ہیں۔
۱۸۷۶ء میں انہوں نے ایک رسالہ الاقتصاد لکھا جس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی
کوشش کی ہے کہ ہندوستان تو ہندوستان دنیا کے کسی بھی اسلامی ملک کے مسلمانوں کا گورنمنٹ سے
جہاد جانتے نہیں۔

”سنہ ۱۸۷۶ء میں ایڈیشن اشاعت السنۃ رسالہ اقتصاد فی مسائل الجہاد تالیف کر چکا ہے

جس میں قرآن و حدیث اور فقہی دلائل سے ثابت و مدلل ہے کہ اس گورنمنٹ سے
مسلمانوں کا بند کے ہوں خواہ روم یا عرب کے مذہبی جہاد جانتے نہیں اور اسی سال
پنجاب کے عام اہل حدیث نے بذریعہ ایک عرضداشت اپنی عقیدت اطاعت گورنمنٹ
کا اظہار کیا تھا جس پر گورنمنٹ کی طرف سے اس کی تائید و تصدیق میں ایک سرکلر
جاری ہوا تھا جو اشاعت السنۃ ”نمبر ۹، جلد ۸ میں منقول ہو چکا ہے۔“ ۱۷

نزمۃ النواظر (نور محمد، کراچی) ج ۱۸، ص ۲۲۷

اشاعت السنۃ ۰ ج ۹، شماره ۱، ص ۲۶

۱۷ عبدالحی لکھنوی، مورخ،

۱۸ محمد حسین بٹالوی،

ہندوستان دارالاسلام ہے

بٹالوی صاحب لکھتے ہیں،

”جس شہر یا ملک میں مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی حاصل ہو، وہ شہر یا ملک دارالحرب نہیں کہلاتا۔ پھر اگر وہ دراصل مسلمانوں کا ملک یا شہر ہو، اقوام غیر نے اس پر تغلب سے تسلط پایا ہو، (جیسا کہ ملک ہندوستان ہے) تو جب تک اس میں اوائے شعائر اسلام کی آزادی رہے، وہ بحکم حالتِ تدبیر دارالاسلام کہلاتا ہے۔“

دنیا کا کوئی مسلمان بادشاہ گورنمنٹ سے جہاد نہیں کر سکتا۔

بٹالوی صاحب لکھتے ہیں،

”اس مسئلہ اور اس کے دلائل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ملک ہندوستان باوجود کیکہ عیسائی سلطنت کے قبضہ میں ہے، دارالاسلام ہے، اس پر کسی بادشاہ کو عرب کا بوخواد عجم کا مہدی سودان ہو یا خود حضرت سلطان (ترکی کا بادشاہ) شاہ ایران بوخواہ امیر خراسان مذہبی لڑائی و جہاد جانی کرنا جائز نہیں ہے۔“

جہاد کہیں بھی نہیں ہو سکتا

مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں،

”ان دو نتیجوں سے ایک اور نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی شرعی جہاد کی کوئی صورت نہیں ہے، کیونکہ اس وقت نہ کوئی مسلمانوں کا امام موصوف بصفات

شرائط امامت موجود ہے اور نہ ان کو ایسی شوکت و جمعیت حاصل ہے جس سے وہ اپنے مخالفوں پر فتح یاب ہونے کی امید کر سکیں۔

ہم جب کبھی بعض اخبارات میں یہ خبر دیکھتے ہیں کہ سلطنتِ روم یا ریاستِ افغانستان وغیرہ بلادِ اسلام سے جہاد کا اظہار دیا گیا ہے، تو ہم کو سخت تعجب ہوتا ہے اور اس خبر کا یقین نہیں آتا اور یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت کون سے زمین پر امام کہاں ہیں جس کی پناہ میں اور اس کے امر و اجازت سے مسلمان جہاد کر سکیں اور ایسی جمعیت و شوکت کس کو میسر ہے جس سے وہ اپنے دشمنوں اور مخالفوں پر فتح یاب ہونے کی امید رکھیں؟

بعض لوگ جب تسلیم سے راہِ فرار اختیار نہیں کر سکتے، تو یہ عذر تراشتے ہیں کہ اس قسم کی کارروائیوں کی ذمہ داری بٹالوی صاحب یا چند دیگر افراد کے سر ہے، حالانکہ بٹالوی صاحب نے سالہ الاقتصا پر پورے ملک کے سینکڑوں علماء سے تصدیق حاصل کی تھی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”یہ رسالہ میں نے ۱۸۷۶ء میں تالیف کیا اور اس میں علماءِ اسلام کی رائیں لینے اور ان کا توافق رائے حاصل کرنے کے لیے لاہور سے عظیم آباد، پٹنہ تک سفر کیا اور اکابر علماء مختلف فرقہ ہائے اسلام کو یہ رسالہ حرف بحرف سنا کر ان کا توافق رائے حاصل کیا اور بعض بلادِ ہندوستان و پنجاب میں جہاں راقم خود نہیں جاسکا، اس رسالہ کی متعدد کاپیاں بھجوا کر ان بلاد کے اکابر علماء کا اتفاق رائے حاصل کیا۔ پھر ۱۸۷۹ء میں اس رسالہ کے اصل اصول مسائل کو بہ ضمنِ نمبر ۱۱ جلد ۲ رسالہ اشاعت السنۃ“

بعنوان استشہاد عام لوگوں میں شائع کیا اور اس میں عام اہل اسلام کو ان مسائل میں اپنی آراء ظاہر کرنے کا موقع دیا جس پر بہت سے مواضع ہندوستان و پنجاب کے

رہاں وہ ضمیمہ پہنچا، صد ہا عوام و خواص نے ان مسائل کی نسبت اپنا اتفاق رائے
ظاہر کیا۔" ۱۷

صاف ظاہر ہے کہ اس رسالہ کے مندرجات تمام اہل حدیث کے اتفافی تھے،
بٹالوی صاحب کے انفرادی نظریات نہ تھے۔

قصور میں اہل حدیث کے سرکردہ علماء میں مولوی غلام علی قصوری ثم امرتسری اور مولوی
مرزا فتح محمد بیگ تھے۔ وہ دونوں بٹالوی صاحب سے بھی پہلے جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ
دے چکے تھے۔ اس وقت ہمارے سامنے مرزا فتح محمد بیگ کی نگرانی میں شائع ہونے والے ماہانہ
رسالہ انجمن مفید عام قصور کا ایک شمارہ ہے جس میں مرزائے موصوف کے رسالہ جہاد پر ریویو تبصرہ
ایک معاصر اخبار سے نقل کیا گیا ہے۔ ذیل میں اس کے چند اقتباس پیش کیے جاتے ہیں،

"مرزا صاحب (فتح محمد بیگ) نے جملہ ساکنان پنجاب کی نسبت اعلیٰ احکام
کے سامنے بارہا ظاہر کیا ہے کہ وہ سب کے سب بمقابلہ گورنمنٹ جہاد کو حرام خیال
کرتے ہیں۔" ۱۸

علاوہ بریں اور بہت سے علماء دین نے جو اس مسئلہ کی بابت بہت کچھ لکھا
اور کہا ہے ان کا کیا نقصان ہوا؛ بیساکہ جناب مولانا حضرت مولوی سید محمد خاں
صاحب بہادر نجم الہند نے ایک رسالہ ڈاکٹر ہینٹز کے جواب میں لکھا اور مولوی غلام علی
صاحب امرتسری ایک مدت سے اس مسئلہ کو بیان کر رہے ہیں، صاحب آفر الذکر
خاص کر کے اس وقت بھی جہاد کو مخالف گورنمنٹ انگریزی ایسا ہی ناجائز اور حرام
کہتے تھے، جبکہ مولوی محمد حسین بٹالوی اس مسئلہ پر ان کے برخلاف تھے۔" ۱۹

ص ۲-۳

الاقتصاد

۱۷ محمد حسین بٹالوی؛

ص ۲۲

شمارہ فروری ۱۸۸۰ء

۱۸ رسالہ انجمن مفید عام قصور،

ص ۲۳-۲۴

۱۹ ایضاً،

بٹالوی صاحب تو زبانِ حال سے یہ کہتے ہوں گے ع

نہ تنہا من دریں مے خانہ مستم

ان تفصیلات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ مجوحیرت ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے:

”اور اس دور میں جبکہ ہندوستان کے خاتم اور خدائے انگریزوں کی حمایت میں جہاد کو ناجائز قرار دے رہے تھے اور ہندوستان کو دارالاسلام بنا رہے تھے۔ اہل حدیث

نہ صرف ہر طریقے سے قوم کو جہاد کا درس دے رہے تھے، بلکہ عملاً جہاد میں

شریک بھی تھے اور پورا ہند ان کے جہاد کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ لہ

شاہ اسمعیل دہلوی کی تقریر کا ایک اقتباس اس سے پہلے گزر چکا ہے اس موقع کی مناسبت

سے دوبارہ نقل کر دینا مناسب رہے گا۔

”ان پر (انگریز کے خلاف) جہاد کسی طرح واجب نہیں

بلکہ اگر ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور

اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔“ لہ

ظہیر صاحب کہتے ہیں کہ ”اہل حدیث نہ صرف ہر طریقے سے قوم کو جہاد کا درس دے رہے

تھے، بلکہ عملاً جہاد میں شریک بھی تھے۔“ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ انگریز کے خلاف جہاد کا

درس دیا جا رہا تھا یا جہاد کیا جا رہا تھا اور حقائق و شواہد بھی یہ گواہی دے رہے ہیں کہ دہلوی سے

لے کر بٹالوی تک انگریز کے خلاف جہاد کو ناجائز اور حرام قرار دیتے تھے، ان کا جہاد سر کے

حنفی مسلمانوں کے خلاف تھا یا سکھوں کے خلاف جو انگریزوں کے لیے مستقل دروہ سر کی

حیثیت رکھتے تھے۔

امام احمد رضا بریلوی نے فتویٰ دیا تھا کہ ہندوستان میں جہاد کی شرطیں موجود نہیں اس لیے مسلمانوں پر جہاد واجب نہیں، اس پر انتہائی تند و تیز فتوے صادر کیے جاتے ہیں۔ انداز ملا نظر ہوا "کسی انصاف پسند کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اس بات سے اختلاف کرے کہ بریلوی اور بریلویت کا تمام وزن، غاصب انگریزی استعمار کے پلٹے میں تھا اگرچہ انہیں انگریز کا ملازم، جاسوس اور تنخواہ دار تسلیم نہ کرے، کیونکہ انہوں نے جہاد اور مجاہدین کے خلاف فتویٰ دیا اور انگریزی استعمار کے خلاف ترک موالات کی تحریک کی مخالفت کی، بلکہ لوگوں کو انگریزوں کی دوستی اور موالات کا حکم دیا۔" لے

ترک موالات کے مسئلہ میں امام احمد رضا بریلوی کا موقف کیا تھا؟ اس وقت زیر بحث نہیں، اس کے لیے پیش نظر کتاب کے دیگر اوراق کا مطالعہ کیجئے، اس وقت تو صرف اس امر کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ یہ تمام امور بلکہ اس سے کہیں زیادہ بٹالوی صاحب اور دیگر علماء اہل حدیث میں پائے جاتے ہیں، انہیں کن خطابات سے نوازا جائے گا؟

۱۸۵۷ء کے مجاہدین مفسد، بدکردار، باغی

محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں،

"مفسدہ ۱۸۵۷ء میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے، وہ سخت گنہگار اور بحکم قرآن و حدیث وہ مفسد و باغی، بدکردار تھے، اکثر ان میں عوام کا لالہ عام تھے۔ بعض جو خواص و علماء کہلاتے تھے، وہ بھی اصل علوم دین (قرآن و حدیث) بے بہرہ تھے یا نا فہم و بے سمجھ، باخبر و سمجھ دار علماء (اہل حدیث) اس میں سرگز شریک نہیں ہوئے اور نہ اس فتویٰ پر جو اس غدر کو جہاد بنانے کے لیے مفسد لیے پھرتے تھے، انہوں نے خوشی سے دستخط کیے۔"

یہی وجہ تھی کہ مولوی اسماعیل دہلوی جو حدیث و قرآن سے باخبر اور اس کے پابند تھے، اپنے ملک ہندوستان میں انگریزوں سے (جن کے امن و عہد میں رہتے تھے) نہیں لڑے اور نہ اس ملک کی ریاستوں سے لڑے ہیں۔ اس ملک سے باہر ہو کر قوم سکھوں سے (جو مسلمانوں کے مذہب میں دست اندازی کرتے تھے) کسی کو اونچی اذان نہیں کہنے دیتے تھے، لڑے۔“ لہ

جہاد حرام

درجہ نگہ کے ایک اہل حدیث لکھتے ہیں،

”حکام نے مولوی محمد حسین صاحب سے پوچھا کہ تمہارے مذہب میں سرکار سے جہاد درست ہے یا نہیں؟ تب انہوں نے ایک کتاب لکھی اور بہت علماء سے دستخط کرا کے بھیجی کہ ہم لوگ اہل حدیث کے مذہب میں بادشاہ سے جس کے امن میں رہتے ہیں، جہاد حرام ہے۔“ لہ

الاقتصاد کے علاوہ مولوی محمد حسین بٹالوی کی ادارت میں شائع ہونے والے جریدہ اشاعت السنۃ کی فائلیں گواہ ہیں کہ فرقہ اہل حدیث نے گورنمنٹ کے حضور کس کس طرح اپنی وفاداری کے ثبوت فراہم کیے ہیں،

”اشاعت السنۃ نے گورنمنٹ میں اہل حدیث کی وقعت کو جہاد دیا اور ان کی وفاداری کا ثبوت دے کر داغِ بغاوت جو دراصل ان کے دشمنوں کا اختراع تھا، مٹا دیا۔“ لہ

سٹیفکیٹ (اعزازی سند)

۱۳ مارچ ۱۹۷۷ء کے سٹیفکیٹ میں سر چارلس ایچ پین صاحب بہادر سابق نواب
لیفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب لکھتے ہیں:

”ابوسعید محمد حسین فرقہ اہل حدیث کے ایک سرگرم رکن مولوی اور فرقہ اسلام
کے وفادار اور ثابت قدم وکیل ہیں، ان کی علمی کوششیں لیاقت سے ممتاز ہیں،
وہ نیز ملکہ معظمہ کی وفادار رعایا میں سے ہیں۔“

اگر کوئی محقق ”انگریز اور اہل حدیث کی وفاداری“ کے عنوان پر اشاعت السنۃ کی بنیاد پر
تحقیقی مقالہ لکھنا چاہیے تو ضخیم مقالہ لکھ سکتا ہے اور اگر اس موضوع پر اس رسالہ کے متعلقہ
صفحات کے عکس ہی جمع کر دیئے جائیں، تو اچھی خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

مولوی محمد یونس خاں اہل حدیث، رئیس و ناؤلی، علی گڑھ نے مولوی محمد حسین بٹالوی کی
حمایت میں ایک مضمون لکھا تھا، اس کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں:

رفقار زمانہ سے واقف

”حقیقت میں مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب اہل حدیث کے فروت میں
پہلے وہ شخص ہیں جو زمانہ کی رفقار سے واقف ہوئے ہیں اور ٹھیکہ اسلام کی رو
سے ہمارے اور گورنمنٹ ملکہ معظمہ کے تعلقات کو سمجھے ہیں اور ان کو ظاہر کیا ہے
..... جب کہ تمام ملکہ بیچ اور تمام مذاہب کی رعایا حضور ملکہ معظمہ کی پنچاہ سالہ
جشن میں اظہار مسترت کر رہے ہیں۔ کیا صرف فرقہ اہل حدیث ہی ایسا ناسپاس
اور خیرہ ہو جاوے کہ اظہار خوشی سے سکوت اختیار کرے۔“

اشاعت السنۃ، ج ۱۰، شمارہ ۲۵، ص ۴۱

۱۷ محمد حسین دہلوی

اشاعت السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اول، ص ۲۲

۱۸ محمد یونس، اہل حدیث،

بٹالوی صاحب لکھتے ہیں،

”اس کارروائی کے پہلوؤں کو وہی لوگ خوب سمجھ سکتے ہیں جو پولیٹیکل امور کے سمجھنے کا دماغ رکھتے ہیں۔“ لہ

خوفناک انگریزی مظالم

احسان الہی ظہیر لکھتے ہیں،

”انگریزی استعمار نے ہندوستان کے مسلمانوں کا بساطِ حکومت لپیٹ دیا اور ۱۸۵۷ء میں ان کے خون بہائے، ان کی شوکت کو توڑا، ان کی قوت کو کمزور کیا ان کے علمبرکوں کو پھانسیوں پر چڑھایا، ان کے قائدین اور زعماء کو جلا وطن کیا۔“

اس میں شک نہیں کہ انگریز کے مظالم نے ہلا کو اور چنگیز کی رُوحوں کو شرمادیا، لیکن علمائے اہل حدیث، ملکہ وکٹوریہ کو مادرِ مہربان قرار دے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی شفیق ملکہ ہماری سلطنت ہی کے لیے بنائی ہے، تو اس نتیجہ میں وزن محسوس ہوتا ہے کہ ان حضرات نے نہ تو جنگِ آزادی میں حصہ لیا تھا اور نہ ہی موردِ عتاب بنے۔ انہوں نے تو اپنے دلی جذباتِ عقیدت سے گورنمنٹ کو اپنی وفاداری کا یقین دلا دیا تھا۔

مادرِ مہربان

مولوی محمد یونس اہل حدیث رئیس داتاؤلی لکھتے ہیں،

”ہم اپنی ملکہ مادرِ مہربان کی خوشی کے کیونکر ساتھ نہ ہوں؟ کون ملکہ؟ جس نے ہماری شوخ چشمیوں اور خیرہ سر یوں کو بالکل اپنے دل سے فراموش کر کے ضد

حاشیہ اشاعت السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اول، ص ۱۱

ص ۳۶

البرطانیہ

لہ محمد حسین بٹالوی،

ظہیر،

۱۵۷ء کے بعد پھر ہم کو خطِ آزادی دیا اور جس نے اپنی ایک نگاہ عنایت اور ایک دستخطی فرمان سے ہمارے خونوں کو معاف کیا، ہماری جانداویں واپس کیں۔“ لے

ملکہ ہماری سلطنت ہی کے لیے بنائی گئی ہے

”جب ایسی شفیق ملکہ پروردگار نے ہماری خوش قسمتی سے ہماری سلطنت کے واسطے بنائی ہے تو بتائیے کہ عقلاً و عرفاً و شرعاً کیونکر ہم اس کی خوشی کو اپنی خوشی نہ سمجھیں؟ اس کے رنج کو اپنا رنج تصور نہ کریں، اگر ہم ایسا نہ کریں تو ہم پرفرین ہے۔“ لے

ہم ڈنکے کی چوٹ پر گورنمنٹ کا ساتھ دیں گے

”اگر آپ کے دست و بازو میں قوت ہو جہاد کیجئے، مگر یاد رکھیے کہ ایسے صاحب کا ساتھ دو، ایک خارج از عقل ہی دیں گے اور میں اور میرے ساتھی تو ڈنکے کی چوٹ سے بادشاہِ وقت کا ساتھ دیں گے۔“ لے

ملکہ کی خیر خواہی میں جان دینا باعثِ فخر

اور یہ ہے کہ اپنی ملکہ کی خیر خواہی کے واسطے جس کی سلطنت میں لکھو گھبا فوائد ہم کو حاصل ہوتے ہیں، اپنی جان کھودینے یا بدخواہ کی جان لینے کو اپنا فخر

۱۷ محمد یونس، اہل حدیث، اشاعت السنۃ، ج ۱، شمارہ اول، ص ۲۴

ص ۳۱

ص ۲۲

۱۷ ایضاً،

۱۷ ایضاً،

سمجھتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے مجاہد بے وقوف تھے

”وہ لوگ اگر یہ ہمارے بزرگ یا قرابتی ہوں، بے وقوف اور نادان تھے، جنہوں نے
۱۸۵۷ء کے غدر کو برپا کیا تھا، اصل بات یہ ہے کہ وہ ہماری طرح اس سلطنت
کے فوائد سے واقف نہ تھے۔“ لہ

برٹش گورنمنٹ ہی میں ہماری ترقی ہے

”بہتر ہے وہ صاحب افغانستان میں سنت کی پیروی کا وعظ کہیں یا مکہ معظمہ
میں حدود شرعی کو ہماری کریں یا بخارا میں جو ایک مسلمانی ریاست روس کے ماتحت
ہے، اپنے کو غیہ مقلد ظاہر کریں۔ حضرت اس صورت میں یا تو آپ کا ہاتھ یا کان یا ناک
نہ ہو گا یا آپ خود نہ ہوں گے۔ برٹش گورنمنٹ ہی میں آپ کی ترقی چلتی ہے اور جگہ کی
مجال جو آپ اپنی زبان تک بلا سکیں۔“ لہ

مسلمانوں کو برٹش کا مطیع بنانا

ڈاکٹر ابو محمد جمال الدین، اہل حدیث، زکھوری، ضلع ساگر، زیر عنوان ”اس ایک مسئلہ
خلافت کے بیان کے بے انتہا فوائد ہیں“ لکھتے ہیں:

● مسلمانوں کو برٹش کا زیادہ مطیع بنانا، اس کے فوائد بھی واقفان معاملات
پولیسکل پر مخفی نہیں ہیں۔

● مسٹر بلنٹ (جو ترقی و بہی خواہ اسلام ہیں اور بہبودی اسلام کے کام کرنے میں

ساعی ہیں، کی مخالفت سے لوگوں کو باز رکھنا جس سے اتفاق اہل اسلام و ترقی
اسلام کی تدابیر میں رخصت اندازی نہ ہونے پاوے۔ ان میں سے ہر ایک فائدہ میں
اور بھی بے شمار فوائد ہیں۔ لہ

انعام و ن

اشاعت السنۃ کی فائلوں سے چند اقتباسات گزشتہ صفحات میں پیش کیے گئے ہیں جن
سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ اہل حدیث کے وکیل مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنی پوری
جماعت کو انگریز حکومت کے دامن مہر و وفا سے وابستہ رکھا، یہاں تک کہ گورنمنٹ نے نہ صرف
ان کی وفاداری کا کھلے دل سے اعتراف کیا بلکہ اظہارِ خوشنودی کے طور پر انعامات سے بھی مالا مال کیا۔

مولوی محمد حسین بٹالوی اپنی وصیت میں لکھتے ہیں:

”ارضی جو خدا تعالیٰ نے گورنمنٹ سے مجھے دلائی ہے، چار مربع ہے“

مسعود عالم ندوی (اہل حدیث) لکھتے ہیں:

”ہندوستان کی جماعت اہل حدیث موجودہ شکل میں نمایاں ہوئی اور ان کے سرگروہ
مولوی محمد حسین بٹالوی نے سرکارِ انگریزی کی اطاعت کو واجب قرار دیا اور صدیہ کہ وقت
کے بعض مشہور حنفی علماء (مولانا فضل حق خیر آبادی اور حاجی امدا اللہ صاحب مہاجر مکہ
کو سرکار سے بغاوت کے طعنے دیئے۔“ لہ

انعام منے کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”مولوی محمد حسین بٹالوی نے جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ (الاقتصاد فی مسائل
الجہاد) فارسی زبان میں تصنیف فرمایا تھا اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی

اشاعت السنۃ، ج ۷، شماره ۸، ص ۲۲۷

لہ ابو محمد جمال الدین

اشاعت السنۃ، ج ۱۹، شماره ۹، ص ۲۷۷

لہ محمد حسین بٹالوی

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۸-۲۷

لہ مسعود عالم ندوی

شائع کرائے تھے۔ معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس کے معاوضے میں سرکار
انگریزی سے انہیں "جاگیر" بھی ملی تھی۔ اس رسالہ کا پہلا حصہ ہمارے پیش نظر ہے
پوری کتاب تحریف و تدلیس کا عجیب و غریب نمونہ ہے۔" لہ

بٹالوی صاحب نے اپنی پوری قوم کو اس رنگ میں رنگ دیا تھا۔

"اس رسالے (الاقتصاد) میں جہاد کو منسوخ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی
ہے۔۔۔۔۔ اردو، انگریزی، عربی میں اس کے ترجمے بھی شائع ہوئے اور انگریزی
اور اردو ترجمے سرچارلس ایچی سن اور سزیمس لائل گورنران پنجاب کے نام معنون
کیے گئے۔۔۔۔۔ اللہ مرحوم کی مغفرت کرے، اس کتاب پر انعام سے بھی
سرفراز ہوئے تھے، جماعت اہل حدیث کو فرقہ کی شکل دینے میں ان کا حصہ ہے
اور یہ ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اس سادہ لوح فرقے میں وفاداری کی خوب پیدا
کی۔" لہ

واقعہ بھی یہ ہے کہ انگریز اپنے وفاداروں کو نوازنے میں بخل سے کام نہیں لیتا تھا،
اُس نے اپنے وفاداروں کو نوازا اور خوب نوازا۔ امام احمد رضا بریلوی پران کے مخالفین
شدید سے شدید تر الزامات عائد کرنے سے نہیں چوکتے، لیکن آج تک بڑے سے بڑا مخالف
یہ ثابت نہیں کر سکا کہ انہیں یا اُن کے صاحبزادوں کو گورنمنٹ نے شمس العلماء کا خطاب دیا
ہو، کوئی جاگیر یا کوئی انعام دیا ہو؟ پھر یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ وہ انگریز کے حمایتی یا وظیفہ خوار
تھے اور انگریز کے سب سے بڑے دشمن علماء اہل حدیث تھے؟

میاں نذیر حسین دہلوی

میاں صاحب ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء میں بہار کے ایک گاؤں سورج گڑھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء میں دہلی میں فوت ہوئے۔ لہ طویل عمر پائی۔ نلا منہ کی بڑی تعداد کا چھوڑی، اہل حدیث میں شیخ الکمل کے لقب سے مشہور ہوئے۔ برٹش گورنمنٹ کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب ملا۔

پہلا دور

میاں صاحب کے استاد اور خسر مولانا عبدالخالق دہلوی اور دوسرے استاد شاہ محمد اسحاق دہلوی حنفی تھے اور غیر مقلدین کے طرز عمل کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ نواب محمد قطب الدین نے ۱۲۸۵ھ میں ایک کتاب تحفۃ العرب و العجم کے نام سے لکھی، اس میں لکھتے ہیں،

”اُس وقت میں جناب مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم اور مولوی محبوب العلی صاحب مرحوم اور مولوی عبدالخالق صاحب مرحوم دہلی میں موجود تھے اور یہ صاحب ایسے لوگوں (غیر مقلدین) سے بہت ہی ناراض رہتے تھے اور ان کے کلمات سن کر چہرہ مبارک سُرخ ہو جاتا تھا اور فرماتے تھے کہ پھر یہ لوگ ضال (گمراہ) ہیں اور مولوی محبوب العلی صاحب ایسے لوگوں (کو) بہتر فرقہ کا ملعوبہ فرماتے تھے اور قلع قمع ان لوگوں کا بوجہ احسن کرتے تھے۔ اور مولوی عبدالخالق صاحب بھی ان کا رد و کد

بوجہ احسن فرماتے تھے اور خوب ان کی گت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ
چھوٹے رافضی ہیں۔“ لے

اس وقت میاں صاحب بھی حنفی تھے اور غیر متقلدین کے رد میں سعی بلیغ کرتے تھے۔
نواب صاحب لکھتے ہیں:

”منجملہ ان کے سید نذیر حسین صاحب نے بھی دفع اس فتنہ میں بہت سعی کی
کہ مولوی حقی اور عبدالمجید پوربی سے اس باب میں بہت گفتگو کر کے ان کو ساکت کیا
بلکہ ان کے جوابات شکوک میں ایک رسالہ لکھا اور اس میں تعریفیں امام صاحب
کی اور حقیقت اپنے مذہب حنفی کی اور جواب مخالفین کے اور موجودیت مذہب غیر کی بیان کی
اور روایۃ اہل حدیث پر جو خلاف اہل حدیث متمسک مذہب حنفی کی ہیں۔ جرح و قدح
بوجہ احسن فرما کر ان کو ضعیف بتایا اور بار بار اپنی زبان مبارک سے ان لا مذہبوں
کو رافضیوں کا بھائی کہا۔“ لے

ایک وقت تھا کہ میاں صاحب دل و جان سے احناف کا ساتھ دیتے تھے اور غیر متقلدین
کا زبانی اور قلمی رد کرتے تھے۔ نواب صاحب لکھتے ہیں:

”اس بلا کے دفع میں سید نذیر حسین صاحب بجاں و دل ہمارے ساتھ رہے
حتیٰ کہ تنزیر العینین کے مضامین کے رد میں جس کو لوگ منسوب مولانا اسمعیل کی طرف
کرتے ہیں۔ مدلل ایک رسالہ عربی میں لکھا اور سورۃ فاتحہ کے نہ پڑھنے میں پیچھے
امام کے بھی ایک رسالہ لکھا اور اخصاف آئین اور عدم رفع یدین وغیرہ میں بھی خوب
خوب عبادتیں اور روایتیں لکھیں اور لکھا کہ عدم رفع یدین نماز میں احق ہے اور رفع
منسوخ اور مذہب حنفی کی بہت سی تعریفیں لکھیں، چنانچہ وہ اب تک میرے ایک

لے محمد قطب الدین دہلوی، نواب، تحفۃ العرب والعجم (مطبع حسنی، دہلی)، ص ۲-۳

ص ۴

لے ایضاً

دوست کے پاس موجود ہیں۔ ۱

اس وقت میاں صاحب دعوائے سے کہتے تھے کہ مذہبِ حنفی قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ نواب قطب الدین لکھتے ہیں:

”اور چونکہ سید صاحب اس فقیر سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ ہر جمعہ کو میرے ہاں آتے اور بار بار فرماتے کہ ہم اور تو کچھ جانتے نہیں، ہم کو کوئی بتا دے کہ فلاں مستند حنفیہ کا خلاف قرآن یا حدیث کے ہے۔ دیکھو تو ہم کیسا قرآن و حدیث سے ثابت کرتے ہیں۔ ۲

دوسرا دور

طالب علمی کے دور میں ہی میاں صاحب کے مزاج میں آزاد روی کے آثار پائے جاتے تھے، اسی لیے ایک موقع پر شاہ محمد اسحاق نے کہا تھا،

”اس لڑکے سے وہابیت کی جھلک آتی ہے۔“ ۳

پچاس سال کی عمر تک حنفی رہنے کے بعد اس وقت رنگ بدلا، جب جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز ہندوستان میں اپنے قدم جما چکا تھا، ابتداءً غیر مقلدین کی نشست میاں صاحب کے ہاں رہتی تھی، ان کے ہاں حلقہ جمتا تھا۔

”بعد غدر کے لافذہبوں نے یہ پیرایہ اختیار کیا کہ سید نذیر حسین صاحب کے پاس حلقہ باندھ باندھ کر بیٹھنا شروع کیا۔ کیا مسجد میں، کیا ان کے مکان پر، اور جب کوئی بات لافذہب کی منہ سے نکالیں یا عمل کریں تو حوالہ سید صاحب کا

۱۔ محمد قطب الدین، نواب، تحفۃ العرب و انجم، ص ۵

۲۔ ایضاً، ص ۶-۵

۳۔ فضل حسین بہاری، الحیاة بعد الہماة (مکتبہ شعیب، کراچی) ص ۵

دے دیں، ہم لوگ ان کو جھٹلاویں کہ تم جھوٹے ہو، وہ ایسے ہرگز نہیں ہیں —
 اور جو کوئی صاحب، سید صاحب سے ان کا مقولہ کہے کہ وہ آپ کا حوالہ دیتے ہیں،
 تو سید صاحب یہی فرماویں کہ وہ جاہل ہیں، اُن کا کیا اعتبار؟
 آخر نوبت یوں جا رسید کہ اماموں پر اور ان کے اتباع پر کھلم کھلتا تبرے ہونے
 اور اِتَّخَذُوا اٰحْبَارَهُمْ کے مصداق لگے ٹھہرانے لے

میاں صاحب کا ایک طرف احتیاج اساتذہ ملاحظہ ہو:

”بیان مسائل میں بھی انہیں بزرگوں کے اقوال سے سند لاتے اور فرماتے
 ”ہمارے حضرات یوں فرماتے ہیں“ اس پر کوئی آزاد طبع طالب علم اگر کہہ دیتا کہ حضرات
 کا کہنا سند نہیں ہو سکتا، جب تک قرآن و حدیث سے سند نہ دی جائے، تو بہت
 خفا ہو کر فرماتے ”مردود! کیا یہ حضرت اگھس کٹے تھے، ایسی ہی اڑان گھائی اڑتے تھے“
 دوسری طرف ائمہ مجتہدین سے بے اعتنائی کا یہ عالم:
 ”آپ جب کوئی حدیث صحیح فرماتے اور کوئی شخص اس کے معارض کسی ائمہ مذہب
 کا قول پیش کر دیتا، تو برہم ہو کر فرماتے۔ سنو! یہ بزرگ ہم سے بڑے، میرے باپ
 سے بڑے، دادا سے بڑے، مگر رسول خدا سے بڑے نہیں۔“ لے

اس کا مطلب سوائے اس کے کیا ہے کہ ائمہ مجتہدین ساری عمر گھاس کاٹتے رہے تھے،
 اسی لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے خلاف احکام بیان کر دیتے تھے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ
 میاں صاحب کے اساتذہ شاہ محمد اسحاق اور مولانا عبدالخالق وغیرہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کے مقلد اور حنفی تھے۔

۶ ص	تحفة العرب للعجم	۱۔ محمد قطب الدین، نواب،
۲۳ ص	الحياة بعد الممات	۲۔ فضل حسین بہاری،
	۲۸۵ ص	۳۔ ایضاً،

پھر تو میاں صاحب نے کھل کر تقلیدِ ائمہ کا لبادہ اتار دیا اور غیر مقلدین کے امام کہلاتے
نواب محمد قطب الدین لکھتے ہیں:

”لامذہبوں نے نہ مانا اور لامذہبی میں زیادہ مصر بہوتے اور نشست و برخاست
سید صاحب (کے) پاس زیادہ رکھنے لگے اور سید صاحب کو ایسا اور غلانا اور اپنی
ساتھ سانٹھا کہ سید بھی ان کی ممنونی و مشکوری میں لٹوین کر ان کی حمایت کرنے لگے
اور کہنے لگے کہ میں تو بیس، بائیس برس سے ایسا ہی تھا، پر کسی کو معلوم نہ تھا اور میں کیا
کروں، مجھ کو تو یو نہی سوجھتی ہے۔“ لہ

میاں نذیر حسین دہلوی کو روایت اور ترک تقلید کی راہ پر لگانے میں سر سید کا بھی ہاتھ
تھا۔ پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

”سر سید احمد خاں ایک ممتاز اہل حدیث عالم مولانا محمد ابراہیم آروی کو اپنے
ایک مکتوب مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۱۵ء میں لکھتے ہیں:
جناب سید نذیر حسین دہلوی صاحب کو میں نے نیم چڑھا و ہابی بنا یا ہے۔
وہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے، مگر اس کو سنت ہدیٰ جانتے تھے۔ میں
نے عرض کیا کہ نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو آپ نیک جانتے ہیں، لوگوں کے
خیال سے اس کو نہیں کرتے۔ جناب مدوح میرے پاس تشریف لائے تھے۔
جب یہ گفتگو ہوئی، میں نے سنا کہ میرے پاس سے اٹھ کر وہ جامع مسجد میں
عصر کی نماز پڑھنے گئے اور اُس وقت سے رفع یدین کرنے لگے۔“ لہ

نواب محمد قطب الدین نے تنویر الحق اور توفیر الحق کے نام سے دو رسالے لکھے جن میں مذہب
حنفی کو قرآن و حدیث اور اجماع کے دلائل سے ثابت کیا اور امام معین کی تقلید کی ضرورت کو واضح

لہ محمد قطب الدین، نواب، تحفۃ العرب والعجم ص ۶-۷

لہ محمد ایوب قادری، پروفیسر، بگ گل، سر سید نمبر، نقش ثانی (اردو کالج، کراچی) ص ۶-۷-۲۸۵

کیا۔ میاں صاحب نے ان کے جواب میں معیار الحق نامی کتاب لکھی،
 اسے سوتنور الحق کے جواب میں رسالہ معیار لکھا کہ اس سے تمام متقدمین کیا اولیاً
 اور کبار علماء و صلحاء، متقدمین و متاخرین مشرک و بدعتی ٹھہرے، سید صاحب کی
 ذات سے بعید ہے کہ ایسے واسیات لکھیں اگرچہ اس کام سے وہ امصار و
 دیار میں ایسے پلم و خوار ہوتے ہیں کہ حاجت بیان کی نہیں، پر اس کو بھی انہوں
 نے اپنا نام دکھو دیکھا۔

نواب صاحب ائمہ مجتہدین کی راہ سے برگشتہ لوگوں کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں
 ”افسوس صد افسوس! ان لوگوں سے کہ مذہب مجتہدین خیر القرون کا چھوڑ کر تابع داری
 غیر مجتہدنا فہم اس زمانہ فساد انگیز کی کرتے ہیں اور زبان طعن کی اکا بر دین پر دن رات
 جاری رکھتے ہیں۔ بیت سے

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
 میلش اندر طعنہ پا کاں زند

انعام یافتہ وفادار

دیگر علماء اہل حدیث کی طرح میاں صاحب بھی برٹش گورنمنٹ کے دل و جان سے
 وفادار تھے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں پاس وفاداری کی خاطر حصہ نہ لیا۔ ان کے سوانح نگار
 نے جلی سرنجی قائم کی ہے،

”گورنمنٹ انگلشیہ کے ساتھ وفاداری (لوائٹی) تھے

۷ ص	تحفة العرب و العمم	۷ ص	۱۲۲ ص
		۱۱ ص	
		الحیة بعد الممات	
			۱۲۲ ص

اس شہ سمرخی کے تحت سوانح نگار لکھتے ہیں:

”حج کو جاتے وقت بھی جو چھٹی کمشنر دہلی وغیرہ نے میاں صاحب کو دی تھی، اس کی نقل سفر حج کے بیان میں ہدیہ ناظرین کی جائے گی، مگر اسی کے ساتھ یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ میاں صاحب بھی گورنمنٹ انگلشیہ کے کیسے وفادار تھے، زمانہ عد ۱۸۵۷ء میں جبکہ دہلی کے بعض مقتدر اور بیشتر معمولی مولویوں نے انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ دیا، تو میاں صاحب نے نہ اس پر دستخط کیا نہ مہر۔ وہ خود فرماتے تھے کہ ”میاں وہ بگڑتھا، بہادر شاہی نہ تھی۔ وہ بیچارہ بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا۔؟“
حضرات الارض خانہ براندازوں نے تمام دہلی کو خراب کیا، ویران، تباہ اور برباد کر دیا، شرائط امارت و جہاد بالکل مفقود تھے، ہم نے تو اس فتوے پر دستخط نہیں کیا، مہر کیا کرتے اور کیا لکھتے؟ مفتی صدر الدین خاں صاحب چکڑ میں آگئے۔
بہادر شاہ کو بھی بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے، مگر وہ باغیوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہو رہے تھے، کرتے تو کیا کرتے؟ لہ
یہ وہ چیختے ہوئے حقائق ہیں جو خود بخود سب کچھ ظاہر کر رہے ہیں، واقعات کو توڑ مروڑ کر ان سے من مانے نتائج نہیں نکالے گئے۔

حالتِ جنگ میں درس جاری رہا

جن حضرات نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں کسی طور پر بھی حصہ لیا۔ سقوطِ دہلی کے وقت ان پر نزع کی کیفیت طاری تھی، لیکن میاں صاحب پورے اطمینان کے ساتھ درس و تدریس میں مصروف تھے۔ اگر اس جنگ میں ان کا کوئی حصہ ہوتا یا انہیں کسی قسم کا خطرہ دامن گیر ہوتا تو حالت دگرگوں ہوتی۔

”دوسرے امتحان میں ۱۸۵۷ء کے غدر میں آپ کامیاب ہوئے جس زمانے میں مولانا عبداللہ غزنوی قدس سرہ آپ سے صحیح بخاری پڑھتے تھے اور صحن مسجد کے اوپر سے توپ کے گولے دنا دن گزرتے تھے، یہاں تک کہ ایک وز ایک گولہ حالتِ سلق میں آکر گرا، مگر نہ آپ (میاں صاحب) ہراساں ہوئے اور نہ صحیح بخاری کو بند کیا اور جب تک انگریزوں نے دلی کو فتح کر کے اہل دلی کو نکال نہ دیا، آپ نے جان کے خوف سے دلی نہ چھوڑی۔“ ۱

جہاد باعثِ ہلاکت و معصیت

میاں صاحب کے فتوؤں کے مجموعہ فتاویٰ نذیریہ کی کتاب الامارۃ والجهاد میں ایک سوال یہ ہے کہ جہاد فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ میاں صاحب نے جواب دیا کہ جہاد فرض کفایہ ہے، مگر جہاد کی کئی شرطیں ہیں، جب تک وہ نہ پائی جاتیں گی، جہاد نہ ہوگا۔ پھر فرضیتِ جہاد کی چار شرطیں بیان کی ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں:

”پس جب یہ بات بیان ہو چکی، تو میں کہتا ہوں کہ اس زمانے میں ان چار شرطوں میں سے کوئی شرط موجود نہیں، تو کیونکر جہاد ہوگا ہرگز نہیں۔“ ۲

خاص طور پر انگریزی اقتدار کے دور میں جہاد کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”علاوہ بریں ہم لوگ معاہدہ ہیں، سرکار سے عہد کیا ہوا ہے، پھر کیوں کر عہد کے خلاف کر سکتے ہیں؟ عہد شکنی کی بہت مذمت حدیث میں آئی ہے۔“ ۳

ایک سائل نے سوال کیا کہ ہندوستان میں جہاد یا تازہ ہے یا نہیں؟ میاں صاحب جواب

۱۔ فضل حسین بہاری، الحیاة بعد المماتہ ص ۲۴۷

۲۔ چند روزہ تقاضے، لاہور، ۱۸۵۷ء کا جہاد نمبر (جوالہ فتاویٰ نذیریہ، مطبوعہ لاہور، ج ۲، ص ۲۸۴)

۳۔ ایضاً، فتاویٰ نذیریہ، ج ۲، ص ۲۸۴

میں جہاد کے جانور ہونے کی دو شرطیں بیان کر کے لکھتے ہیں:

”ہندوستان میں شوکت و قوت اور قدرت سلاح و آلات مفقود ہے اور ایمان

پیمان یہاں موجود ہے۔ پس جبکہ شرط جہاد کی اس دیا میں معدوم ہوئی، تو جہاد کرنا

یہاں سبب ہلاکت اور معصیت کا ہوگا۔“ ۱

کتنی صراحت کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ موجودہ حالات میں نہ صرف یہ کہ جہاد نہیں کیا جاسکتا،

بلکہ جہاد کرنا گناہ ہے۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”مفلس پر اعانت مال نہیں، بے دست و پا پر اعانت اعمال نہیں و لہذا

مسلمانان ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں۔“ ۲

اس عبارت کا مطلب سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ مسلمانوں پر موجود بے بسی کے

عالم میں جہاد فرض نہیں ہے۔ دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں:

”رہا جہاد سنانی (نیزے اور ہتھیاروں سے جہاد) ہم اور پر بیان کر چکے ہیں کہ نفوس

قرآنِ عظیم ہم مسلمانان ہند کو جہاد برپا کرنے کا حکم نہیں اور اس کا واجب بتانے والا

مسلمانوں کا بدخواہ مبین۔“ ۳

امام احمد رضا بریلوی نے جہاد کے ناجائز اور حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ

مسلمانوں میں طاقت نہیں، لہذا جہاد واجب نہیں، اس فتوے کی بناء پر کیسے کیسے الزامات لگائے

گئے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں!

”مسلمانوں میں مشہور کیا گیا کہ وہ انگریزی استعمار کے ایجنٹ اور ان کے لیے

کام کر رہے ہیں۔“ ۴ (ترجمہ)

بحوالہ فتاویٰ ندویہ ج ۲، ص ۵-۲۸۴

۱۔ پندرہ روزہ تعاضے، لاہور

دوام العیش (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۴۶

۲۔ احمد رضا بریلوی، امام،

رسائل رضویہ (مکتبہ جامعہ، لاہور) ج ۲، ص ۲۰۸

۳۔ ایضاً،

البریلویہ ص ۴۳

۴۔ ظہیر

مزید زرقی کرتے ہوئے کہا جاتا ہے،

”یہی بات ہندوستان میں انگریزی استعمار کے ایجنٹ اور بریلوی کے ہم عصر

قادیانی نے کہی (ترجمہ)۔

اگر انصاف و دیانت کا کوئی حصہ دل کے کسی گوشے میں موجود ہے۔ اور خوفِ آخرت کا معمولی سا عکس بھی آئینہ قلب پر جلوہ فگن۔ تو انصاف سے بتائیے کہ فتویٰ کی یہ زبان میاں نذیر حسین دہلوی کے بارے میں کیوں نہ استعمال کی جائے جو صرف جہاد کو ناجائز ہی نہیں بلکہ گناہ قرار دے رہے ہیں، مولوی محمد حسین بٹالوی پر یہ فتویٰ کیوں نہ لگایا جائے جو نہ صرف مسلمانانِ ہند پر جہاد کو حرام قرار دے رہے ہیں، بلکہ ان کے نزدیک دنیا کے کسی بادشاہ کا گورنمنٹ سے جہاد جائز نہیں جیسے کہ اس سے پہلے اوراق میں گزر چکا۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اس حکم میں کیوں داخل نہیں، وہ تو حکومت کے وفادار اور جہاد کو حرام قرار دیتے ہیں جیسا کہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

انگریزی میم کی حفاظت

مولوی فضل حسین بہاری لکھتے ہیں:

تین حالتِ غدر میں جبکہ ایک ایک بچہ انگریزوں کا دشمن ہو رہا تھا، مسز لیسنس ایک زخمی میم کو میاں صاحب رات کے وقت اٹھوا کر اپنے گھر لے آئے پناہ دی، علاج کیا، کھانا دیتے رہے۔ اس وقت اگر ظالم باغیوں کو خبر بھی ہو جاتی تو آپ کے قتل اور خانماں بربادی میں مطلق دیر نہ لگتی۔ کٹرہ اس پر یہ تھا کہ پنجابی کٹرہ والی مسجد کو تغلبا باغی دخل کئے ہوئے تھے، اسی میں اس میم کو چھپانے ہوئے تھے، مگر ساڑھے تین مہینے تک کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ حویلی کے مکان میں کئے

آدمی ہیں

تین مہینوں کے بعد جب پوری طرح امن قائم ہو چکا، تب اس نیم جاں مہم کو جو اب بالکل تندرست و توانا تھی، انگریزی کیمپ میں پہنچا دیا جس کے صلے میں مبلغ ایک ہزار تین سو روپیہ اور مندرجہ ذیل سارٹیفکیٹس ملیں یہ

عین اُس وقت جب مجاہدین پر قیامت گزر رہی تھی، میاں صاحب جان پر کھیل کر مہم کی جان بچاتے ہیں، ساڑھے تین ماہ تک بحفاظت اپنے گھر پر رکھتے ہیں اور جنگ کے خاتمے پر اسے انگریز کے حوالے کر کے ایک ہزار تین سو روپیہ جو موجودہ دور کے ایک لاکھ تیس ہزار روپے سے کسی طرح کم نہ ہوں گے، بہ طور انعام وصول کیے، حالت جنگ میں معمولات تدریس حسب معمول جاری ہے، اس کے باوجود انہیں استعماری انگریزی کا دشمن اور عظیم مجاہد قرار دیا جائے تو یہ تاریخ کے ساتھ بہت بڑی نالصافی ہوگی۔

مشہور مورخ غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

یہ بھی صحیح ہے کہ میاں نذیر حسین مرحوم نے ایک زخمی انگریز عورت کو جو بے بس پڑی تھی، اٹھا کر اپنے ہاں علاج کیا تھا، وہ تندرست ہو گئی اور اُسے اُس کی خواہش کے مطابق دہلی کا محاصرہ کرنے والی انگریزی فوج کے کیمپ میں پہنچا دیا تھا، مگر اس کا صلہ کچھ نہیں لیا تھا اور کہا تھا یہ میرا اسلامی فرض تھا۔
حیرت ہے کہ میاں صاحب ایک ہزار تین سو روپے اور تعریفی سٹیفکیٹ وصول کریں، شمس العلماء کا خطاب بھی پائیں، اس کے باوجود مہر صاحب کہتے ہیں کہ اس کا صلہ کچھ نہیں لیا تھا۔ کیا یہ سب کچھ اسلامی فرض کی ادائیگی کے ضمن میں آئے گا؟

۱۷۷ ص	الحياة بعد الممات	۱۷۷ ص
۲۶۷ ص	البرطوية	۲۶۷ ص
۲۳۶ ص	اقادات مہر (شیخ غلام علی، لاہور)	۲۳۶ ص

۱۷۷ ص
۲۶۷ ص
۲۳۶ ص

سٹیفکیٹ (اعزازیہ سند)

میاں صاحب کو مسز لیسنس کی حفاظت کے بدلے میں نہ صرف نقد انعام ملا بلکہ تعریفی سٹیفکیٹ بھی جاری کیے گئے۔ ذیل میں ایک سٹیفکیٹ کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے اس سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ اس کے علاوہ بھی متعدد سٹیفکیٹ وصول کیے گئے تھے۔

دہلی : مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۸۷۷ء

از : ڈبلیو جی واٹر فیلڈ انی شینگ کشنر

مولوی نذیر حسین اور ان کے بیٹے شریف حسین اور ان کے دوسرے گھر والے غدر کے زمانے میں مسز لیسنس کی جان بچانے میں ذریعہ ہوتے۔ حالت مجروحی میں انہوں نے ان کا علاج کیا۔ ساڑھے تین مہینے اپنے گھر میں رکھا اور بالآخر دہلی کے برٹش کیمپ میں ان کو پہنچا دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کی انگریزی سٹیفکیٹس ایک آتش زدگی میں جو ان کے مکان واقع دہلی میں ہوئی تھی، جل گئیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ان کا کہنا بہت ہی قریں امکان ہے۔ غالباً ان کو جنرل نیو ایل چیمبر لین، جنرل برنارڈ اور کرنل سائٹرو وغیرہم سے سٹیفکیٹس ملی تھیں۔ مجھ کو وہ واقعات اور مسز لیسنس کا کیمپ میں آنا اچھی طرح یاد ہے۔

ان لوگوں کو اس خدمت کے صلہ میں مبلغ دو سو اور چار سو روپیہ ملے تھے، مبلغ سات سو روپیہ بابت تاوان منہدم کیے جانے مکانات کے ان لوگوں کو عطا کیے گئے۔ یہ لوگ ہماری قوم سے حسن سلوک اور الطاف کے مستحق ہیں۔“ لے

راولپنڈی کی نظر بندی

فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر وفاداری کے باوجود میان صاحب کو گرفتار کر کے ایک سال تک راولپنڈی میں نظر بند کیوں رکھا گیا؟ اس کا ایک جواب جو حقائق پر نہیں بلکہ محض عقیدت پر مبنی ہے اور "میریاں بھی پرانند" کا مصداق ہے، یہ ہے:

"آخر میں انگریزوں نے وہابیہ کے خلاف کارروائی میں، اہل حدیث کے امام کبیر اور

ان کے قائد ذرعیہ، شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی کی گرفتاری کا فیصلہ کیا

لیکن وہ ان کی علمی ہیبت، بلند مقام اور مسلمانوں میں اثر و نفوذ سے خائف تھے،

اس لیے ان کے معاملے میں مجبور ہو گئے تاکہ مسلمان بھڑک نہ اٹھیں اور قیامت

نہ آجائے، اس لیے کچھ عرصہ کی قید کے بعد انہیں رہا کرنا پڑا۔" (ترجمہ)

لیکن حقائق کسی دوسری سمت اشارہ کر رہے ہیں۔ سر دست ایک سرٹیفکیٹ کا مطالعہ

کیجئے جو حقیقت حال کے جاننے میں معاون ثابت ہوگا۔

مؤرخہ، ۱ ستمبر ۱۸۸۱ء

از، میجر جی۔ ای۔ ینگ کمشنر

میں نے اس سرٹیفکیٹ کی اصل کو ملاحظہ کیا ہے (جو اس سے پہلے نقل کیا

جا چکا ہے)، اور مسز لیسنس سے بھی مجھ کو وہ حالات معلوم ہوئے ہیں جو اس میں

مندرج ہیں، یہ امر قرین امکان ہے کہ مولوی نذیر حسین اور شریف حسین کے بیان

کیے ہوئے حالات نے مخالفوں کو ان کا دشمن بنا دیا ہے۔" لے

ساتھ سے تین ماہ تک انگریزی میم کو پناہ میں رکھا گیا، اس وقت تو مجاہدین کو کانوں کان

ص ۳۸

السبریلویۃ

لہ ظہیر

ص ۱۳۲

الحیاء بعد الممات

لہ فضل حسین بہاری

خبر نہ ہوتی، تاہم بعد میں یہ خبر چھپی نہ رہ سکی، اس لیے جنگِ آزادی کے جیالوں کا برم بنویشینی تھا۔ اس سے قبل گزر چکا ہے کہ پنجاب کے انگریزی اقتدار میں آجانے کے بعد سرحد میں مقیم ”مجاہدین“ کو کارروائی کے ختم کرنے کا حکم دیا گیا، کیونکہ انگریز کا مقصد پوراہو چکا تھا اور اس حکم پر عمل کرنے کے لیے ہندوستان کے مختلف علاقوں سے سرحد جانے والے چندہ پر پابندی لگادی گئی اور تشدد اس قدر بڑھا کہ اہل سرحد کے ساتھ خط و کتابت رکھنے والوں پر بھی مقدمے قائم کر دیئے گئے۔ اسی ضمن میں میاں صاحب کی بھی مخبری کر دی گئی کہ یہ بھی سرحد والوں سے خط و کتابت رکھتے ہیں، ”میاں صاحب پر بھی مواخذہ ہوا جو صرف مخبروں کی غلط خبر رسانی اور اہل کاروں کی غلطی پر مبنی تھا اور آپ تحقیقاتِ کامل کم و بیش ایک برس تک راولپنڈی کے جیل میں نظر بند رہے۔“

دہلی میں میاں صاحب کے مکان اور مسجد کی جب تلاشی ہوئی، تو دوسروں (اہل سرحد) کے بھیجے ہوئے خطوط بہ تعداد کثیر بے ٹھکانے دری پر، چٹائی پر، دری کے نیچے، چٹائی کے نیچے، پار پائی کے نیچے، کتابوں میں پائے گئے۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ہاں اس قدر بہ کثرت خطوط کیوں آتے ہیں؟ آپ نے کہا کہ وجہ اس کی تو بھینجے والوں سے پوچھنی چاہیے یا ان خطوط میں دیکھنا چاہیے۔“ لے خطوط دیکھے گئے ان میں کوئی ایسی بات نہیں ملی جس سے انگریز کی مخالفت یا حکمِ عدولی کا سراغ مل سکے،

”خطوط جو پڑھے گئے تو ان میں اس کے سوا کیا دھرا تھا کہ فتویٰ کا سوال ذیل میں درج ہے۔ حضور اس کا جواب جلد ہیج دیں۔ فلاں مستے میں کیا حکم ہے۔“ وغیرہ وغیرہ۔“

ظاہر ہے ان خطوط میں انگریز دشمنی کا کوئی مواد نہ تھا۔ اس کے برعکس اس قسم کا کوئی فتویٰ مل سکتا تھا، پوچھا گیا کہ مولوی عبداللہ صاحب جو علاقہ خراسان میں ہیں، وہ امام وقت میں یا نہیں؟ یہ عبداللہ صاحب "مجاہدین کے امیر تھے۔ میاں صاحب نے جواب میں امام اکبر کی شرائط بیان کرنے کے بعد لکھا،

"اب میں کہتا ہوں کہ مولوی عبداللہ جو علاقہ خراسان میں ہیں بسبب فقدان شرطِ اول کے یعنی قریشی نہ ہونے کے امام نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ انصاری ہیں۔" لہٰذا جب میاں صاحب، عبداللہ صاحب کو امام ہی تسلیم نہیں کرتے، تو ان سے ربط و ضبط یا مالی امداد کیا معنی رکھتی ہے اور انگریز کو کھٹک کیوں باقی رہتی؟

"الغرض بعد تحقیقات کامل یہ بات روز روشن کی طرح کھل گئی کہ ان پر مواخذہ محض ناجائز ہے اور یہ بالکل بری الذمہ ہیں، اس لیے رہا کر دیئے گئے۔"

یہ باتیں ہیں جو میاں صاحب کے ظاہر باطن کے یکساں ہونے پر دلالت کرتی ہیں، وہ جس طرح ۱۸۵۷ء میں مسز لیسنس کی جان بچانے سے وفادار ثابت ہوئے تھے، اسی طرح ۱۸۶۴-۶۵ء کے مقدمہ بغاوت میں بھی بے لگاؤ ٹھہرے کہا جاتا ہے،

"جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کو انگریزوں نے غدر کا نام دیا۔" (ترجمہ) ۳

حالانکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ میاں صاحب کے اہل حدیث سولخ نگار بھی اس جنگ کو غدر ہی قرار دے رہے ہیں، خود میاں صاحب کہتے تھے،

"میاں وہ ہلڑ تھا، بہادر شاہی نہ تھی۔" ۴

۱۔ فتاویٰ نذیریہ (بجوالہ پندرہ روزہ تقاضے، لاہور، ۱۸۵۷ء کا جہاد) ج ۳، ص ۲۸۲

۲۔ فضل حسین بہاری؛ الحیاة بعد المماتہ ص ۱۳۷

۳۔ ظہیر؛ البریلویہ ص ۳۷

۴۔ فضل حسین بہاری؛ الحیاة بعد المماتہ ص ۱۲۵

اس عنوان پر اگر علمائے اہل حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے، تو ایک مبسوط مقالہ تیار کیا جاسکتا ہے۔ یاد رہے کہ اس سے پہلے جو سرٹیفکیٹ نقل کیے جا چکے ہیں، وہ اس مقدمہ کے بعد کے ہیں۔

سفر حج اور کشنزدہلی کی چٹھی

۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء میں میاں صاحب نے حج کا ارادہ کیا اور اس خیال سے کہ مخالفین جس طرح ۱۸۶۴ء کے مقدمہ میں غلط بیانی سے الجھا چکے ہیں، کہیں اس سفر میں بھی پریشان نہ کریں کشنزدہلی سے مل کر یہ صورت حال بیان کی۔ کشنزدہلی نے ایک چٹھی انہیں دینی جو اُن کی وفاداری کا سرٹیفکیٹ تھی اور وہ یہ تھی:

”مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بڑے مقتدر عالم ہیں، جنہوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے۔ وہ اپنے فرض زیارت کعبہ کے ادا کرنے کو مکہ جاتے ہیں۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ جس کسی برٹش گورنمنٹ افسر کی وہ مدد چاہیں گے، وہ اُن کو مدد دے گا، کیونکہ وہ کامل طور سے اس مدد کے مستحق ہیں۔

دستخط: جے ڈی ٹریبلٹ بنگال

سروس کمشنر، دہلی و سپرنٹنڈنٹ

۱۰ اگست ۱۸۸۳ء

اللہ اکبر! انبیار و اولیاء سے استمداد و استعانت (جو تو تسل ہی کی قسم ہے) کو شرک قرار دینے والوں کا گورنمنٹ انگریزی سے یوں استمداد و استعانت کرنا اور وہ بھی سفر حج میں کیونکر مقتضائے توحید بن گیا؟

ایک چٹھی مسٹر لیسنس سے بھی موصول کی، جنگ کے دنوں میں جس کی میم کو گھر میں پناہ دی تھی،

”دوسری چٹھی مسٹر لیسنس نے بنام کو نسل جدہ کے دی جس میں آپ کی خیر خواہی زمانہ قدر کا مفصل بیان تھا۔ انہوں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ ان کے مخالفین بھی بہت ہیں اور ان میں سے بعض مکہ معظمہ میں یہاں سے بھاگ کر مقیم ہو گئے ہیں۔ مسٹر لیسنس نے یہ بھی استدعا کی تھی کہ برٹش گورنمنٹ کا نسل کا فرض ہے کہ ان کو ان کے مخالفین کے شر و فساد سے بچائے۔ یہ چٹھی برٹش کانسول، مقیم جدہ (مکتوب الیہ) نے اپنے پاس رکھ لی۔“ لے

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ۱۹۶۲ء میں میاں صاحب پر جو مقدمہ قائم کیا تھا، وہ غلط مخبری کی بنا پر تھا۔ اب انگریز کا دل ان کی طرف سے مکمل طور پر صاف ہو چکا تھا۔

ہندوستان دارالامان

فضل حسین بہاری لکھتے ہیں،

”ہندوستان کو ہمیشہ میاں صاحب دارالامان فرماتے تھے، دارالحرب کبھی نہ کہا۔“ لے

گورنمنٹ خدا کی رحمت

میاں صاحب کے تلمیذ خاص اور سفر جج کے رفیق مولوی تملطف حسین نے ایک موقع پر پاشا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا،

ص ۴۱ - ۱۴۰

الحياة بعد الممات

لے فضل حسین بہاری،

ص ۱۳۴

لے ایضاً،

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی ابن اولاد حسن قنوجی ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء میں پیدا ہوئے۔
 میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں اپنے بھائی سے پھر فرخ آباد اور کانپور کے اساتذہ سے پڑھیں
 پھر زیادہ تر درس نظامی کی کتابیں صدر الصدور مفتی صدر الدین خاں آزرہ سے پڑھ کر سند تحصیل
 حاصل کی۔ پھر بھوپال میں قاضی زین العابدین انصاری میانی سے حدیث کا درس لیا۔

زینت ترقی

۱۲۸۶ھ / ۱۸۷۰ء میں بھوپال کے محکمہ نظارت المعارف، پھر محکمہ دیوان الانشاء
 میں ملازم ہوئے۔ ملکہ بھوپال نواب شاہجہاں بیگم بیوہ تھیں، ان کے شوہر نواب باقی محمد خاں کئی
 سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔

۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۲ء میں حکومت برطانیہ کے ایما پر ملکہ بھوپال نے نواب صاحب کے ساتھ
 نکاح کر لیا۔ نواب صاحب کا بیان ہے:

ثم تزوجت بی فی سنة ۱۲۸۸ھ بعد ما اجازتہ
 بذالك السلطنة البريطانية في عهد حكومة
 لاردميو حاكم الهند نزيل دارالامارة كلكتة

۱۔ عبدالحی لکھنوی، حکیم،

۲۔ ابوالحسن علی ندوی،

۳۔ ایضاً،

۴۔ نواب صدیق حسن بھوپالی،

نزهة الخواطر ج ۸، ص ۱۸۷

نزهة الخواطر ج ۸، ص ۱۸۷-۸

ص ۱۸۹

ابجد العلوم (مکتبہ قدوسیہ، لاہور) ج ۳، ص ۲۸۲

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

”جب دوسرا سال گزرا، رئیسہ معظمہ نے اپنی زوجیت سے مجھے عزت و افتخار

بخشا اور یہ امر باطلاع گورنمنٹ عالیہ و حسب مرضی سرکار انگلشیہ ظہور میں آیا۔“ ۱۷

اس جگہ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر گورنمنٹ کو ملکہ کے نکاح کرنے اور خاص

طور پر نواب صاحب ہی کے ساتھ کیا دلچسپی تھی؟ — نواب صاحب کے سوانح نگاروں

نے اس عقدہ کو حل نہیں کیا، لیکن اس سوال کا جواب سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ نواب صاحب

گورنمنٹ کے انتخاب اور معیار پر پورے اترتے تھے، انہیں نوازا مقصود تھا، اس لیے نوازا اور

خوب نوازا۔ یہاں تک کہ ملکہ بھوپال کو ان کے ساتھ عقد پر مجبور کر دیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی

میں جنہوں نے کسی طور پر حصہ لیا تھا، وہ یا تو اگلے جہان پہنچ چکے تھے یا کالے پانی اور جیلوں میں

زندگی کی گھڑیاں گن رہے تھے۔ نواب صاحب ایسے خیرگراں و فاکونہ نوازا جاتا تو کسے نوازا جاتا

نواب صاحب لکھتے ہیں،

یہ علاقہ موجب ترقی منصب اور عروج و عزت روز افزوں کا ہوا اور چوبیس

ہزار روپیہ سالانہ اور خطاب معتمد المہامی سے سرفرازی حاصل ہوئی اور خلعت

گرامی قیمتی دو ہزار روپیہ مع اسپ و فیل و چند پالکی و شمشیر وغیرہ عنایت ہوا، بعد

چندے خطاب نوابی و امیر الملکی و والا جاہی، اذی شنگ سے سر بلندی عطا فرمائی

اور اقطاع یک لک روپیہ سال اس پر مزید مرحمت ہوئے۔ ۱۸

یہ بھی نواب صاحب کا بیان ہے،

”ہندوستان کے مسلمان ہمیشہ سے مذہب فیلعی یا حنفی رکھتے ہیں۔“ ۱۹

ص ۲۸

قرجان دہلیہ

لہ صدیق حسن خاں بھوپالی،

ص ۲۸

۱۷ ایضاً،

ص ۲۳

۱۸ ایضاً،

”اور ہند کے اکثر حنفی اور بعض شیعہ اور کتر اہل حدیث ہیں۔ لہٰذا
نواب صاحب اور دیگر علماء اہل حدیث نے مسلمانان ہند کے قدیم اور اکثریت کے
طریقے سے برأت کر کے الگ راہ اختیار کی۔“

”ہم لوگ صرف کتاب و سنت کی دلیلوں کو اپنا نامہ دستور العمل ٹھہراتے ہیں،
اور اگلے بڑے بڑے مجتہدوں اور عالموں کی طرف منسوب ہونے سے عار کرتے ہیں۔“

حقیقت یہ ہے کہ احناف کتاب و سنت کے دلائل پر ہی عمل کرتے ہیں۔ وہ دلائل جو

دنیا بھر کی مسلم آبادی کی اکثریت کے امام، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور
اس مذہب کے دیگر ائمہ نے بیان کیے ہیں، جبکہ نواب صاحب اور ان کے ہم خیال اپنے

فہم اور اپنے استدلال پر اس قدر اعتماد کرتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین کے دلائل کو خاطر میں ہی

نہیں لاتے۔ نواب صاحب کی یہی ادا گورنمنٹ کی نظروں میں باعث محبوبیت تھی۔

”اور یہ آزادی ہماری مذاہب مرقومہ جدیدہ سے عین مراد قانون انگلشیہ ہے“
حکیم عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

وكان كثير النقل عن القاضي الشوكاني وابن قيم
وشيخه ابن تيمية الحرافى وامثالهم، شديد
التمسك بمغتاراتهم وكان له سوء ظن
بائمة الفقه والتصوف جدا، لاسيما ابي حنيفة
قاضي شوكاني، ابن قيم اور ان کے شیخ ابن تيمية حرافى وغيرهم کی عبارات بہت نقل

۱	لہ صدیق حسن خاں مجھو پالی،	ترجمان و ہابریہ	ص ۵۷
۲	لہ ایضاً؛	ص ۲۰	
۳	لہ ایضاً؛	ص ۲۰	
۴	لہ عبدالحی لکھنوی، حکیم	نزہۃ الخواطر	ج ۸ ، ص ۱۹۱

کرتے اور ان کے مختارات کو شدت کے ساتھ اپناتے، وہ ائمہ فقہ و تصوف، خصوصاً امام ابوحنیفہ سے بہت بدگمانی رکھتے تھے۔“

اسی طرز عمل کے پیش نظر نواب وحید الزمان نے لکھا تھا:

”ہمارے اہل حدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی اسماعیل شہید نور اللہ مرقدہم کو دین کا ٹھیکیدار بنا رکھا ہے۔ جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا بس اس کے پیچھے پڑ گئے، بُرا بھلا کہنے لگے، بھائیو! ذرا تو غور کرو اور انصاف کرو۔ جب تم نے ابوحنیفہ اور شافعی کی تقلید چھوڑی، تو ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی جو ان سے بہت متاثر ہیں، ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟ لے

نواب صاحب کا دوسرا امتیازی وصف گورنمنٹ سے وفاداری تھا، چنانچہ ایک موقع پر کچھ مخالفین نے ان کے خلاف گورنمنٹ کے کان بھرنایا ہے؛ مگر حکام عالی منزلت، یعنی کارپردازان دولت انگلشیہ کو چونکہ تجربہ اس ریاست کی خیر خواہی اور وفاداری کا عموماً اور اس بے صولت و دولت کا خصوصاً ہو چکا ہے، اس لیے تہمت ان کی پایہ ثبوت کو نہ پہنچی لے

جہاد کا عزم گناہ کبیرہ ہے

نواب صاحب لکھتے ہیں:

”علماء اسلام کا اسی مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملک ہند میں جب سے حکام والا مقام فرنگ فرماں روا ہیں۔ اس وقت سے یہ ملک دارالحرب ہے، یا

حیات وحید الزمان (نور محمد، کراچی) ص ۱۰۲

لے محمد عبدالعلیم ہشتی

ص ۲۹

ترجمانِ دہلیہ

لے صدیق حسن خاں مجوہالی

دارالاسلام؛ حنفیہ عین سے یہ ملک بھرا ہوا ہے، ان کے عالموں اور مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ ہے کہ یہ دارالاسلام ہے اور جب یہ ملک دارالاسلام ہو تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنی؟ بلکہ عزم جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔ اور جن لوگوں کے نزدیک یہ دارالحرب ہے جیسے بعض علماء ردہلی وغیرہ ان کے نزدیک بھی اس ملک میں رہ کر اور یہاں کے حکام کی رعایا اور امن وامان میں داخل ہو کر کسی سے جہاد کرنا ہرگز روا نہیں۔ جب تک کہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسرے ملک اسلام میں جا کر مقیم نہ ہو۔ غرض یہ کہ دارالحرب میں رہ کر جہاد کرنا بھگتے پھیلے مسلمانوں میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں۔" ۱

"وچوں بر اسلام باقی ماند جہاد دران یعنی یہ بلکہ گناہ ہے از گناہ و کبیرہ از کبائر باشد۔" ۲

• اور جب ہندوستان دارالاسلام ہے، تو یہاں جہاد کا کیا مطلب؟ بلکہ گناہوں میں سے ایک گناہ اور کبائر میں سے ایک کبیرہ ہے۔

۱۸۵۷ء کے مجاہدین مرتکب کبیرہ

وآنکہ اقدام بر قتل اصحاب دولت برطانیہ یا دیگر مردمے کنند خود ایشان از علم و دین بے بہرہ محض افتادہ اند۔ ہر کہ شریعت اسلام را بروہ تحقیق می شناسد ازوے ہرگز ایں جریمہ کبیرہ سرزد نمی تواند شد۔" ۳

۱۵ ص	ترجمانِ دہلیہ	۱	۱
۳۴ ص	عواد الموائد (مطبع صدیقی، بمبئی)	۲	۲
۱	۳۸ ص	۳	۳

جو لوگ اربابِ حکومتِ برطانیہ یا دوسرے لوگوں کے قتل پر اقدام کرتے ہیں، وہ خود علم اور دین سے محض بے بہرہ واقع ہوئے ہیں۔ جو شخص تحقیقی طور پر شریعتِ اسلام کو پہچانتا ہے، اس سے یہ بڑا جرمِ گناہ کبیرہ، سرزد نہیں ہو سکتا۔

شرائطِ جہادِ منفقود ہیں

ساری دنیا میں کوئی معتقد اس امر کا کہ جہاد و قتال خاص سرکارِ انگلشیہ سے جائز ہے، دوسرے سے نہیں، برگز نہیں، اس لیے کہ شرطیں اس عمل کی تمام ہا منفقود ہیں اور جمع ہونا ان شرطوں اور ضابطوں کا نہایت دشوار ہے۔ لے

"عذر میں اہل حدیث نے حصہ نہیں لیا"

"جتنے لوگوں نے عذر میں شر و فساد کیا اور حکامِ انگلشیہ سے برسرِ عناد ہوئے، وہ سب کے سب مقلدانِ مذہبِ حنفی تھے، نہ متبعانِ حدیثِ نبویؐ" لے

جہاد نہیں فساد تھا

"اسی طرح زمانہِ عذر میں جو لوگ سرکارِ انگریزی سے لڑے اور عہد شکنی کی، وہ جہاد نہ تھا، فساد تھا۔" لے

سب سے زیادہ خیر خواہ

۳۰ ص	ترجمانِ ولایت	لے صدیق حسن خان بھوپالی، نواب،
	۲۵ ص	لے ایضاً،
	۵۲ ص	لے ایضاً،

”کوئی فرقہ ہماری تحقیق میں زیادہ تر خیر خواہ اور طالب امن و امان و آسائش رعایا کا اور قدر شناس بند و بست گورنمنٹ کا اس گروہ سے نہیں ہے جو آپ کو اہل سنت و حدیث کہتا ہے اور کسی مذہب خاص کا مقلد نہیں۔“ لے

ملکہ بھوپال کے اعزازات

بھوپال میں اصل اقتدار نواب شاہجہاں بیگم کے پاس تھا، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے اجداد العلوم کی تیسری جلد میں ملکہ کا تذکرہ کیا ہے اور خاص طور پر گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والے اعزازات کا ذکر کیا ہے۔ عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

● ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء میں ملکہ نے بمبئی کا سفر کیا، وہاں اُسے پہلے درجے کا بلند خطاب اور وزیر اعظم کے قلم سے ”ممبر آف دی امپیریل آرڈر آف دکنڈ گنڈرا اشارف، انڈیا“ کا شاہی نشان ملا اور وہ خاص اعزاز کے ساتھ خوش خوش بھوپال آئی۔

● ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء میں ملکہ دارالحکومت کلکتہ گئی اور وہاں ملکہ انگلستان کے بڑے لڑکے اور ولی عہد پرنس آف ویلز سے ملاقات کی۔ پرنس نے ملکہ کی بہت تعظیم کی، گران قدر تمغہ اور انگلستان کے مصنوعہ قیمتی تحائف پیش کیے۔

● اس سے پہلے ویلز کے بھائی پرنس ایڈنبرا سے ملاقات کی تھی اور اس نے بھی ملکہ کی انتہائی تعظیم کی تھی اور لندن سے ان کے لیے قیمتی اشیاء بھیجی تھیں اور حسب عادت میں بھی ان سفروں میں ان کے ساتھ تھا۔

● پھر ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں ملکہ نے دہلی کا سفر کیا اور انہیں عظیم الشان شاہی نشان ملا جس پر لکھا ہوا تھا: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“

● گورنر جنرل نے ملکہ کو فرنگی تلوار، طلائی پشکا اور جڑاؤ صندوق دیا تھا اور پشکا بم محل

میں زیب تن کرتے ہیں اور اس عظیم دربار اور بڑے اجتماع میں جہاں ہندوستان کے دور و نزدیک کے تمام رؤسا حاضر تھے، ماضی کی تاریخ میں ایسا پُر شوکت اجتماع نہیں ہوا ہوگا۔ ہمارے لیے ملکہ انگلینڈ کی طرف سے سترہ توپوں کی سلامی مقرر کی گئی جو ہمیں برطانیہ کے زیر نگیں علاقہ میں جانے اور آنے پر پیش کی جاتے گی۔

● پھر ملکہ بھوپال کو ایک اور خطاب کراؤن آف انڈیا ملا، جس کا ترجمہ تاج ہند ہے۔

ان تمام محافل میں نواب صاحب کی حیثیت اگرچہ ثانوی تھی، تاہم برطانوی حکام کی نگاہ میں ان کی وفاداری کسی طرح بھی مشکوک نہ تھی، ورنہ وہ نہیں ملکہ کے شوہر نامدار کی حیثیت سے کبھی تسلیم نہ کرتے۔ آخر میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

”مختصر یہ کہ ملکہ اس آخری زمانے اور نادار عصر میں ان فضائل کی جامع ہیں جو عورتوں میں کجا مردوں میں بھی بہت کم جمع ہوتے ہوں گے۔ وہ ان کمالات کی حامل ہیں جن کے بیان سے ترجمان کی زبان قاصر ہے اور یہ ان کے بلند مناقب کے میدان سے ایک ذرہ اور ان کی بزرگیوں کے دریاؤں سے ایک قطرہ ہے۔“

دورِ ابتلا

اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ نواب صاحب کے مخالفین انہیں حکومت کی نظروں میں گرانے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے۔ دوسری طرف گورنمنٹ کو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں زبردست دھچکا لگ چکا تھا، اس لیے جس شخص کے بارے میں ذمہ برابر بھی شبہ پیدا ہو جاتا، اس کے خلاف شدید سے شدید تر کارروائی سے بھی گریز نہ کیا جاتا۔

اگرچہ حکومت کے وکیل نے اندراہ دشمنی ہندوستان کے حکام کے پاس شکایت کی اور نواب

پر درج ذیل الزامات لگاتے :

۱۔ یہ تہمت لگائی گئی کہ انہوں نے اپنی بعض تالیفات میں جہاد کی ترغیب

دی ہے۔

۲۔ وہ ہندوستان میں وہابی مذہب کی ترویج میں کوشاں ہیں اور اس مذہب

والے وہ ہیں جن پر انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کی تہمت لگائی گئی ہے اور انہیں

جہاد کا بہت شوق ہے۔

۳۔ انہوں نے ملکہ بھوپال شاہجہان بیگم کو شرعی پر وہ پر مجبور کیا ہے تاکہ نواب صاحب

کو حکومت کے کلی اختیارات حاصل ہو جائیں، وغیرہ وغیرہ۔“ لے (ترجمہ)

اس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ، انگریزی حکام سے پردے کے بغیر

ملاقاتیں کرتی تھی اور نواب صاحب کی مجبوری یہ تھی کہ انہیں منع نہیں کر سکتے تھے نیز علی میاں

(ابوالحسن علی ندوی) نے یہ بھی تصریح کر دی کہ وہابیہ پر انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے

کی تہمت لگائی گئی تھی، حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

نواب صاحب کی تصنیف ترجمان وہابیہ اور مواعظ العوائد وغیرہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت

روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ انگریزی حکومت کے ساتھ جہاد کو ناجائز اور گناہ کبیرہ

قرار دیتے تھے۔

”جب یہ ملک دارالاسلام ہوا تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنی، بلکہ عزم جہاد

ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔“ لے

اسی طرح وہ وہابی ہونے کی سختی سے تردید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں،

”جو لوگ ہند کے باشندوں کو وہابی ٹھہرا کر محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف

منسوب کرتے ہیں، ان کی عقل پر خدا کی طرف سے پردہ پڑا ہوا ہے۔^۱
لیکن نوشتہ تقدیر کون مٹا سکتا ہے۔ مخالفین کی شکایتیں رنگ لائیں اور
۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء میں یہ کارروائی کی گئی؛

فانتزعت من القاب الامارة والشرف التي
منحته اياها الحكومة الانجليزية والغى الامر
بإطلاق المدافع تعظيماً

ان سے امارت اور عزت کے القاب سلب کر لیے گئے جو انہیں انگریزی حکومت
نے عطا کیے تھے اور ازراہ تعظیم توہین داغنے کا سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا۔

خدا یاد آیا

اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے کہ نواب صاحب دورِ نوابی میں فقہ اور تصوف کے ائمہ
کے حق میں سونہن رکھتے تھے، لیکن اب جو وہ سب کچھ قصہ پارینہ بن چکا تھا۔ ایسے عالم میں
انسان کا رجوع اللہ تعالیٰ اور اللہ والوں کی طرف ہو جاتا ہے یہی ان کے ساتھ بھی ہوا۔
حتى انه وفق بالتوبة عما كان عليه من سوء الظن
بائمة الفقہ والتصوف وكتب ذلك في آخر مقالات
الاحسان ومقامات العرفان وهو ترجمة فتوح الغيب
للشيخ الامام عبدالقادر الجيلي رضى الله عنه وهو
آخر مصنفاته ثم بعثه الى دار الطباعة فطبع و
وصل اليه في ليلة توفى الى رحمة الله سبحانه

فی تلك الليلة - لہ

یہاں تک کہ انہیں فقہ و تصوف کے ائمہ کے حق میں بدگمانی سے توبہ کی توفیق نصیب ہوتی۔ یہ بات انہوں نے "مقالات الاحسان و مقامات العرفان" کے آخر میں لکھی اور یہ شیخ، امام عبدالقادر جیلی رضی اللہ عنہ کی تصنیف فتوح الغیب کا ترجمہ ہے اور نواب صاحب کی آخری تصنیف، انہوں نے یہ کتاب پریس میں بھیج دی تھی اور اس رات چھپ کر پہنچی جس رات ان کی وفات ہوئی۔

وفات

۱۹ جمادی الآخرہ ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء کو نواب صاحب کی وفات ہوئی،
وقد صدر الامر من الحكومة الانجليزية ان
یشیع وید فن بتشریف لائق بالامراء واعیان
الدولة كما كان لوبقیت له الالقاب الملوكية
والمراسيم الاميرية۔ لہ
انگریزی حکومت نے حکم جاری کیا کہ انہیں نوابوں والی شان و شوکت کے
ساتھ دفن کیا جائے، جیسے اس وقت دفن کیا جاتا، جبکہ ان کے شاہی القاب
اور امیرانہ نشانات برقرار ہوتے۔

بحالی

ماہ ذوالحجہ ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء میں وفات کے پانچ ماہ بعد حکومت نے لقب "نواب"
بحال کر دیا۔

ج ۸، ص ۳-۱۹۲

نزہۃ الخواطر

لے عبدالحی لکھنوی، حکیم،

ج ۸، ص ۱۹۱

نزہۃ الخواطر

لے ابوالحسن علی ندوی،

وردت الیہ الحکومة لقب الامارة فواب
 فی سلخ ذی الحجۃ سنتہ سبع وثلاث مائة والفت۔
 یعنی ایک بار پھر نواب صاحب انگریزی حکومت کے ہاں سرخرو قرار پائے اور بغاوت و
 جہاد وغیرہ کے شبہات غلط ثابت ہوئے، نواب صاحب کی رُوح اُس وقت یہ کہہ رہی ہوگی کہ
 کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ ہائے اُس زود پشیمان کا پشیمان ہونا
تصانیف

نواب صاحب نے ۲۲۲ کتابیں لکھیں، گے
 ولكن لا تخلوا تصانیفہ عن اشیاء، اما تلخیص
 او تجرید او نقل من لسان الی لسان اخر۔ گے
 لیکن ان کی تصانیف، تصنیف کے زمرے میں نہیں آتیں یا تو کسی کتاب
 کی تلخیص ہیں یا تجرید، یا ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کی ہوئی ہیں۔ گے

دعوائی مجددیت

مولوی فضل حسین بہاری اہل حدیث لکھتے ہیں،
 نواب صدیق حسن خاں اور مولانا ابوالحسنات، مولوی عبدالحی صاحب مرحوم
 کے باہمی مباحثات کو جس نے دیکھا ہوگا، وہ دیکھ لے گا کہ اپنی اپنی زبان سے
 مجدد ہونے کا کیونکر دعویٰ کیا گیا، گے

۱۹۰ ج ۸، ص ۱۹۰	نزہۃ الخواطر	لہ ابوالحسن علی ندوی،
۲۲۲ ص ۱۹۱	تراجم علماء حدیث (بہجانی اکیڈمی لاہور)	گے ابوبکر خاں نوشہروی،
۱۹۱ ج ۸، ص ۱۹۱	نزہۃ الخواطر	گے عبدالحی لکھنوی و حکیم،
۲۱۴ — ۸ ص	الحیاء بعد المماة	گے فضل حسین بہاری

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی

معروف قلم کار اور ادیب ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ۱۲۴۰ھ / ۱۸۳۲ء میں بجنور میں پیدا ہوئے۔
بجنور اور دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی۔ دو سال کنجاہ، پنجاب میں مدرس رہے۔ پھر کانپور چلے
آئے۔ تعزیرات ہند کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا۔

وكان يقع في الحديث الشريف وفي روايته و
يقول هم جهال لا يعرفون العلوم الحكمية ولا معاني
الاحاديث الحقيقية - له

حدیث شریف اور اُس کے راویوں پر اعتراض کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ جاہل
تھے، علوم حکمیہ اور احادیث کے معانی حقیقیہ نہیں جانتے تھے

ترجمہ قرآن

انہوں نے قرآن پاک کا اردو ترجمہ کیا اور اس پر فخر کیا کرتے تھے، عربی اور اردو میں بہارت
کا دعویٰ رکھتے تھے،

ويؤخذ عليه انه قد يختار التعبير الذي لا
يليق بالملك العلام وجلال الكلام لغرامه باستعمال
ما جرى على لسان اهل اللغة وشاع في معاورة
بعضهم لبعض وقد يتورط بذلك فيما يشير

اے عبدالرحمن مکنوی حکیم، نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۲۹۲

”۱۸۵۷ء کے غدر میں میں اپنے دل ہی دل میں کہا کرتا تھا کہ انگریز بچلے بچلے
توسمٹ کر تھوڑے دنوں کے لیے سمندر میں ہو رہیں۔ یہی باغیان نا عاقبت اندیش
برخود غلط، جو عملداری کے تنزل سے خوش ہیں، چند وز میں عاجز اگر بہ منت
انگریزوں کو منالائیں تو سہی۔ میرا اس وقت کا فیصلہ یہ تھا کہ انگریز ہی سلطنت
ہندوستان کے اہل ہیں۔“

ایک لیکچر کے چند نکات ملاحظہ ہوں:

● ”ہماری سلطنت جاتی رہی تو خدا نے برٹش گورنمنٹ میں ہم کو اس کا نعم البدل
عطا فرمایا ہے۔“

● لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها
پس ہم مسلمان تو مذہباً اطاعت حکام پر مجبور ہیں اور جو فعل موجب سرکشی ہو، ہمارے
یہاں منہیات شرعیہ میں سے ہے۔

● انگریزوں کے ہم مسلمانانِ ہند پر اتنے حقوق ہیں کہ وہ اہل کتاب ہیں اور
ہم سے عہد امن رکھتے ہیں اور تیسری بات یہ کہ ان کی حکومت، حکومت
صالحہ ہے۔

● انگریزوں کی حکومت اگر حکومت صالحہ نہ ہوتی، تاہم مستامن ہونے کی
حیثیت سے ان کی خیر خواہی اور اطاعت ہمارا فرض اسلامی ہوتا، فکیف
جبکہ امن، آسائش اور آنا دی کے اعتبار سے ہمارے حق میں خدا کی رحمت ہے،
اگر انگریز نہ آتے، تو ہم کبھی کے کٹ مرے ہوتے۔“
ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں:

انہوں نے اپنے خطبات اور مذہبی تصانیف میں نہ صرف انگریزی حکومت کی اطاعت کی تلقین کی، بلکہ انگریزوں سے معاشرتی روابط پیدا کرنے کے حق میں بھی مذہبی دلائل پیش کیے۔ لے

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ان الفاظ میں تلقین کرتے ہیں،

”آخر ہم ہندوؤں میں رہتے، ان سے ملتے جلتے ہیں اور ان کے ساتھ راہ و رسم رکھتے ہیں، تو انگریزوں کے ساتھ بدرجہ اولیٰ ہم کو دنیاوی ارتباط رکھنا چاہیے اور اسی میں ہمارا فائدہ ہے، کیونکہ دریا میں رہنا اور مگر مچھ سے بیر نہج نہیں سکتا۔“

انعام

ڈپٹی نذیر احمد کی کتاب ”مرآة العروس“ پر حکومت نے گراں قدر انعام سے نوازا۔ مسٹر کیپسن، ناظم تعلیمات صوبہ شمالی مغربی نے ان کی کتابیں دیکھیں، تو پسند کیں اور فرمائش کی کہ ان کی نقلیں میرے پاس بھیج دو،

دو ماہ بعد انہوں نے اطلاع بھیجی کہ مرآت العروس ایک ہزار روپے کے اول انعام کے لیے حکومت کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔ صوبے کے ایفٹینٹ گورنر سر ولیم میور نے آگرہ کے دربار میں انعام سے نوازا، مصنف کی عزت افزائی کے لیے اپنی جیب خاص سے ایک گھڑی مرحمت فرمائی۔ حکومت کی طرف سے کتاب کی دو ہزار جلدیں خریدی گئیں۔ لے

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے سر ولیم میور کی شان میں ایک عربی قصیدہ لکھا جس کے چند

ص ۳۸۶

مولوی نذیر احمد دہلوی

لے افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر

ص ۱۵۹

لے ایضاً،

ص ۸۷

لے ایضاً،

اشعار درج ذیل ہیں :

فانی اذا مارمت اظہار شکرکم
 تقصر عنه منطقی و بیانی
 ولما را قبلی قط من نال غایة
 تخلف عنہما اهل کل زمان
 نقودی فلی فی الفہ الف حاجتہ
 قضاء دیون و افتکاک رہان
 وغیر ہما مالا اکاد اعدہا
 وذا ساعتی صیغیت من العقیان
 اقلدہا جیدی لیعلم اننی
 لسی ولیم فی سابقۃ الاحسان

میں جب آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، تو میری گفتگو اور قوت گویائی
 ساتھ نہیں دیتی۔

میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جس نے اس سے پہلے وہ بلند مقام حاصل
 کیا ہو جس سے تمام اہل زمانہ پیچھے رہ گئے ہیں۔

ایک ہزار نقد میں میری ہزار حاجتیں ہیں، قرضوں کی ادائیگی اور رہن کی
 واکزاری۔

ان کے علاوہ بے شمار حاجتیں ہیں، اور یہ گھڑی ہے جو سونے سے بنائی گئی ہے
 میں اسے اپنی گردن میں لٹکا کر رکھوں گا تاکہ معلوم ہو کہ میں سر ولیم کے

قلادۃ احسان میں ہوں۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری

قاضی صاحب سیشن جج پیالہ اور مصنف رحمۃ للعالمین نے ۳۰ مارچ ۱۹۲۸ء کو آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے پندرہویں سالانہ اجلاس آگرہ میں ایک طویل خطبہ دیا جس میں کانفرنس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مقصدِ ششم

”اس کانفرنس کا حکومت کی وفاداری کے ساتھ ساتھ دینی ذریعہ ترقی کا انتظام کرنا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ کوئی مسلمان بھی بغاوت یا مجرمانہ سازش یا معاندتِ سلطنت کا روادار نہیں، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کا حکم وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یاد ہے اور ہمیشہ یاد رہنا چاہیے۔“ لہ

مولوی ثناء اللہ امرتسری

مشہور مناظر مولوی ثناء اللہ امرتسری ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ مولوی احمد اللہ امرتسری، مولوی عبدالمتان وزیر آبادی سے تعلیم پائی۔ دیوبند میں بھی پڑھتے رہے۔ کانپور میں مولانا احمد حسن کانپوری سے آخری کتابیں پڑھیں۔ تمام عمر امرتسر میں رہے۔ تقسیم کے بعد

لہ محمد سلیمان منصور پوری قاضی، خطباتِ سلیمان (مسلمان کمپنی، سوہدہ گوجر والہ) ص ۲۳۱

پاکستان آگئے۔ ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء کو سرگودھا میں فوت ہوئے۔ لہ

تفسیر یا تحریف؟

ان کی تصانیف میں سے تفسیر القرآن بکلام الرحمن عربی نے خوب شہرت پائی، ان کے ہم مسلک اہل حدیث علماء نے اس تفسیر پر سخت تنقید کی۔ مولوی عبدالحی، مورخ لکھتے ہیں:

وقد تعقب علیہ بعض العلماء
بعض علماء نے اس پر تعاقب کیا ہے

یہ تعاقب اتنا سرسری نہیں تھا، جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ اہل حدیث کے مسلم عالم مولوی عبداللہ غزنوی کے شاگرد مولوی عبدالحق غزنوی نے ایک رسالہ الاربعین میں چالیس ایسے مقامات کی نشان دہی کی ہے جو ان کے نزدیک قابل اعتراض تھے۔ اس تفسیر کے بارے میں ان کے تاثرات یہ ہیں:

”الفاظ غلط، معانی غلط، استدلال غلط، بلکہ تحریفات میں یہودیوں کی بھی ناک کاٹ ڈالی۔“

حقیقت میں یہ بے انصاف، ناحق شناس، بدنام کنندہ نگو نامے چند ناحق اہل حدیث کو بدنام کر رہا ہے، بلکہ اہل حدیث سے بالکل مخالف اور اہل سنت و جماعت سے خارج ہے۔ فلاسفہ اور نیچروں اور معتزلہ کا مقدمہ ناسخ و منسوخ، تقدیر، معجزات، کرامات، صفات باری، دیدار الہی، میزان، عذاب قبر، عرش، لوح محفوظ، دابة الارض، طلوع شمس از مغرب وغیرہ

نزہۃ الخواطر (نور محمد، کراچی) ج ۸ ص ۶-۹۵

لہ عبدالحی، حکیم:

ص ۹۵

۲۱ ایضاً

الاربعین (لاہور پرنٹنگ پریس لاہور) ص ۳

۳۱ عبداللہ غزنوی

دیا جائے تو روا ہے۔۔۔۔۔ اس کا مصنف اس تفسیر پر اپنا الحاد و تحریف

میں پورا مرزائی، پورا چکڑا لوی اور چھٹا ہوا نیچری ہے۔" لہ

اسی پر بس نہیں ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۶ء میں مولوی ثناء اللہ امرتسری کی تجویز پر یہ مقدمہ سعودی عرب کے بادشاہ عبدالعزیز ابن سعود کے سامنے پیش کیا گیا۔ شاہ نے اپنے علمائے کے سامنے یہ مقدمہ پیش کیا۔ انہوں نے الاربعین کی تائید کی اور امرتسری صاحب کو تائب ہونے کے لیے کہا۔

شیخ عبداللہ بن سلیمان آل بلہید نے اپنی رائے اس انداز میں ظاہر کی،
 "میں نے ان کو اہل حدیث اور اہل سنت کے مذہب و مسلک کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی، مگر باوجود ان سب باتوں کے انہوں نے اپنی غلطیوں پر اصرار کیا اور معاندانہ روش اختیار کی (ترجمہ)

ریاض کے قاضی شیخ عبد اللطیف آل شیخ نے لکھا،
 "نہ تو مولوی ثناء اللہ سے علم حاصل کرنا جائز ہے اور نہ اس کی اقتدار جائز ہے اور نہ اس کی شہادت قبول کی جائے اور نہ اس سے کوئی بات روایت کی جائے اور نہ اس کی امامت صحیح ہے، میں نے اس پر حجت قائم کر دی، مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ پس اس کے کفر اور مرتد ہونے میں شک نہیں۔" لہ

مولوی عبدالاحد خانپوری اہل حدیث لکھتے ہیں،

اور ثناء اللہ محدث ندیق کا دین اللہ کا دین نہیں ہے، اس کا کچھ دین تو فلاسفہ و برہنہ نما روہ صاحبین کا ہے جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن

ص ۴۳

الاربعین

لہ عبدالحق غزنوی،

فیصلہ کلمہ جمعیت مرکزیہ اہل حدیث ہند (لاہور) ص ۵۵

ص ۱۷

لہ عبدالعزیز

لہ ایضاً

لہ مذکورہ کی جمع، بمعنی سرکش

ہیں ۱۰۰۰۰ اور کچھ دین اس کا ابو جہل کا ہے جو اس امت کا فرعون تھا بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ پس وہ حکم قرآن واجب القتل ہے۔“ لہٰذا یہ سب اہل حدیث کے ذمہ دار اور مستند علماء کے فتوے ہیں، مگر موجودہ دور کے اہل حدیث کے نزدیک وہ مسلم شیخ الاسلام ہیں۔

”اہل حدیث امرتسری کے نامور مدیر شیخ الاسلام حضرت مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہؒ اب سوال یہ ہے کہ کیا امرتسری صاحب نے اپنے ان اقوال سے توبہ کر لی تھی جن کی بنا پر مذکورہ بالا فتوے لگائے گئے تھے اور اگر نہیں تو شیخ الاسلام کے معزز ترین لقب ہی کا پاس کیا ہوتا؟

مرزائیوں کے پیچھے نماز جائز

امرتسری صاحب مرزائیوں سے مناظرہ اور مقابلہ کرتے رہے، لیکن مرزائیوں کے بارے میں ان کا موقف کیا تھا؟ مولوی عبدالعزیز، سیکرٹری جمعیت مرکزیہ اہل حدیث، ہند کی زبانی سنئے، مولوی ثناء اللہ امرتسری کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”آپ نے لاہوری مرزائیوں کے پیچھے نماز پڑھی، آپ مرزائی کیوں نہیں؟
آپ نے فتویٰ دیا کہ مرزائیوں کے پیچھے نماز جائز ہے، اس سے آپ خود مرزائی کیوں نہیں؟

آپ نے مرزائیوں کی عدالت میں مرزائی وکیل کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مرزائیوں کو مسلمان مانا۔ اس سے آپ نج و مرزائی کیوں نہیں ہوتے؟

الفیصلۃ الحجازیۃ السلطانیۃ (امان سرسرتی پریس روپنڈی) ص ۸

مرزائیت اور اسلام ص ۱۴۸

ص ۱۸۱

ص ۲۶

فیصلہ مکہ

لے عبدالاحد خانپوری

لے ظہیر

ب ایضاً

لے عبدالعزیز

اس کے باوجود اگر انہیں شیخ الاسلام قرار دینے پر اصرار ہے تو ہمیں بتایا جائے کہ وہ کونسا اسلام ہے؟ خدا و رسول کا اسلام تو ہو نہیں سکتا۔

آخر میں برٹش گورنمنٹ کے بارے میں اُن کا نظریہ بھی دیکھ لیجئے۔

غلام رسول مہر اہل حدیث لکھتے ہیں،

”۱۹۲۲ء میں ایک اجتماع کا انتظام ہوا اور اس میں مولانا ثناء اللہ مرحوم امرتسری بھی شریک تھے۔ وہ اہل حدیث کانفرنس کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے ہمیں کانفرنس کے اغراض و مقاصد دیتے، تو اُن میں پہلی شق یہ تھی:

”حکومتِ برطانیہ سے وفاداری“

ہم نے عرض کیا کہ مولانا اسے تو نکال دیجئے۔ ہم ترکِ موالات کیسے بیٹھے ہیں،

تو وہ سخت غصے میں آگئے، لیکن اکثریت نے یہ شق نکلوا دی۔“

خیال فرمایا آپ نے کہ حکومتِ برطانیہ کی وفاداری کس قدر عزیز تھی؟ اکثریت نے اگرچہ یہ شق نکلوا دی، مگر امرتسری صاحب آخر تک اس شق کے حذف کرنے کو قبول نہ کر سکے، پھر اس شق کا نکلوا دینا بھی محلِ غور ہے، کیونکہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ ۱۹۲۸ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے پندرہویں جلسے میں جہاں آکرہ میں منعقد ہوا تھا۔ قاضی محمد منصور پوری نے اپنے خطبہ میں کانفرنس کا چھٹا مقصد، حکومت کی وفاداری کو قرار دیا تھا۔

اہلِ پیشانیاں

گزشتہ اوراق میں سید احمد بریلوی، شاہ اسماعیل دہلوی، میاں نذیر حسین دہلوی مولوی محمد حسین بٹالوی، نواب صدیق محسن بھوپالی، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور مولوی ثناء اللہ امرتسری وغیرہم زعماء اہل حدیث کے انگریزی حکومت سے روابط و مراسم

اور وفاداری کے عہد و پیمانے، ناقابل انکار شواہد اور حوالہ جات سے بیان کئے گئے ہیں جن سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کی اُجلی پیشانیوں اور درخشندہ جبینوں پر انگریز دشمنی کا داغ تک نہیں ہے۔ ان پر انگریز دشمنی کا الزام لگانے والا ان کا دشمن تو ہو سکتا ہے، خیر خواہ اور عقیدت مند ہرگز نہیں ہو سکتا۔

برٹش گورنمنٹ کے خطاب یافتگان

مولوی عبدالرحیم عظیم آبادی نے "الذرا المنثور فی تراجم اہل صاوقفور" میں حکومتِ برطانیہ سے شمس العلماء، یا خان بہادر کا خطاب پانے والے جن علماء اہل حدیث کا ذکر کیا، ان کی فہرست پہلے ایڈیشن کے ٹائٹل کے اندرونی صفحے پر دی ہے اور انگریزی حکومت کو گورنمنٹ عالیہ عادلہ کے القاب سے یاد کیا ہے اور حق شکر گزاری اس طرح ادا کیا ہے :

"خاص کر فرقہ اہل حدیث کے لیے تو کسی اسلامی سلطنت میں بھی یہ آزادی مذہبی دکہ وہ بلا مزاحمت اپنے تمام ارکانِ دینی ادا کریں، نصیب نہیں جو برٹش حکومت میں انہیں حاصل ہے، پس ان کا فرض مذہبی و منصبی دونوں ہے کہ وہ ایسی عادل اور مہربان گورنمنٹ کی مطیع و فرماں بردار رعایا ہوں اور ہمیشہ دُعا گوئے سلطنت رہیں، فتدبر و تفکر ولا تکن من الغافلین"

اگلے صفحے پر اس فہرست کا عکس ملاحظہ ہو، یاد رہے کہ یہ صرف وہ خطاب یافتہ اہل حدیث ہیں، جن کا ذکر الذرا المنثور" میں ہوا ہے، ورنہ تمتیع اور تلاش سے یہ فہرست مزید طویل ہو سکتی ہے۔

الخطاب

میں اس جگہ ایک فرستادہ حضرت کی گفتگو ہے کہ جبکہ نامہایں اس تذکرہ میں درج ہوئے
 ہیں اور انکو پہلی گورنمنٹ علیہ طولی طرف سے خطاب عطا ہوا ہے اور وہ کل مدت میں پانچ ناموں کے
 وہ ہیں کہ جنکو شمس العلامی کا خطاب حث ہوا اور دو وہ ہیں جنکو خان بہادر کا خطاب بخشا گیا وہ وہ
 ۱۔ شمس العلامی جناب حضرت مولانا محمد سعید قدس سرہ ساکن محلہ مغلیہ و شہر مٹہ
 نمبر ۲۔ شمس العلامی جناب مولانا محمد من رحمت احمد علیہ ساکن محلہ صادق پور شہر مٹہ
 نمبر ۳۔ شمس العلامی جناب مولانا فرید مولوی عبدالرؤف مرحوم و مغفور ساکن محلہ صادق پور شہر مٹہ
 نمبر ۴۔ شمس العلامی مولوی محمد عظیم اسلم۔ لے پروفیسر سائنس کالج آبا ساکن محلہ صادق پور مٹہ
 نمبر ۵۔ شمس العلامی جناب حضرت مولانا ذریعہ حسین مدظلہ شہر مٹہ ساکن محلہ صادق پور مٹہ
 نمبر ۶۔ خان بہادر جناب قاضی سید محمد اہل مرحوم ساکن قصبہ بارہ ضلع پٹنہ
 نمبر ۷۔ خان بہادر جناب قاضی مولوی قزینہ علیہ صاحب ساکن گیا

چونکہ یہ خطابات بلا عوض کسی خدمت کے عوض براہ شفقت و مہربانی فرسوانہ و عنایت شاہد ہم مسلمان
 لوگوں کی حث افزائی و قدر شناسی کے لئے گورنمنٹ عالیہ نے مرحمت فرمائے ہیں پس ہم سب
 مسلمانوں کو عموماً اور فرقہ اہل حدیث کو خصوصاً اور علی الخصوص خاندان صادق پور کو اسکا شکر یہ
 قولاً و فعلاً ادا کرنا چاہئے کیونکہ الشکر بنیذ النعمۃ ہم مسلمانوں کا فطرتی اور مذہبی شیوہ ہے
 کہ محسن کے احسان کا قولاً و فعلاً اقرار کریں۔ جیسا کہ جناب سرور کائنات مغز موجودات
 رحمتہ عالمین کا ارشاد ہے لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس پھر کون مسلمان ہوگا
 جو اس پر عمل نہیں کرے گا۔ خاص کر فرقہ اہل حدیث کے لئے تو کسی اسلامی سلطنت
 میں بھی یہ آزادی مذہبی (کہ وہ بلا مزاحمت اپنے تمام امکان دینی ادا کریں) نصیب نہیں جو
 برٹش حکومت میں انہیں حاصل ہے۔ پس ان کا فرض مذہبی و نفسی دونوں ہے کہ
 وہ ایسی عادل اور مہربان گورنمنٹ کی طلوع و فرمان بردار رہا یا ہوں اور ہمیشہ دعا
 گوئے سلطنت برین فتدبر و تفکر و لاتکن من العاقلین ۔

۵ اس کتاب کی تالیف کے بعد مولوی محمد یوسف جعفری کا رتبہ کوکر ۱۹۱۱ء میں شمس العلامی کا خطاب مل گیا

الدر المنثور کے ایک صفحے کا عکس

شکر

نہ

شکر

بہارِ شکر و شکر

نہ

شکر

حضرت علامہ مولانا تقدس علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ

شیخ الجامعہ جامعہ راشدیہ، پیر جو گوٹھ، سندھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

محبتِ محترم مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب شیخ الحدیث
جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور۔ اہل سنت کی قابل قدر شخصیت ہیں، وہ اپنی ذات کو
درس و تدریس، تالیف و تصنیف کے لیے وقف کر چکے ہیں، مولانا موصوف
مصروف ترین اور ہمہ گیر شخصیت ہیں، متعدد درسی کتابوں کے تراجم اور حواشی لکھ چکے
ہیں اور متعدد موضوعات پر ان کی تصانیف ان کے علم و فضل کا بین ثبوت ہیں، ایک
عالم متقی ہونے کے ساتھ خاموش طبع بھی ہیں۔

زیر نظر کتاب اندھیرے سے اجالے تک میں مولانا نے اغیار کی لمع کا پردہ چاک
کر دیا اور اپنی شستہ تحریر میں حقائق کو واشکاف کر دیا اور ثابت کر دیا کہ امام احمد رضا
اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ پر جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ بالکل بے سرو پا اور
اور غلط ہیں اور چلتی پھرتی روایتوں اور افواہوں کا بھی قلع قمع کر دیا اور انصاف کے
دامن سے وابستہ رہے ہوئے ہر بات پر قول باحوالہ درج کر دیا۔

بہر حال مولانا نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے حقیقت میں اس کا حق
ادا کر دیا ہے، میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ بظہیر سید عالم صلی اللہ
علیہ وسلم انہیں صحت و سلامتی کے ساتھ مسلک اہل سنت کی تبلیغ و اشاعت
کی مزید توفیق عطا فرمائے

فقیر تقدس علی قادری شیخ الجامعہ

۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

جامعہ راشدیہ، پیر جو گوٹھ، خیر پور

۱۵ جنوری ۱۹۸۸ء

(سندھ)

افسوس کہ حضرت اقدس ۳ رجب المرجب ۲۲ فروری ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء کو دارفانی سے رخصت
فرمائے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ پیر جو گوٹھ، ضلع خیر پور میرس سندھ میں آپ کا مزار ہے۔

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ

(ملتان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِهِ
وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ ط

اعلیٰ حضرت مجددِ ملت الامام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور مسلک اہل سنت کی طرف سے عامۃ المسابین کو بدظن کرنے کی جو ہم معاندین کی طرف سے شکم پروری کی خاطر عرصہ دراز سے چلائی گئی اس کی بنیاد دروغ گوئی اور الزام تراشی کے سوا اور کچھ نہ تھی جب وہ انتہائی کس میرسی کی حالت میں مضمحل ہو کر دم توڑنے لگی تو اچانک سعودی خزانوں کے دھانے کھل گئے ریالوں کی بھرمار شروع ہو گئی۔ پھر کیا تھا یار لوگوں نے خوب ہاتھ رنگے اور شکم پروری کے اس موقع سے جی بھر کے فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی ملک اور بیرون ملک اس مذموم ہم کو بڑی تیزی سے چلانا شروع کر دیا گیا۔ اس سعی نامسعود کا نتیجہ رسوائے زمانہ کتاب البریلویہ ہے جس کے بد باطن مؤلف نے اعلیٰ حضرت پر جھوٹے الزام لگانے اور مسلک اہل سنت کو مسخ کر کے کفر و شرک اور بدعت و ضلالت کی صورت میں پیش کیا حقائق ثابتہ کو دجل و فریب کے پردوں اور چمکتی ہوئی صداقتوں کو شکوک و اوہام کی تاریکیوں میں چھپانے کی ناکام کوشش کی مگر بھروسے "ہر فرعون راموسے" اللہ تعالیٰ کی توفیق سے فاضل جلیل حضرت مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری میدان میں آئے اور انہوں نے اس کے رد میں "اندھیرے سے اجالے تک" کتاب لکھی جو اسم بامسمیٰ ہے حقیقت یہ ہے کہ فاضل مصنف نے مؤلف البریلویہ کے کھو فریب اور دجل کے نام پردوں کو چاک کر دیا اور علم و یقین کے نور سے شکوک و

اولام کی ظلمتوں کو نصیبت و نابود کر دیا ہے۔ اس کا جو حصہ سلنے آیا ہے اس کے پڑھنے سے یقیناً ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ ہم اندھیرے سے اجالے تک پہنچ گئے مصنف مدوح نے نہایت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ حقائق کو بے نقاب کیا ہے۔ مدلل اور مسکت جوابات دئے ہیں، انتہائی سلیس اور پائیزہ اندازِ بیانیہ تحقیق اور انصاف کی روشنی میں اگر یہ کتاب پڑھی جائے تو پڑھنے والا بیباختہ کے گاتق یہی ہے جو "اندھیرے سے اجالے تک" کتاب کے مصنف نے لکھا۔

فاضل محترم مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری مستحق تحسین و آفرین ہیں کہ انہوں نے یہ بے نظیر کتاب لکھ کر حقائق کے چہروں سے نقاب اٹھا دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس تصنیف کو شرف قبول عطا فرمائے اور انہیں ان خدمات کے لیے زندہ و سلامت رکھے۔ آمین

سید احمد سعید کاظمی، ۵ رجب المرجب ۱۴۰۶ھ
مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۸۶ء

حکیم محمد سعید دہلوی
بمدر منزل کراچی ۵

محترم جناب محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی مرسلہ کتابیں (۱) اندھیرے سے اجالے تک (۲) حیات امام اہل سنت (۳) اجالا (۴) امام احمد رضا بریلوی اپنوں اور غیروں کی نظر میں (۵) سلام رضا (۶) بہار شباب مع سوانح حیات (۷) قادیانی مرتد پر خدائی تلوار، ملیں۔

لے افسوس کہ حضرت غزالیٰ زماں قدس سرہ ۲۵ رمضان المبارک ۴ جون ۱۴۰۶ھ / ۶۱۹۸۶ کو
۱۰ دن سے رحلت فرما گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ورحمۃ

آپ کے ان تحائف کا شکریہ!

ساری کتابیں معلومات افزا ہیں اور ان سے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں کے حالات و سوانح اور ان کے علمی کارناموں پر اچھے انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے دعا ہے کہ ان کتابوں کو قبول عام نصیب ہو! آمین!

آپ کی اس کرم فرمائی کا شکریہ مکرر

امید ہے کہ مزاج بر عافیت ہوگا۔

بہ احترامات فراوان

آپ کا مخلص

حکیم محمد سعید

۷ ذیقعد ۱۴۰۶ھ

۱۵ جولائی ۱۹۸۶ء

مولانا محمد احمد مصباحی

جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، انڈیا

”اندھیرے سے اجالے تک“ آپ کا عظیم جماعتی اور علمی و تاریخی کارنامہ ہے جسے دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی۔ اس کتاب کی چند خصوصیات ہیں :-

۱۔ البریلویہ (احسان الہی ظہیر) کے ہر الزام کا جواب بسط و شرح سے پیش کیا گیا ہے۔

۲۔ ہر موضوع سے متعلق امام احمد رضا کے حالات و خدمات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے جو بجائے خود ایک سوانحی خدمت ہے، جس کی روشنی میں الزامات خود ہی تاریکیوں کی طرح اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس طرح یہ کتاب ایک مثبت تحقیق کی بھی حامل ہے

۳۔ البریلویہ کے افتراءات کا جواب بڑی ہی بردباری، علمی متانت و عقل

سجیدگی اور حوالوں کی پختگی کے ساتھ دیا گیا ہے، میری نظر میں یہ آپ کے قلم کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ ورنہ ظہیر نے جس عیاری و بے باکی کے ساتھ حقائق کو مسخ کرنے اور شخصیت کی مکروہ تصویر بنانے کی ناروا کوشش کی ہے وہ امام احمد رضا کے ہر معتمد کو شعلہ قلم بنانے کے لیے کافی ہے۔

سوسال بلکہ زیادہ عرصہ سے قادیانی، رافضی، نیچری، غیر مقلد، دیوبندی سبھی فرقے امام احمد رضا کے سخت مخالف ہیں، لیکن مخالفت، تعصب اور عناد کے باوجود امام احمد رضا کی فقہی مہارت، غیر معمولی ذہانت، قوتِ تحریر اور مختلف علوم و فنون میں کمال کے معترف رہے ہیں۔ لیکن احسان الہی ظہیر وہ پہلا شخص ہے جسے عناد و تعصب میں اس مرتبہ کمال تک ترقی ہوئی کہ امام احمد رضا کو "سیئ الحافظ غائب لداغ" لکھا اور ان کی تصانیف کو ان کے متعلقین اور تلامذہ کا کارنامہ شمار کیا۔ آخر ان متعلقین اور تلامذہ نے امام احمد رضا کے بعد یا انکی زندگی ہی میں کوئی ایک ہی کتاب ان کے معیار کی لکھی ہوئی، ان کے لیے کون سا مانع تھا؟ جب وہ خود اپنے نام سے اپنی کتابیں شائع کرتے ہیں تو وہ بلندیِ فکر و استدلال نہیں ملتی جو امام احمد رضا کی کتابوں میں ہے۔

۴۔ اندھیرے سے اجالے تک کے تمام حوالے انتہائی دیانت داری سے پیش کیے گئے ہیں اور جملہ مندرجات کے ماخذ موجود ہیں، جب کہ البریلوٹیہ میں بغیر کسی حوالہ کے امام رضا کے ابتدائی استاد مرزا غلام قادر بیگ بریلوی کو قادیانی کا بھائی بنا دیا ہے اور جگہ جگہ حوالے تو دیئے ہیں لیکن عبارت بالکل مختلف ہے، اصل میں کچھ ہے اور البریلوٹیہ میں کچھ۔

خدا کا شکر ہے کہ اہل سنت کے پاس حقائق ہی حقائق ہیں جن کا اجالا پھیلتی ہی اندھیرا غائب ہو جاتا ہے اور معاند کی پر تعصب کاوشیں فکر و قلم خاک

۵۔ آپ کی کتاب اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ استطراد سے خالی ہے اور ایجاز و حسن بیان سے آراستہ ہے، حوالے اور دلائل زیادہ ہیں اور بے ضرورت خامہ فرسائی بالکل نہیں۔

۶ کتاب کی کتابت اور تصحیح بھی بہت عمدہ ہے۔ جب کہ اس زمانہ میں اکثر کتابیں اغلاط کتابت کی خاصی مقدار لیے ہوتی ہیں، غالباً پروف پر آپ کی بھی نظر گزری ہے۔

آپ نے اہل سنت کو ایک عظیم فرض کفایہ سے سبکدوش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ رب کریم آپ کو ہم تمام سینوں کی طرف سے اپنی شان کے لائق جزاؤں سے نوازے اور اس کتاب کے عربی ایڈیشن اور دیگر ابواب کی تکمیل کا سامان بھی احسن و اکمل طور پر بہت جلد فرمائے

محمد احمد مصباحی بھیروی
رکن الجمع الاسلامی، فیض العلوم
محمد آباد، گوہنڈ، اعظم گڑھ، یو۔ پی

دوشنبہ } ۴ ربیع الثور ۱۴۰۶ھ
۱۸ نومبر ۱۹۸۵ء

پروفیسر محمد مسعود احمد پرنسپل
گورنمنٹ ڈگری کالج، ٹھٹھہ (سندھ)

نوازش نامہ اور تحفہ اہل حقہ موصول ہوئے۔ آپ نے بڑی محنت کی اور تحقیق کا حق ادا کر دیا، جزاکم اللہ! — مدلل، محقق، مختصر نگار ثبات دور جدید کا تقاضا ہیں، آپ نے اس تقاضے کو بحسن و خوبی پورا فرمایا، آپ کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ دارین میں اپنی رحمتوں سے مالا مال فرمائے آمین — آپ جن حالات میں کام کر رہے ہیں، ان حالات میں اہل عزیمت ہی کام کرتے ہیں مولیٰ تعالیٰ آپ کو بہت واستقامت عطا فرمائے آمین!

آپ ان ممتاز اہل قلم میں سے ایک ہیں جن سے فقیر استفادہ کرتا ہے۔ آپ کی مساعی لائق تحسین و آفرین ہیں۔

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

۱۴ نومبر ۱۹۸۵ء

مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی

شیخ الحدیث، سیال شریف

جناب کے مرحلہ دو عدد عظیمیے اندھیرے سے اجالے تک موصول ہوئے، بہت مستحسن کوشش ہے اور انتہائی محتاط انداز بیان۔ اللہ تعالیٰ مزید برکات سے بہرہ ور فرمائے اور خدمت دین قوم کی توفیق رفیق خیر رفیق

ملک شیر محمد خاں، کالا باغ

آپ کی ارسال کردہ کتاب موسومہ اندھیرے سے اجالے تک موصول ہوئی، جس کے لیے اعماق قلب سے ممنون ہوں۔ میں اس کتاب کی طباعت کا منتظر تھا۔ کتاب موصول ہوتے ہی ایک ہی نشست میں پڑھالی۔ فاضل مؤلف نے البریلوئیہ کے تمام اعتراضات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ انداز بیان دلکش، سنجیدہ اور مہذب ہے۔ فاضل مؤلف کے لیے بے ساختہ دل سے یہ دعا نکلتی ہے

ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

والسلام خیر طلب

شیر محمد خاں لے

۲۳ اکتوبر ۱۹۸۵ء

اے افسوس کہ ملک صاحب ۱۳ جمادی الثانیہ ۱۴۰۶ھ / فروری ۱۹۸۶ء کو دارفانی سے رحلت فرما گئے۔

مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہ جہان پوری

مترجم کتب حدیث — لاہور

اندھیرے سے اجالے تک، ندائے پارہ رسول اللہ
اور مجموعہ رسائل متعلقہ رد و وافض، یہ تینوں آپ کی نگارشات بغور دیکھیں اور دوران
مطالعہ بار بار آپ کے لیے دل سے دعائیں نکلتی رہیں — جزاک اللہ فی الدارین خیراً
"علامہ" احسان الہی ظہیر صاحب کے الزامات کا جس عالمانہ اور فاضلانہ نشان
سے بے سرد پا ہونا ثابت کیا ہے اور جس طرح مسکت جوابات دیے ہیں ان کے
باعث آپ جملہ اہل سنت و جماعت کی طرف سے شکر یہ کے مستحق ہیں۔ اپنی اس
کاوش اور سعی مشکور کے باعث آپ نے اپنے رضوی ہونے کا منہ بولتا ثبوت
فراہم کر دیا ہے

اختر شاہ جہان پوری مظہری

۳ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ

۶۱۹۸۶

۱۳ مئی

پروفیسر محمد ارشد، لیکچرر شعبہ تاریخ

کیڈٹ کالج، حسن ابدال.....

چند دن پہلے آپ کی کتاب شیشے کے گھر دیکھنے کا اتفاق
ہوا، اپنے موضوع پر بہت اچھی اور لائق تحسین کوشش ہے۔ اندھیرے سے اجالے تک
آپ کی دوسری نسبتاً زیادہ ضخیم کتاب بھی پڑھ چکا ہوں۔ البسریلویتہ کا بہت چرچا ستائشاً
راقم الحروف کو عربی پر دسترس نہیں ہے۔ اس لیے خود تو اس کا مطالعہ نہ کر سکا
تھا اب آپ کی کتاب اندھیرے سے اجالے تک نے جو اس فریب کا پردہ چاک
کیا ہے تو معلوم ہوا کہ البسریلویتہ کے مؤلف کتنی کھلی کھلی بددیانتیوں کے مرتکب ہوئے
میں جو ایک عالم دین تو کیا ایک شریف انسان سے بھی متوقع نہیں ہوتیں۔
۲۰ جون ۱۹۸۶ء

مخلص، محمد ارشد

علامہ اقبال احمد فاروقی، لاہور

غیر مقلدین کے خطیب و ادیب علامہ احسان الہی ظہیر صاحب نے اپنی بیمار عربی زبان میں البسریوۃ لکھ کر وادی نجد کے نوکیلے ذہنوں کو خوشس کر دیا تھا۔ اس کتاب کی غلط بیانیوں کو ہمارے فاضل دوست جناب مولانا محمد عبدالحکیم شرف نے اندھیرے سے اجالے تک میں آڑے ہاتھوں لیا، یہ کتاب نظریاتی افتخار پر ایک لطیف اجالا بکھرتی ہوئی آئی۔

محمد عالم مختار حق — لاہور

اندھیرے سے اجالے تک کا کئی دن ہوئے مطالعہ کر چکا ہوں اور اس انتظار میں تھا کہ اس کا حصہ دوم بھی نظر نواز ہو تو مطالعہ کے بعد اپنی گزارشات پیش کروں، مگر دوسرا حصہ غالباً ابھی تک منصہ شہود پر نہیں آیا۔ آپ نے جس انداز سے احسان الہی ظہیر صاحب کی رسوائے زماں کتاب البسریوۃ کا تعاقب کیا ہے میں اس پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں، آپ نے غنیم کے مورچوں کو ہی صرف تہس نہس نہیں کیا بلکہ دشمن کے علاقہ میں گھس کر اسے ہینڈ زاپ کرنے پر مجبور کر دیا اور احسان الہی صاحب نے البسریوۃ میں اپنی عربی دانگی کا جو قلعہ تعمیر کیا تھا اسے اسکے اندرونی دوستوں کی معاونت ہی سے ہندم کر دیا۔ میری مراد اس اسلحہ سے ہے جو آپ کو ہفت روزہ اہل حدیث کے شماروں سے ملا، اسے کہتے ہیں اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے، مگر میں سمجھتا ہوں سب سے بڑا کمال آپ کا یہ ہے کہ کتاب کی اندرونی شہادتوں سے آپ نے احسان صاحب کے مبلغ علم کا جو پول کھولا ہے اور اس طرح جڑ سے زخم پہنچانے میں وہ مدتوں ان کو سہلاتے رہیں گے۔ البتہ ایک بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ

آپ کی کتاب میں بھی اردو میں بعض غلطیاں رہ گئی ہیں جن میں گواکثر غلط العوام ہیں مگر
فرقی مخالف کے ہاتھ میں ایک ہتھیار تو آسکتا ہے

آپ کا محمد عالم

۲۱ جنوری ۱۹۸۶ء

ارادہ سلطان مجاہد الطاہری

سینئر سول انجینئر..... اوکاڑہ

آپ کی مختلف کتابیں نظر سے گزری ہیں، مرکزی مجلس صفا
کی کتابیں بھی زیر مطالعہ رہتی ہیں، ہمارے مسلک میں آپ ان مصنفین میں شمار کیے جاسکتے
ہیں جن کی تحریریں جملے اور بازاری الفاظ سے مبرا ہیں۔ دراصل آج کے دور میں یہ تحریریں
قابل قبول و ستائش رہ گئی ہیں، آپ ایسے مصنفین ہمارے لیے قابل فخر سرمایہ ہیں،
جن کی نگارشات ہر طبقہ میں پسند کی جائیں۔ پراثر ہوں۔ ہم نے صرف اپنا نقطہ نظر
پیش کرنا ہوتا ہے۔ دوسروں پر بے جا تنقید اور بے مقصد حملے دراصل صحیح موقف کو
کو کمزور کر دیتے ہیں اور پڑھے لکھے لوگوں میں یہ تحریریں آج کل نفرت کی علامت سمجھی
جاتی ہیں، ماشاء اللہ! آپ کی تحریریں ان آلائشوں سے پاک ہیں، اللہ تعالیٰ نے
یہ نعمت آپ کو دی ہے۔ اس کا شکر ہے اور آپ کو مبارک ہو

آپ کا اسلامی ساتھی

۹ فروری ۱۹۸۶ء

سلطان مجاہد الطاہری

سید محمد ریاست علی قادری

بانی ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی

اندھیرے سے اجالے تک پوری کتاب کا ترجمہ
کرنے کا ارادہ ہے اگر یہ کتاب جدید عربی میں ترجمہ ہو گئی تو بہت مفید ہوگی، یہاں بندوبست

کر لیا ہے۔ آپ اپنی رائے سے مطلع کیجئے!

ماشاء اللہ! بہت خوب لکھی ہے، ہم تمام عقیدتمندان اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمائیں

سید ریاست علی قادری

غلام مرتضیٰ سعیدی

فروکہ..... ضلع سرگودھا

میری طرف سے اپنی بے نظیر تصنیف اندھیرے سے اجالے تک
کی اشاعت پر مبارکباد قبول فرمائیے۔ بندہ ایک طالب علم اور انجمن طلباء اسلام
کا ایک ادنیٰ سارکن ہے اس لیے جناب کے اس شہ پارے پر تبصرہ کرنا بندہ کے
بس کی بات نہیں ہے مگر اتنا ضرور عرض ہے کہ آپ نے زبان زیادہ نرم استعمال
کی ہے۔ شاید آپ کے اعلیٰ اخلاق کا ثمر ہو، مگر جو زبان البریلویتیہ میں استعمال کی
گئی ہے میرے خیال میں زبان ایسی ہی ہونی چاہیے تھی میں نے مذکورہ بالا کتاب نہیں
پڑھی مگر جہاں کہیں آپ نے حوالہ جات نقل کیے ہیں تو اس عبارت کو پڑھ کر قلب و
باطن میں اک آگ سی لگ جاتی ہے اور جواب دینے کی بجائے جی چاہتا ہے کہ اس
دروغ گو کی زبان کاٹ دی جائے

غلام مرتضیٰ سعیدی

جرائد

احسان الہی ظہیر

سوال: کیا پاکستان میں بریلوی علماء کی طرف سے البریلویتیہ کے، جواب میں کوئی

کتاب نہیں لکھی گئی؟

جواب: صرف چند پمفلٹ لکھے، گئے ہیں دلیل کے ساتھ کوئی بات نہیں کی گئی تھی، محض دشنام طرازی سے کام لیا گیا تھا۔ مجھے اس پر حیرت بھی ہے کہ چار برس میں پورا عالم بریلویت میری اس کتاب کا جواب نہیں دے سکا ہے۔ حالانکہ ان میں بڑے بڑے مبشرات کے حاملین بھی شامل ہیں جن کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ انہیں بشارتیں ملتی ہیں اور بہت سے ایسے تیس مارخاں بھی ان میں شامل ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ان کے سامنے کسی دوسرے کا چراغ ہرگز نہیں جلتا کسی نے مجھے جواب دینے کی جرات نہیں کی ہے

(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور، شمارہ فروری ۸۷ء ص ۲۴)

مولانا ابوداؤد محمد صادق

سرپرست ماہنامہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ

جن پمفلٹوں کا ظہیر صاحب نے ذکر کیا ہے ان میں دشنام طرازی نہیں کی گئی بلکہ خود ان کی دشنام طرازی و غلط بیانی کو بطور نمونہ مشتمل از خروارے بیان کیا گیا ہے لہذا انہیں چاہیے تھا کہ اگر ان پمفلٹوں، کی ایک ہی غلط بیانی ہوتی تو اس کی بھی صفائی پیش کرتے یا اپنی غلطی کا اعتراف کرتے۔ مذکورہ پمفلٹوں کے جواب میں ان کی خاموشی نے ان کی ذات اور کتاب دونوں کو مشکوک و داغدار کر دیا ہے

دوسری بات یہ ہے کہ کتاب البریلویۃ کا کھلم کھلا رد و جواب اس لیے شائع نہیں کیا گیا کہ اس کتاب پر پابندی کی خبر آگئی تھی اور اس پر فرقہ و بابیہ نے سخت واویلا بھی کیا تھا لہذا ظاہر ہے کہ پابندی کی خبر کے بعد جواب کی اشاعت پر بھی اثر پڑتا

تیسری بات یہ ہے کہ کتاب البریلویۃ کے مختلف پہلوؤں کے رد میں مولانا ابو الجحیم

شرف صاحب نے اندھیرے سے اجالے تک، شیشے کے گھر، ندائے پارسول اللہ جیسے مختلف عنوانات سے جواب شائع کیا ہے جس میں محض دلیل و متانت سے گفتگو کی گئی ہے، معلوم نہیں ظہیر صاحب کی نظر سے مولانا شرف صاحب موصوف کی تصانیف کیوں نہیں گزریں؟ یا مصلحتاً انہوں نے ان کے ذکر سے چشم پوشی کی ہے، بہر حال یہ بھی ظہیر صاحب کی محض خوش فہمی و غلط بیانی ہے کہ ان کی مذکورہ کتاب کا جواب نہیں دیا گیا۔

(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ، لاہور شمارہ مارچ ۱۹۸۷ء ص ۳۰۰)

الجواب آئینہ میں چونکہ اپنی ہی صورت نظر آتی ہے اس لیے ظہیر صاحب کو اپنی دشنام طرازی کا جواب بھی دشنام طرازی کی صورت میں نظر آیا۔ بہتر ہوتا کہ ظہیر صاحب "چند پمفلٹ" کا نام بھی لکھ دیتے تاکہ "قومی ڈائجسٹ" اور "رضائے مصطفیٰ" کے قارئین کو وہ دیکھ کر ان کی سچائی کو پرکھنے کا موقع مل جاتا۔ اب ظہیر صاحب کو کھل کر یہ بتانا ہو گا کہ کیا؟

مجددالائمہ: (من ہوا احمد رضا، علامہ شجاعت علی قادری کی ۲۱۶ صفحات کی عربی کتاب "پمفلٹ" ہے؟ اور کیا احسان الہی ظہیر نے اس کا جواب لکھا ہے؟

"اندھیرے سے اجالے تک" فاضل محقق علامہ عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العالی کی ۲۷۸ صفحات کی کتاب "پمفلٹ" ہے؟ جس میں علامہ موصوف نے حضرت علیہ الرحمۃ پر ظہیر کے جھوٹے الزامات کی دھجیاں بکھری ہیں۔

"شیشے کا گھر": علامہ موصوف کی ۱۲۸ صفحات کی کتاب "پمفلٹ" ہے؟ جس میں فاضل محقق نے لکھا ہے کہ خود انگریز نوازی کا "اتنا کمزور اور نازک ماضی رکھنے کے باوجود غیر متقلدین (ظہیر وغیرہ) علما اہل سنت پر انگریز نوازی کا جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگاتے ہوئے نہیں شرماتے۔ ان پر شیشے کے مکان میں بیٹھ کر کلوخ اندازی کی مثال کس قدر صحیح صادق آتی ہے؟

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوارِ آہنی پر حماقت تو دیکھتے

”ندائے پارسول اللہ“ :- (مسئلہ نوسل واستغاثہ) علامہ موصوف کی ۱۲۸ صفحات کی یہ ایمان افروز شائع کردہ کتاب ”پمفلٹ“ ہے؟ جس میں مسئلہ نداء و علم غیب اور توسل واستغاثہ پر مسدک علیہ الرحمۃ کو مدلل و مفصل بیان کرنے کے علاوہ ظہیر صاحب کو ان کے گھر کا آئینہ بھی دکھایا گیا ہے۔

”مجموعہ رسائل“ :- (رد و افاض) علامہ موصوف کی ۸۸ صفحات کی شائع کردہ کتاب ”پمفلٹ“ ہے؟ جس میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پر ظہیر کے شیعہ سے ہمنوائی کے بہتان کے پرچھے اڑائے گئے ہیں۔

”مجموعہ رسائل“ :- (رد مرزائیت) علامہ موصوف کی ۱۱۶ صفحات کی شائع کردہ کتاب ”پمفلٹ“ ہے؟ جس میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پر ظہیر کے مرزائیوں سے بھائی چارے اور مرزا قادیانی کے بھائی کو اعلیٰ حضرت کا استاد قرار دینے پر ظہیر کی بے ایمانی و بددیانتی اور اس کی شقاوت و حماقت کا رد بلیغ فرمایا گیا ہے۔

نام نہاد :- ”البرلویت“ کے رد و جواب میں وسیع پیمانہ پر اس قدر تحقیقی تاریخی اور مدلل و مفصل ششہ و پانیرہ علمی ذخیرہ کی اشاعت کے باوجود ظہیر صاحب کے اس بیان پر کہ نام نہاد ”البرلویت“ کے جواب میں ”صرف چند پمفلٹ لکھے گئے ہیں“ اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے

الحاصل :- ظہیر صاحب کے ایک ایک الزام و افتراء کے جواب میں پوری پوری کتاب کی اشاعت کے بعد صورت حال بدل چکی ہے اور اب مذکورہ کتب کا جواب الجواب اور اپنی کذب بیانی و بددیانتی کی صفائی پیش کرنا خود ان کے ذمہ ہے جیسا کہ فاضل محقق علامہ عبدالحکیم شرف قادری نے ان کی نشاندہی کی ہے۔
مولانا ابوالوہاب محمد صادق مدظلہ، ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوار، شمارہ مارچ ۱۹۸۶ء

احسان الہی ظہیر صاحب نے البریلویۃ نامی ایک کتاب عربی میں لکھی ہے۔ جس میں بریلوی لوگوں کے مزعومہ و مفروضہ عقاید کی تردید کرنے کے علاوہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی ذات والاصفات پر بھی رکیک حملے کیے گئے ہیں اور عجیب و غریب الزامات عائد کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کی عربی پڑھ کر مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ ان دنوں میں صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ بالوں اور ضمیروں سے کسی حد تک آگاہ ہو چکا تھا، مگر عربی لغات سے نا آشنا تھا۔ ایک دن خانقاہ شریف کے مال خانے میں بھینس کی ایک بچی — جسے ہماری زبان میں ”کٹی“ کہا جاتا ہے — بندھی ہوئی تھی اور دم ہلا رہی تھی، سید محمود شاہ صاحب مدظل نے مجھ سے پوچھا کہ کٹی پوچھل ہلاندی اسے (کٹی دم ہلاتی ہے) کی عربی کیا ہوگی؟ مجھے ”کٹی“ کی عربی آتی تھی نہ ”پوچھل“ کی۔

اس لیے میں نے فی الفور کٹی کو عربی طریقے سے موتھ کیا اور پوچھل کے ساتھ ضمیر لگائی اور کہا: الْكُتَّةُ تُحَرِّكُ پُوچھلہا۔ شاہ صاحب اس عربی پر بہت ہنسے۔ اب بھی جب کبھی ہم دونوں عہد گذشتہ کی باتیں کر رہے ہوں تو اس واقعہ کو یاد کر کے خوب ہنستے ہیں۔

احسان صاحب کی اس کتاب میں بھی ایسی ہی عربی پائی جاتی ہے۔ مثلاً ”رسید“ فارسی لفظ ہے۔ احسان صاحب کو شاید اس کا عربی متبادل معلوم نہ تھا، اس لیے ”رسید“ کو ہی تھی کر لیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

فَانَّهُمْ اَعْطَوْا اللَّعْمَاةَ الْبُغَاةَ رَسِيْدًا الْجَنَّةِ۔ ۱۳۵

اسی طرح ”لوسہ“ بھی فارسی لفظ ہے۔ احسان صاحب نے اس سے ”یَبُوْس“ بنا

لیا (صیغہ واحد مذکر فاعل فعل مضارع معلوم، ملاحظہ ہو ص ۱۳۸)

اس قسم کی اور بھی مثالیں پائی جاتی ہیں۔

علامہ شرف صاحب کی زیر نظر کتاب — اندھیرے سے اجالے تک — احسانِ حسنیٰ
کی اسی کتاب البریلویہ کا مسکت جواب ہے۔

بہشتیت مجموعی یہ ایک لاجواب کتاب ہے اور اس میں جو خاص بات ہے، وہ
مصنف کی عالمانہ قنانت ہے، جو کتاب کے صفحہ اول سے صفحہ آخر تک برقرار رہی،
اور کہیں بھی جذباتی رنگ جھلکنے نہیں پاتا۔ بلاشبہ ایسی ہی کتابیں اہل علم میں قدر کی نگاہ
سے دیکھی جاتی ہیں اور بلند پایہ لائبریریوں کی زینت بنتی ہیں۔

کتابت کی غلطیاں کہیں کہیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً مولانا رضا علی خان کے واقعہ کے
بیان میں ”صورۃ“ کی جگہ ”سورۃ“ لکھا ہوا ہے، مگر اتنی ضخیم کتاب میں کتابت کی چند
غلطیاں رہ جانا کوئی تعجب کی بات نہیں، البتہ ص ۲۶۲ پر ایک مشہور شعر کو مولانا جامی
کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

نسبتِ خود بسکت کردم و بس منفعلم

زانکہ نسبت بسک کوئے تو شد بے ادبی

حالانکہ یہ شعر جان محمد قدسی کی اس مشہور عالمِ لغت کا ہے، جس کا مطلع ہے

عـ مرجبا سید مکی مدنی العسرنی

اس غلطی کی اصلاح ضروری ہے۔

طباعت اور کاغذ نہایت معیاری ہے۔

(تبصرہ نگار، قاضی عبداللہ دائم دائم ماہنامہ جام عرفان، ہمدردی پور

شمارہ اکتوبر ۱۹۸۶ء، ص ۲۸ - ۲۶)

نوٹ: اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں امکانی حد تک غلطیوں کی اصلاح کر دی گئی
ہے جن جن حضرات نے اغلاط کی نشاندہی فرمائی مصنف ان کے شکر گزار ہیں ۱۲ سیدی

شیشے کے گھر

حضرت ابوالحسن زید فاروقی مدظلہ

خالقہ نقشبندیہ، مجددیہ، دہلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی تازہ تالیف لطیف شیشے کے گھر شنبہ ۲۸ رمضان، جون کو دوسرے
ڈاک سے ملے۔ آپ نے اچھا نام تجویز کیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے۔
زَادَكَ اللهُ فِي الْعِلْمِ وَبَسْطَةً۔

اس قسم کے علمی جواہر پارے وقتاً فوقتاً شائع فرماتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل سنت و
جماعت کی شوکت میں اضافہ فرمائے۔ آپ دارین میں عافیت سے رہیں

والسلام

زید ابوالحسن فاروقی

جمعہ ۵ شوال ۱۴۰۶ھ

۱۳ جون ۱۹۸۶ء

حکیم محمود احمد برکاتی

۱۰۲۹۸۔۱۔ لیاقت آباد نمبر ۳، کراچی ۱۹

شیشے کا گھر ملا، خوب ہے، بڑی محنت کی

ہے آپ نے، مگر بڑا کام ہو گیا، اہل حدیث حضرات کی سرگرمیاں عہد ضیائی میں تیز تر
ہو گئی ہیں اور پراسرار بھی ہیں، اس فرقے کی تاریخ قبیل قدر سے ملت دشمنی اور

انگریز دوستی کی تاریخ ہے — حکیم صاحب محترم، حضرت حکیم نصیر الدین کراچی،
کو بھی ان کا نسخہ پہنچا دیا ہے — اللہ کرے آپ بخیر و عافیت ہوں

خاکسار

محمود احمد برکاتی

۲۰ جولائی ۱۹۸۶ء

مولانا نور احمد خاں فریدی

قصر الادب ۹۱، رائٹرز کالونی، ملتان

مرسلہ کتاب شیشے کا گھر موصول ہوئی، مناظرین کے لیے
نہایت عمدہ کتاب ہے، اس کی تدوین میں خاصی محنت کی گئی ہے، میں نے شروع
سے اخیر تک پڑھا اور کتاب اپنی جامع مسجد کے امام صاحب کو دے دی

۲۶ جون ۱۹۸۶ء

حکیم محمد حسین بدر چشتی

ڈیرہ نواب صاحب بہاولپور

مرکزی مجلس رضا کی نئی اشاعت شیشے کے گھر

موصول ہو گئی ہے، بہترین تحقیقی کوشش ہے جناب مولانا عبدالحکیم شرف قادری
مبارکباد کے مستحق ہیں۔ آپ ازراہ کرم اس کتاب کی دس کاپیاں مجھے بھجوائیں میں نے
اپنے بعض محبین کو روانہ کرتی ہیں

والسلام

نیاز کیشس، محمد حسین بدر چشتی

۱۷ افسوس کہ حکیم صاحب موصوف ۳، صفحہ المظفر مطابق ۸، اکتوبر ۱۳۰۷ھ / ۱۹۸۶ء کو دہر فانی
سعدت فرما گئے رحمة اللہ تعالیٰ

روزنامہ امن، کراچی۔

مجلس رضا کراچی نے امام اہل سنت مولانا شاہ رضا کی تعلیمات و خدمات دینی و علمی پر مبنی مطبوعات کا ایک سلسلہ جاری کیا ہوا ہے جس کی یہ نویں اشاعت ہے جس میں اکابر اہل حدیث کے مستند کتابوں کے اقتباسات کے حوالوں سے ان الزامات کی تردید کی گئی ہے کہ علمائے اہل سنت (مقلدین) انگریزی حکومت کے کبھی وفادار رہے ہوں یا انہوں نے سامراجی استبداد کو قبول کیا ہو۔

تاریخی حوالوں سے ثابت کیا گیا کہ برصغیر میں انگریزوں کی آمد تک بقول مولوی بشیر احمد دیوبندی "ہندوستان میں انگریز کی حکمرانی سے قبل اس گروہ (غیر مقلد) کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ اس فرقہ کا ظہور انگریز کی چشم التفات کا رہن منت ہے" عقائد سے متعلق اور برٹش سرکار سے روابط کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز محدث، سید احمد بریلوی، شاہ اسماعیل، مولوی محمد حسین بٹالوی، نواب صدیق حسن، ڈپٹی منیر احمد، مولانا اشرف علی تھانوی، مولوی ثناء اللہ امرتسری، مولانا غلام رسول مہراور بہت سے زعماء و علما کی تحریروں کے اقتباس شامل کیے گئے ہیں۔ دراصل یہ کتاب ان کتابوں یا مضامین کے جواب میں مرتب کی گئی ہے جو علمائے اہل حدیث کی جانب سے متنازعہ موضوعات پر شائع ہوئی ہیں۔

ہمارے خیال میں امت مسلمہ آج جن حالات سے گزر رہی ہے اسے سیاسی سے زیادہ مذہبی ہم آہنگی کی ضرورت ہے۔ دوسروں کے عقائد چھڑے بغیر اپنے عقائد کا اظہار و ابلاغ مناسب ہوگا۔ ورنہ اس پریشان کن ماحول میں فریقین کے اکابرین کو ہدفِ ملامت بنا کر امت مسلمہ کو مزید نفاق کی راہ پر لگانا ہے جو معروضی صورتحال میں مناسب نہ ہوگا جبکہ عام آدمی سے قطع نظر اہل علم و فکر اور مختلف مسالک کے

طلباء کی نظر سے ماضی میں جو کچھ ہوا وہ پوشیدہ نہیں۔ ایسے مباحث منافرت سے زیادہ مناقشوں اور مجادلوں کا باعث بن سکتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ فریقین پہل کرنے سے احتراز کریں ورنہ جواباً زلزلہ اور شیشے کے گھر جیسی کتابیں منظر عام پر آتی رہیں گی۔ تاہم یہ خوشی ہے کہ مؤلف نے روایتی جارحیت کے بجائے عالمانہ شائستگی، استدلال علمی اور آدابِ قلم ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اقتباسات کے ذریعہ التزمی رویے سے کام لیا ہے۔

(تبصرہ نگار: عاقل بریلوی)

مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی

بعض بدشاد اور نافر جام لوگوں نے اختلاف اور انتشار پھیلانے کے لیے کتابیں لکھی ہیں اور ان کے عزائم مشورہ سے ہماری تحریک (اتحاد) کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ لاحق ہوا ہے۔ مگر ان کی پھیلائی ہوئی گراہیوں کو بے نقاب کرنے کے لیے اندھیرے سے اجلے سما اور شیشے کے گھر جیسی تالیفات نے سلاشیان حق کے لیے کافی مواد فراہم کر دیا ہے اور قارئین کو بتا دیا ہے کہ کتابِ سنت میں کفار و منافقین کی بہت واضح اشارات کو شمع رسالت کے پردوں پر چسپاں نہیں کیا جاسکتا۔

اتحاد بین المسلمین حصہ دوم ص ۱۸ مکتبہ رضویہ، لاہور جنوری ۱۹۸۸ء

ہفت روزہ الہام، بہاولپور

۴۔ جون ۱۹۸۶ء

مولانا احمد رضا خاں پر مدت سے الزام لگایا جا رہا ہے کہ وہ انگریزوں کے کاسہ لیس اور ان کی حکومت کے حامی تھے۔ لیکن آج تک کوئی مافی کالال ان کی تحریر و تقریر سے یہ ثابت نہ کر سکا۔ اس کے برعکس اہل حدیث حضرات جو پہلے وہابیت سے ملقب کیے جاتے تھے اور مسلمہ طور پر سرکار پرست اور انگریزی حکومت کے مداح اور ہی خواہ رہے ہیں۔ اپنی تمام سابقہ روایات کو چھپا کر اہل سنت اور امام احمد رضا خاں بریلوی پر انگریز نوازی کا اتہام عائد کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

زیر تبصرہ کتاب میں انکو آئینہ دکھایا ہے اور ان کی تحریروں اور کتابوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ انگریزی حکومت کی کاسہ لیبی کا طعنہ دینے والے خود سب سے بڑے انگریزی حکومت نواز رہے ہیں۔ "سینٹے کے گھر" میں نواب صدیق حسن خاں سے لے کر مولوی محمد حسین بٹالوی کی تحریروں تک بے شمار ایسے شواہد پیش کیے ہیں کہ غیر مقلدین کا انگریز پرست ہونا قطعی ظاہر ہے ان کا یہ کہنا کہ ان کے اکابر نے جہاد آزادی میں بے شمار قربانیاں دیں۔ جھوٹ کا پلندہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان حضرات نے مجاہدین آزادی کو سر بھر اور پیوٹا گردانا ہے۔

محمد عبدالحمید شرف قادری بڑے محتاط صاحب قلم ہیں۔ تحقیق و تاریخ پر ان کی گہری نظر ہے۔ باقی دیگر تصانیف میں بھی یہ پہلو ہمیشہ پیش نظر رہا ہے اور سینٹے کے گھر میں بھی انھوں نے یہی طریق استعمال کیا ہے جو لوگ سینٹے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر سنگ زنی کرتے ہیں انھیں پہلے اپنے گھر کا جائزہ لینا چاہیے ۛ

مکے عیبہ فادریکے لاصور

ماہنامہ بیت

یادایہ حضرت محمد ﷺ • مقالات رضویہ

معقالات اہل السنۃ • نور نور چہرے

